ایم اے راحت
اپسرا
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساری حویلی خوشبوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر طرف ہی [illegible] ایک دوسرے سے جیسے [illegible] ذات [illegible] ہوا۔ سب عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کسی کو کسی سے غرض نہیں تھی۔ ان سب کی ایک ہی ڈیوٹی تھی۔ ملک صاحب کو [illegible] رات کو رات اور رات کو دن سمجھنا۔ ملک صاحب خوش تو سب خوش۔ ملک خداداد اس حویلی کے مالک تھے۔ ان کی ذات پوری کی پوری حویلی پر مسلط تھی۔ جہاں کسی کی آواز [illegible] ملک صاحب کے آنکھوں کا اشارہ [illegible] نہیں تھی۔ ملک صاحب کی خوشنودی کی طرف [illegible] اور [illegible] رات [illegible]۔

[illegible] ہوتے تھے ـــــــ لیکن آنکھوں [illegible] جوان [illegible] صحت مند۔ [illegible] آج تک [illegible] حسین عورتیں اور [illegible] رہتی تھیں۔ [illegible] آئے دن [illegible] رہتی تھیں۔ حویلی کے ایک کمرے [illegible] ہوتی تھیں۔ لیکن [illegible] نقش [illegible] جنگلی [illegible] پریشان [illegible] رہتی تھی۔ ورنہ

اس حویلی میں اس کی کیا نوعیت تھی۔ جہاں کے دن اور راتیں ہر موسم اور طبلے کی آوازوں سے مرصع ہوں، جہاں کے چپے چپے میں گھنگھروؤں کی جھنکار بسی ہو۔ جہاں کا قانون ملک خداداد خان کا بنایا ہوا ہو۔ وہ قانون جو کتابوں میں نہیں تھا۔ کتابوں کا اس حویلی میں کوئی گزر نہیں تھا۔ کتابیں پڑھ کر عمر ضائع کرنے کے بجائے یہاں زراعت کی عملی تعلیم مناسب سمجھی جاتی تھی۔ زرخیز اور بانجھ زمین کی شناخت، فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے طریقے۔ کسانوں سے خون پسینے سے کیا کچھ وصول کیا جا سکتا ہے۔ مزدوروں کو آدھے پیٹ [illegible] کس طرح زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ کس طرح انہیں ان کی اوقات بتائی جاتی ہے۔ خود کو اونچا رکھنے کے لیے دوسروں کو نیچے رکھنے کا طریقہ۔ تعلیم تھی تو بس یہی تھی اور یہی تعلیم اس حویلی میں رائج تھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible] بہرحال غلام علی صاحب سے [illegible] بھائی ایک دوسرے سے [illegible] دولت کی ریل پیل [illegible]

[illegible]

"[illegible] یہاں کسی کو آپ کی [illegible]"

[illegible] لیکن مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں تھا۔

[illegible] ملک صاحب کا پیغام دیا۔

"کسی آپ کو بلا رہے ہیں۔"

[illegible]

"جی ابا جی۔"

[illegible]

"کیا تم غلام علی کو جانتے ہو؟"

"جی غلام علی۔"

"ہاں۔ غالباً غلام علی۔" ملک صاحب کی آواز میں ایک بار پھر تناؤ ابھر آیا۔

"کیوں نہیں؟"

"اس کی بیٹی حمیدہ کو دیکھا ہے؟"

"نہیں ابا جی۔ ہمارا ان سے واسطہ ہی کب ہے؟"

"میں نے دیکھا ہے۔ میں اپنے معاملات سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ میں نے اسے ایک بار دیکھا ہے۔ گلاب کی کلی کی طرح کھلتی ہوئی رنگت ہے۔ شبنم کے قطرے جیسی [illegible] ہے۔ بالکل حمیدہ کی طرح [illegible] دیکھو گے تو تڑپ اٹھو گے۔"

"جی" میرے منہ سے مشکل نکلا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"تم حمیدہ کے بھانجے ہو۔ حق ہے تمہارا ان لوگوں پر اور خاص طور سے حمیدہ پر کیا سمجھے؟"

"جی۔" میں اسی انداز میں بولا۔

"تمہاری ماں کبھی نہیں گئی ان لوگوں کے پاس لیکن اب جائے گی تمہارے ساتھ۔ تھوڑے دن رہو وہاں۔ بڑا سے شکوے دور کر دو۔ حمیدہ کو شیشے میں اتار لو۔ تمہارے لیے یہ کام مشکل نہ ہوگا۔ جوان بیٹے ہو، خوبصورت ہو اور [illegible] بیٹے ہو۔ حمیدہ کو خراب کر دو۔ اسے مجبور کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ بھاگ جائے۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو اپنی ماں کو چھوڑ دو وہ خود آ جائے گی۔ قادر خان تمہارے پیچھے ہوگا۔ وہ سارا بندوبست کر دے گا۔ تمہارے فرار ہونے کا۔ آرام سے رہو کچھ دن اور اس کے بعد تم واپس آ جاؤ۔ حمیدہ کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا اور پولیس اسے خود غلام علی کے پاس پہنچا دے گی۔ اپنی [illegible] تمہارے بچاؤ کا سارا بندوبست ہو جائے گا۔"

ملک صاحب کی آواز ابھر رہی تھی اور میرے بدن میں تھرتھری ہو رہی تھی۔ یہ عجیب منصوبہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ملک صاحب حقے کے کش لگاتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک ابھر رہی تھی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ دفعتاً انہوں نے حقے کی نے چھوڑ دی، اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"خاموش کیوں ہو؟"

"آپ کی باتوں پر غور کر رہا ہوں ابا جی۔"

"کیوں غور کر رہے ہو؟"

"آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ عزت کا سوال ہے۔ کیا اس کے لیے اتنا ہی کافی



نہیں ہے کہ میں نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔"

"مگر ابا جی، کوئی کام کرتے ہوئے اگر اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی ہوں تو کام میں آسانی ہو جاتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میری یہ بات شاید ان کے دل کو لگی تھی۔ حقے کے کش لیتے رہے پھر گردن اٹھا کر بولے۔

"غلام علی سے میری پرانی دشمنی ہے۔ بیس سال پرانی دشمنی ہے لیکن میرے سینے میں آج بھی الاؤ روشن ہے۔ حمیدہ میری مانگ تھی۔ میری بیوی بننا تھا اسے۔ وہ تمہاری ماں سے بہت خوبصورت تھی۔ بہت حسین تھی وہ۔ اور میں اسے پسند کرتا تھا لیکن غلام علی مجھ سے پہلے اسے پسند کر چکا تھا۔ وہ بھی بیس گاؤں کے زمیندار کا بیٹا تھا۔ جو بیس گاؤں تھے اس کے جو اب کم ہوتے ہوتے چار رہ گئے ہیں۔ آٹھ گاؤں میرے پاس تھے اور وہ وقت دور نہیں جب اس کے یہ چاروں گاؤں بھی بک جائیں گے۔ [illegible] زبان [illegible] تمہارے نانا نے ان کے باپ کو۔ لیکن حمیدہ [illegible] پسند تھی۔

میں نے کوششیں شروع کر دیں۔ ہزاروں جال ڈالے۔ [illegible] کسی نہ کسی طرح منانے کا [illegible] تیار کر لیا لیکن جب میں بارات لے کر پہنچا تو غلام علی بھی اپنا کام کر چکا تھا۔ حمیدہ اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی۔ بالغ ہو چکی تھی وہ۔ اس نے عدالت میں نکاح پڑھوا لیا حمیدہ سے اور اب کوئی ترکیب نہیں تھی۔ میرا سینہ جہنم بن گیا۔ تمہارے نانا نے [illegible] ڈال دی میرے باپ کے قدموں میں اور میرا نکاح حمیدہ کی بڑی بہن سے ہو گیا۔ میں دل میں طوفان چھپائے آ گیا۔ اور یہ طوفان آج بھی میرے سینے میں موجزن ہے۔ غلام علی کی بیٹی اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ وہی کھیل دوبارہ ہوگا۔ مگر غلام علی کی بیٹی کا نکاح نہیں ہوگا کسی عدالت میں [illegible] پھر [illegible] جائے گی! [illegible] میں تصور [illegible] غلام علی اپنی بیٹی کو عدالت سے [illegible] لیکن کوئی کارروائی نہیں کرے گا [illegible] مگر اب وہ صرف چار گاؤں کا [illegible] ہے۔ ہمارے پاس آٹھ گاؤں ہیں۔ اور [illegible] زمین بھی ہے۔" ملک صاحب کے لہجے میں تکبر تھا۔ "سنا تم نے بابر دادا خان؟"

"ہاں ابا جی۔"

"یہ تو مردوں کے لہجے میں بول رہے ہو۔ ایسا ہوتا ہے مردوں کا لہجہ۔ صاف الفاظ میں بول۔ یہ کام کر سکتا ہے یا نہیں؟"

"میرے [illegible] ہیں۔ لیکن باپ کے کاندھوں کا بوجھ پہلا بیٹا ہی سنبھالتا ہے۔ اس لیے میں [illegible] کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ابا جی۔ میں یہ کام کروں گا۔" اس بار میری آواز میں لکنت نہیں تھی۔ میرے دل و دماغ کی کشمکش ایک نقطے پر پہنچ گئی تھی۔

"بیٹا [illegible] جیسے لوگوں کے یہی کھیل ہوتے ہیں اور تو بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ زمینوں کے لیے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا اور [illegible] دیکھو، تیرا باپ تجھے کیا تحفہ پیش کر رہا ہے۔" ملک صاحب نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر مجھے دے دی۔ میں نے تصویر دیکھی اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

تیکھے نقوش، حسین آنکھیں، ابھرا ابھرا بدن۔ وہ مسکرا رہی تھی لیکن ان خطوط میں میری ماں کے نقوش اور خدوخال کی جھلک تھی۔

وہ خدوخال سب بڑھاپے [illegible] تھے۔ لیکن یہ نقوش شاداب تھے۔ بلاشبہ وہ حسین تھی لیکن جس چہرے میں ماں کی جھلک ہو وہ مقدس ہوتا ہے۔ میں نے میلی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا۔ اور تصویر اپنے پاس رکھ لی۔

"آج میں نے تیرے لیے اپنے سارے پروگرام ملتوی کر دیے ہیں۔ اور ایک بے کیف رات گزارنے جا رہا ہوں۔ تیاریاں کر لے اور اپنی ماں کو کچھ نہ بتانا۔ عورت فطرت کی کمزور ہوتی ہے۔ مردوں کے راز جب بھی عورت کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ میں خود اسے ہدایات دے دوں گا۔ تو اپنی تیاریاں کر لے۔"

"جی ابا جی۔"

"بس جاؤ۔ جوان ہونے کے بعد میں یہ پہلا کام تمہیں سپرد کر رہا ہوں۔ ایسے انجام دے کہ میری آنکھوں میں اپنے لیے عزت بنا دو۔ اس دور کا ہر رشتہ کاروباری ہے۔ منافع نہ ہو تو کوئی رشتہ رشتہ نہیں رہتا۔"

واپسی پر میں سوچ رہا تھا۔ "ہاں ابا جی بہت ٹھیک ہے بعض اوقات رشتہ رشتہ نہیں رہتا۔ سارے رشتے کاروباری ہو جاتے ہیں۔"

میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ آج بہت سی باتوں کا انکشاف ہو رہا تھا۔ ماں کی یہ حالت بلاوجہ ہی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس حال کو پہنچایا گیا ہے۔ میرے نانا نانی مر چکے تھے، یوں بھی وہ درمیانہ درجے کے لوگ تھے [illegible] آج تک انہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ [illegible] ایک بار دوسرے گاؤں میں دیکھا تھا کسی نے بتایا [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ میرے خالو بھی تھے تاہم اب میں ان کی بیٹی کو بیاہنا چاہتا تھا؟
خیالی ہی سہی، میں نے ان لوگوں سے ملا جانے بچپن سے
تک یہ بات دل میں کہیں پالی ہوئی تھی۔
حافظ تک خداداد خان جیسے آدمی کا تعاون میرے باپ
زادے لیکن میں اچھے روپے ہی جانتا ہوں۔ باشبہ اگر غلام
پور میں جا کے پیغام دیتا تو وہ خوشی سے ایجاب دیتا لیکن
میری فطرت اس سے الگ تھی۔
کئی دنوں تک میں اپنے کمرے میں گھسا سوچتا رہا۔ میں نے
ایک پروگرام ترتیب دیا تھا اور اس کے ایک ایک پہلو پر غور کرنے کے
بعد خود کو پوری طرح تیار کر لیا تھا۔
دوسری صبح ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر میں نے ماں کو بلوا
لیا۔ میں نے کچھ پہلے ان کے کانوں تک بات پہنچا چکی ہے۔ تمہارے
اس نے اس بات کو کسی حد تک جان لیا ہے۔ بہرحال عورت عورت ہی
ہوتی ہے بیٹے کے دل کی بات کو کیسے نہ سمجھتا۔
ماں کے چہرے پر خوشی کی سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔
زندہ دل ماں کی آنکھوں سے زندگی روشنی بکھر گئی تھی۔ شکر ہے بیٹے
نے دیوان جیسے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ ان کا ووٹ اور لکیروں میں
کہیں دور چھپ گئی تھی۔
"مجھے یقین دلانے والا ہے۔ مجھے یقین دلانے کیا ہے سچ ہے۔
کیا سچ کہو دوسرے بیٹے کو کہا ہے کہ یہ بات کہوں گی جو الٹی ترکیب
بیٹی ذرا، لیکن غلام کی ہر بیٹے کے سکون میں ہے۔ مجھے بتا
تو کیا چاہتے ہو؟"
"محض ایسی بات ماں!"
"تمہیں غلام پور جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ تجھے کرانا
بات کی بہت ایسے ہے؟"
"ان کی تھی!"
"کہاں ہوگی تھی کیا یہ اصل بچہ ہے؟"
"وہ خالہ سے ملنے گئے تھے ماں!"
"ہاں۔ گھر جانے کے بعد میں نے خوب اچھے طرح سے
دیکھا ہے۔ ایسے کہ کبھی ذرا بھی تو تبدیلی نہیں ہوئی ان میں لیکن
مجھ کو انہوں نے کہا۔ مجھے۔ بس یقین نہیں آ رہا ہے۔"
"کیا کہا ہے انہوں نے ماں!"
"جانے کیسے بتانے کیوں ہوا ہے حق کے دل میں زخمی پیدا
ہوا ہے۔ کسی بات میں پچھتاوا کے غلط بھڑک اٹھے ہیں۔ جانے کس سے
لیا کیسے ہے!"
"میں کیا جانوں!"
"سچ کہے۔ اتنے ہو تو اصل زندگی ہو گئی ہے۔ ادھر آؤ بیٹا"

ہو گئی ہو مجھے پتہ نہیں تھا۔ جب دروازے پر تو مجھے دلاشتہ ہو گئے
ہوئے۔ روز نہیں میں نے ہی تو شادی کی غرض سے بھی بھی بہانی
ہے۔ مگر پیار دوں ان ذاکروں سے تو مجھے نفرت ہے۔ پھر کو رہی
کر رہے۔ غلام پور میں ایک حکیم جن کی بڑی شہرت سنی ہے ان کی عمر وہ
غلام پور میں ہیں۔ چوہدری آقا بھی اتنا ہی سخت ہے۔ ان لوگوں سے
تعلقات بڑھانا بھی تو مشکل ہے۔ تم اگر غلام پور جا کر اپنا علاج
کرا لو تو شاید ٹھیک ہو جاؤ۔ مگر ان لوگوں کے دل میں کھوٹ ہو
گی۔ میں نے رات کو بابر سے بھی اس سلسلے میں بات کی تھی۔ اب یہ دشمنی
کب تک چلے گی اسے ختم تو ہونا ہی چاہیے۔ تم چاہو تو وزیر بابر کے
ساتھ غلام پور چلے جاؤ اور وہاں ان لوگوں کو ہموار کرو۔ میں نے
بابر کو بھی کہہ دیا ہے کہ جا کر اپنے خالو کو منا لو۔ زندگی کی گاڑی ہی
آگے بڑھانی ہے۔ اگر وہ لوگ ٹھیک ہو گئے تو ہم آگے رشتہ بھی بڑھائیں
گے۔ انہوں نے مجھے حسینہ سے ملنے کی اجازت دے دی ہے کیا یہ
سچ ہے بابر؟"
"ہاں۔ انہوں نے رات کو مجھ سے بات کی تھی۔" میں نے
کہا اور ماں خوشی سے دیوانی ہو گئی۔
"تو پھر کب چلو گے؟"
"تم تیاری کر لو۔ میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
ہم غلام پور روانہ ہو گئے۔ میں نے اور بھی بہت سی تیاریاں
کی تھیں۔ ماں بہت خوش تھی۔ کئی افراد ہمارے ساتھ تھے اور بہت
دور گھوڑے پر سوار قادر خان بھی تھا جو ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔
غلام پور میں غلام علی کی حویلی میں بڑے جوش و جذبے سے دیکھا
گیا میری ماں کی بہن حسینہ اپنی بہن کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئی خالو۔
غلام علی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہم ہیں۔
"تمہارا آنا مری آنکھوں پر مجھے یقین نہیں آتا کہ اس قسم کی جھک
لگی ہے۔ اگر ملی ہے تو یہ ایک شگون ہے۔ میں ساری پرانی باتوں
کو بھلانے کے لیے تیار ہوں۔" انہوں نے کہا۔
ابتدا اس طرح کی گئی جس طرح کہا گیا تھا۔ ان کی خوشیاں
چھپتے ہوئے مجھے بھی غم ہو رہا تھا۔ غلام علی خالو کو جب یقین آ گیا
تو انہوں نے مجھے سینے سے بھینچ لیا۔
"بہت دیر کے بعد خدا دادا خان کو عقل آئی ہے۔"
وہ ہنس ہنس کے ہنستے ہوئے بولے۔
حسینہ خالہ اب بھی حسین تھیں۔ پھر وہ اندر چلی گئیں پھر پلٹ کر
دیکھا ایک دو گھنٹے۔ تصور سے کہیں زیادہ حسین تھی۔
مجھے اس کی ذرا سی حرکت بھی گوارا ہے۔ وہ میرے سامنے ہی ایک بار تو
ساری زندگی کی عبادت قبول ہو سکتی ہے۔ خرابی خرابی آنکھوں
میں پیار تھا جو کسی لینے کے لیے ہوتا ہے۔ پیار کو اہمیت دیتا ہے



ہو کر اس سے دھوکا ہو جائے۔ میں سنبھل گیا۔ غلام پور کی حویلی میں
خوشیاں ہی خوشیاں پھیل گئی تھیں۔ ہمارے ساتھ آنے والے بہت
بہت سے سر پر سرخی سے پیغام لے گئے۔ یہی مناسب تھا ورنہ
خداداد خان جیسے انسان کو مطمئن کرنا بے حد مشکل کام تھا۔
حکیم صاحب کا تو سوال تھا۔ اس نام سے کوئی حکیم ملا ہی نہیں
تھا لیکن اس کو میان ڈال لگی تھی۔ پچیس سال سے وہ پڑے ہوئے
تھے۔ میرا دل اگر اس کے آگے ہو جاتا تھا ان لوگوں کو دیکھ کر۔
میں ان خوشیوں کو بہت جلد ملیا میٹ کرنے والا تھا۔ لیکن میرا عزم
متزلزل نہیں ہوا تھا۔ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا اگر وہ پایۂ تکمیل کو
پہنچ جاتا تو یہ سب تباہ ہو جاتے۔ اب تو بس ذرا سا نرم ہی ہو گا نہیں
البتہ میں اپنی ماں کے لیے پریشان تھا۔ کتنی منتظر خوشی کی تھی بچاری
کو۔ بہرطور میرا فیصلہ بھی اٹل تھا۔ حسینہ کو میں کسی طور تباہ نہیں
کر سکتا تھا۔ یہ میرا ننھیالی خاندان تھا کسی اور کو ہوتا تو مجھے اس سے
پوری ہمدردی تھی۔

ایک ہفتہ گزر گیا اس دوران قادر خان دو مرتبہ خفیہ طور
پر مجھ سے مل چکا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں اپنا کام بخوبی کر رہا
ہوں بس کچھ وقت چاہتا ہوں کہ میں اس پر عمل کرواؤں گا۔
آخر ایک رات میں نے اس پر قیامت ڈھانے کا فیصلہ کر لیا۔
رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے خالو غلام علی، خالہ حسینہ
اور اپنی ماں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ دروازہ میں نے اندر سے بند کر
لیا تھا۔ سب نے میری سنجیدگی کو حیرت کے ساتھ دیکھا تھا۔
"کوئی خاص بات کرنی ہے تمہیں بابر بیٹے؟" غلام علی خالو
نے پوچھا۔
"ہاں خالو جی۔ بہت خاص بات۔"
"کمال ہے بھئی۔ ایسی کیا بات ہے جو تم اتنے سنجیدہ ہو؟"
"ہماری اس گفتگو کو کوئی اور تو نہیں سن سکے گا خالو جی؟"
"کوئی نہیں بھئی۔ کہو کیا بات ہے؟"
"خالو جی، میں بہت بدنصیب انسان ہوں۔ اس ایک
ہفتے میں آپ کی خوشیوں کو دیکھ کر میرا کلیجہ کٹتا رہا ہے۔ آپ
لوگوں کے ساتھ ہنستا مسکراتا رہا ہوں لیکن اندر سے میرا جو حال
ہے میرا خدا ہی جانتا ہے۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو۔" غلام علی نے کہا۔

"ابھی میں چند روز [illegible] بہت سے نکلے ہوئے [illegible] آپ کے بزرگوں کی مسکراہٹ چھین لیں گے۔ [illegible] نہیں جانتا کہ میری [illegible] کیا حال ہوگا لیکن میرا [illegible] یہاں [illegible] ایک سازش کے تحت یہیں بھیجا گیا ہے۔"

"سازش؟ کس کے خلاف؟" غلام علی [illegible]

"آپ کے خلاف۔ اس گھر کے خلاف۔ اس کی عزت کے خلاف۔"

"کس نے بھیجا ہے؟"

"میرے باپ خداداد خان نے۔"

"ہاں۔ [illegible]" میری [illegible] نے غصے سے کہا۔ "ہوش میں ہو تم [illegible] سب کچھ کہہ رہا ہوں۔"

"اگر [illegible] ہوش میں ہو تو۔"

"بات کیا ہے؟ بیٹھو۔" خالو بولے۔

"بات یہ ہے خالو جی، کہ آپ نے حسینہ خالہ سے شادی کی تھی جبکہ خداداد خان ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔"

"ہاں۔ کی تھی۔"

"خالہ حسینہ اس وقت اٹھارہ سال کی تھیں۔"

"ہاں یہ سچ ہے۔"

"اور یہ بھی سچ ہے کہ [illegible] اب اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے [illegible] میرے باپ کی ساری زندگی [illegible] کی محبت کو [illegible] آپ کو تباہ کر دیا [illegible] آپ کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تو اب کیا سوچتے۔ آپ سے انتقام کا ایک طویل منصوبہ [illegible] اس منصوبے پر عمل کر رہے ہیں۔ مجھے یہاں اس لیے بھیجا گیا ہے [illegible] اٹھارہ سال [illegible] کروں۔ اسے [illegible] جال میں پھانسوں، پھر [illegible] کے بیل سے لے جاؤں [illegible] اس کے بعد [illegible] خداداد خان [illegible] اور اس کے بعد [illegible] مکمل کر کے ایک [illegible] اور [illegible] کر دیا گیا [illegible]"

وہاں جو [illegible] مجھے بتا دیا گیا ہے کیونکہ اس سلسلے میں مجھے ہر کام کرنا ہے۔"

میرے الفاظ کے دھماکے سب کے ذہن بھک سے اڑ گئے تھے۔ ان کے چہرے سے اس کا احساس ہو رہا تھا۔ میرے خاموش ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر [illegible] کی ایک دلخراش چیخ نکلی۔

"نہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے زندگی بھر غم اٹھائے ہیں۔ سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں ہوا میں نے کبھی اف نہیں کی۔ لیکن خداداد خان۔ خداداد خان میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔ میں خنجر سے بیٹوں کو ہلاک کر دوں گی [illegible] مار دوں گی میں۔" والدہ صاحبہ کے حلق سے چیخ نکلے۔ وہ بیہوش ہو گئیں۔

خالو غلام علی خاموش تھے۔ ان کے چہرے پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "حسینہ بہن کو سنبھالو۔ آؤ باہر میرے ساتھ آؤ۔"

ہم دونوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔ خالو مجھے اپنے کمرے میں لے آئے تھے۔ "بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے کہا۔ اور میں پرُ اطمینان انداز میں بیٹھ گیا۔ "ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"جی خالو جی۔"

"تم نے یہ سب کچھ ہمیں کیوں بتا دیا ہے؟"

"اس لیے خالو جان کہ میں شاید خداداد خان کی اولاد ہی نہیں ہوں۔ اگر میری ماں پاکباز نہ ہوتی تو میں خود کو اس کا بیٹا سمجھتا۔ اگر پہلا نہیں ہے تو میری ذہنی کیفیت اس حویلی کے دشمنوں سے مختلف کیوں ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ خالو جان۔ اس سلسلے میں میرے وحشی باپ نے مجھ پر اعتماد کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری پیشانی پر جرم ہونے کا کلنک ہے۔ مجھے اپنے اس بڑے بھائی کو ایک ہی سلسلہ لانا ہے کہ میں اپنے خاندان کی پیشانی کا داغ دھو سکتا۔ آپ لوگ میرے اپنے ہیں خالو جان۔ میں نے زندگی میں پہلی بار آپ لوگوں کو دیکھا ہے اور میں آپ کے لیے اس انکشاف کا تحفہ لایا ہوں۔ مجھے اس حویلی سے شدید نفرت ہے۔ وہ گناہ کا گھر ہے خالو جان اور میں اس گناہ کے گھر سے نکل آیا ہوں۔ جس وقت تک خداداد مجھے بتاتے تھے، میرے ذہن میں منصوبے بن رہے تھے۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں خالو جان کہ آپ لوگوں کو اس گھناؤنی سازش سے آگاہ کر دوں۔ یہ بتا دوں کہ میرے جانے کے بعد اگر کوئی خداداد خان کا کوئی بیٹا یہاں آئے تو آپ اس کے جال میں نہ پھنس جائیں۔



آپ ختا کار ہیں۔ اس ایک بیٹے میں نہیں اس لیے خاموش رہا ہوں کہ میں خود ہی آپ کی خوشیاں نہیں چھین لینا چاہتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا یہ انکشاف کرتے ہوئے۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب میں اپنی ماں کو لے کر چلا جاؤں گا۔ اس کا علاج کراؤں گا۔ میری ماں اب وہاں کبھی واپس نہیں جائے گی۔ ہم دونوں ایک الگ دنیا بسائیں گے اور میں ایک نئی زندگی کا آغاز کر دوں گا۔"

خالو غلام علی خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔ "اس ایک ہفتے میں خداداد خان کے کسی آدمی سے تم نے رابطہ قائم کیا ہے؟"

"ہاں۔"

"کون ہے وہ؟"

"گل درخان۔ سرائے دل پناہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اوہ۔" خالو نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔ تب خالو نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ "کاش تو خداداد کی اولاد نہ ہوتا کاش۔ کاش میں تیرے اس احسان کو کبھی بھول سکوں گا بچہ۔ خدا تجھے میری آبرو بچانے کا اجر دے۔ کہاں جاؤ گے تم اپنی ماں کو لے کر؟"

"اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا خالو جان۔"

"مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے بیٹے؟"

"یہ بات نہیں خالو جان۔ آپ مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں خود ان کا علاج کرانا چاہتا ہوں۔ وہ تمہاری ماں ہیں میرے محسن کی ماں اور میری بیوی کی بہن۔"

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے خالو جان۔ میں اپنی اس کاوش کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔"

"میں تمہیں کوئی صلہ نہیں دوں گا۔ یہ میرا بھی فرض ہے۔"

"مجھے آپ کے خلوص کا علم ہے۔ اگر مجھے کوئی ضرورت پڑی تو رجوع کروں گا۔ آپ کو تکلیف دوں گا۔ فی الحال مجھے میرا فرض پورا کرنے دیں۔ میں پورا انتظام کر کے چلا ہوں اور پھر جوان ہوں۔ اپنی ماں کا سب سے بڑا بیٹا اس کا بوجھ تو اٹھا سکتا ہوں۔"

"خدا تمہیں استقامت دے۔ زرینہ بہن کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ انہیں سنبھالنا ضروری ہے۔ آؤ۔"

امی کی حالت واقعی خراب ہو چکی تھی۔ ان کے بدن کا سارا خون خشک ہو گیا تھا۔ حسینہ خالہ بھی رو رہی تھیں۔ بہرحال اس کے بعد رخصت ہونے کے حق ہوئے۔ حسینہ خالہ نے خود میرے ساتھ چلنے کی خواہش کی تھی لیکن میں نے کوئی پیشکش قبول نہ کی [illegible]

میں نے وہاں قیام کیا۔ اس دوران گل درخان نہیں ملا تھا۔ مجھے کوئی خیال آیا اور میں نے اس سلسلے میں خالو غلام علی سے بات کی۔ "آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تھا خالو جان۔"

"ہاں۔ وہ سرائے میں ہی ہوں گے۔"

"ملاقات تو نہیں ہوئی اس سے؟"

"اس کی تلاش خداداد کے پاس بھجوا دی گئی ہے۔" غلام علی خالو نے جواب دیا۔ اور میں ساکت رہ گیا۔

"یہ کب کی بات ہے خالو؟"

"کل رات۔"

"تب مجھے آج روانہ ہو جانا چاہیے۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ میں ڈرتا نہیں ہوں کسی سے لیکن معاملہ میری بیمار ماں کا ہے۔"

"بار بیٹے، غلام علی نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ اس طرف کا رخ کرنے والے کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔"

"اس کے باوجود میری روانگی ضروری ہے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ پھر میں نے کسی کی نہیں سنی۔ خاموشی سے والدہ کو لے کر چل پڑا۔ لاکھ انکار کے باوجود خالو غلام علی نے ایک بڑی رقم والدہ کے سپرد کر دی تھی۔

میں درحقیقت اس سارے ماحول کو بھلا دینا چاہتا تھا۔ رقم میں خود بھی کافی لایا تھا۔ اور خالو غلام علی نے بھی اچھی خاصی دی تھی۔ میں نے ٹرین کا ٹکٹ کہیں اور کا لیا تھا لیکن سفر کہیں اور کا کیا۔ راستے میں ٹکٹ بدلا لیا تھا۔ اس طرح میں نے اس بڑے شہر میں آ کر زندگی کا نئے سرے سے آغاز کیا۔ جہاں زندگی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اتنی تیز کہ ہوش اڑے جاتے تھے۔ میں زمانے سے ناواقف تھا۔ میں نے صرف حویلی کے [illegible] دیکھے تھے۔ اس شہر کے ماحول نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔

لیکن سنبھالنا تھا خود کو۔ ماں کو سپتال میں داخل کرا دیا۔ ڈاکٹروں نے ان کی حالت بڑی مایوس کن بتائی تھی۔ میں جانتا تھا کہ بیماری تو تھی ہی لیکن اس کے حالات نے انہیں مزید بدحال کر دیا تھا۔ میں ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پہلے میں نے ایک گھٹیا سے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک چھوٹے سے محلے میں ایک جھونپڑی میں جگہ لی گئی۔

ماں کے پاس جانے کے اوقات مقرر تھے۔ ان اوقات کے بعد جو وقت ملتا، وہ میں اس بڑے شہر میں اپنی جگہ تلاش کرنے میں گزار دیتا۔ میں کسی نوکری کی کوشش کر رہا تھا۔ جھونپڑی کے پاس پڑوس میں بسنے والوں سے میں نے علیک سلیک کی [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہر اس سے دل نہیں لگتا تھا۔"
"اور تم نے چھوڑ دیا۔"
"ہاں۔"
"تعلیم یافتہ نہیں ہو؟"
"نہیں جناب۔"
میں نے جواب دیا اور کپتان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔
"آئندہ کیا پروگرام ہے؟"
"جب تک آپ اس جہاز پر رہنے دیں گے رہوں گا اور جب آپ کو میری ضرورت نہیں رہے گی کہیں اُتر جاؤں گا۔"
"میری طرف سے اجازت ہے جس ملک میں اترنا چاہو میں وہاں تمہارا بندوبست کردوں گا۔ اگر جہاز پر رہنا پسند کرو گے تو میں جب تک نوکری کررہا ہوں۔ اس وقت تک تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"
"میں شکرگزار ہوں کیپٹن۔"
"شکریہ کا تبادلہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا۔" کپتان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "آج سے تم کیبن پیرواشر کی ڈیوٹی انجام دو گے۔ خلاصی کا کام ختم۔ مسافروں کے آرام کا خیال تمہاری ڈیوٹی ہوگی۔ ان کے کیبنوں کو ضرورت کی چیزیں فراہم کرو گے اور ان کی ہدایت کے مطابق کام کرو گے۔"
"اوہ۔ میں شکریہ ادا نہیں کروں گا جناب۔" میں نے مسرت سے کہا۔
"کام ہمارے درمیان معاہدہ ہے۔" کپتان نے میرے گلاس میں دوبارہ وہسکی انڈیل دی۔
نئی ڈیوٹی زیادہ دلکش تھی۔ یہ ڈیوٹی میرے لیے جس قدر کارآمد تھی میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں مسافروں کے ساتھ گفتگو کرکے انگریزی میں مہارت حاصل کرتا جارہا تھا۔
جہاز نیپلز پہنچ گیا۔ اب میری تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی اور انگریزی بھی اب میں بنیادیات کے مرحلے سے گزر چکا تھا۔ اس لیے میں نے نیپلز میں اپنے دوسرے ساتھیوں کا ساتھ دیا اور یہاں کی سیر کا بھرپور لطف اٹھایا۔ نیپلز میں ہمارا قیام ایک ماہ دس دن رہا۔ یہاں سے مصر کا پروگرام تھا۔ جہاز کا کام شروع ہوگیا۔ یہ جہاز مال بردار اور مسافر بردار دونوں حیثیتوں کا حامل تھا۔ جہاں کنستر اتر گئے تھے اور نئی بکنگ شروع ہوگئی تھی۔ بکنگ ہمارے پاس ہی تھی اور میں مسافروں کو معلومات فراہم کررہا تھا۔ سامنے شمال نامی ایک خاتون کے کاغذات میں کچھ گڑبڑ تھی اور

وہ بے چاری بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ مصر کے روایتی لباس میں ملبوس یہ عورت بلا کی حسین تھی۔ یوں لگتا جیسے مصری تصویروں سے نکل آئی ہو۔ بدن سڈول کا حامل تھا۔ قد، قامت متناسب اور بے حد حسین تھا۔ سیاہ نقاب کے پیچھے اس کی پریشان آنکھیں عجیب سحر انگیز تھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے ان آنکھوں میں کھو کر رہ گیا۔
"مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے کاغذات درست نہیں۔ وقت بالکل نہیں ہے اگر میں اس جہاز سے روانہ نہ ہوسکی تو میرے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔" اس نے عاجزی سے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ آپ چلئے۔ کاغذات درست ہوجائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اچنبھے میں رہ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں سے ممنونیت کے جذبات جھلکنے لگے۔ اس نے ان حسین آنکھوں سے میرا شکریہ ادا کیا۔ اور واپس چلی گئی۔ میں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اس کے کاغذات کی خرابی درست کرائی جائے۔
تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی مصروفیات میں گم ہوگیا اور اسے بھول گیا۔ تمام مصروفیتوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھا لیے۔ کیبن انچارج کی حیثیت سے میں نے جہاز کی روانگی کے بعد کیبنوں کی چیکنگ شروع کردی۔
فرسٹ کلاس کے ایک کیبن پر میں نے دستک دی تو اندر سے ایک ترنم بار آواز سنائی دی۔
"آجائیے۔" اور میں نے کیبن کا دروازہ دھکیل دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ حسین نائٹی میں ملبوس ایک خاتون کسی عربی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے نگاہیں اٹھائیں اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ خدوخال تو میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن یہ آنکھیں سرزمین مصر کی پراسرار داستانیں ان آنکھوں میں لکھی ہوئی تھیں۔ میں بھلا ان آنکھوں کو بھول سکتا تھا۔ یہ وہی خاتون تھیں جن کے کاغذات میں نے درست کرادیے تھے۔
انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ "ارے آپ۔" وہ جلدی سے رسالہ رکھ کر بولیں۔ "تشریف لائیے۔"
میں بھی سنبھل گیا۔ مجھے اپنی ڈیوٹی یاد آگئی۔
"مگر آپ رک کیوں گئے؟"
"معاف کیجیے گا میں۔۔۔"
"معاف کردیا۔ تشریف لائیے۔" اس نے شوخ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔
"کیبنوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔ مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ آپ اس کیبن میں موجود ہیں۔"



"چلئے یہ تو یقین ہوں کہ آپ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آئے لیکن تشریف تو لائیے۔"
"جی شکریہ۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" میں نے کاروباری انداز میں پوچھا۔ وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کررہی تھی۔ لیکن مجھے اپنی اوقات یاد رکھنی تھی۔ اور پھر کسی دوم یا سوم کلاس کی مسافر نہیں بلکہ فرسٹ کلاس کی مسافر تھی وہ۔ یقیناً صاحب حیثیت ہوگی۔ اس کے کاغذات کی درستی میں نے کسی خاص مقصد کے تحت نہیں کرائی تھی۔ البتہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہ رہوں گا کہ اس کی خوبصورت آنکھوں نے مجھ سے ایک لمحے میں سب کچھ کرالیا تھا۔ بہرطور میں آگے بڑھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا تو میں بیٹھ گیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔
"میں اپنا سوال پھر دہراؤں گا خاتون۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو؟"
"ہے۔" اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
"جی فرمائیے۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"
"سوچ لیں آپ، میری تکلیف ذرا مختلف قسم کی ہے۔"
وہ شرارت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔ میں نے ابھی تک خود کو سنجیدہ ہی رکھا تھا۔ لیکن ایک ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر بھی آگئی۔
"ہم آپ کی تمام تکلیفوں کو دور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔"
"میں تنہائی کی تکلیف کا شکار ہوں، دیکھئے آپ۔ بوریت ہوتی ہے مجھے۔ یہ چند رسالے ہیں میرے پاس جو میرا ساتھ دے سکتے ہیں۔ ورنہ۔۔۔"
"آپ انہیں پڑھ لیں تو میں آپ کو اور رسالے مہیا کردوں گا۔ جہاز کی لائبریری میں ہر طرح کے رسالے موجود ہیں۔"
"رسائل پڑھ چکی ہوں۔" اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں۔ یہ کمی تو ہے ان میں۔"
"کیا آپ یہ کمی پوری نہیں کرسکتے؟"
"میں کیا عرض کروں خاتون۔ ملازم آدمی ہوں۔ ویسے آپ مجھے جب بھی طلب فرمائیں گی میں حاضر ہوجاؤں گا۔"
"ابھی آپ کی طلب تو اس وقت بھی ہے مجھے۔ سوچ رہی تھی کہ کافی پیوں۔ لیکن تنہا کافی پینے میں کوئی مزا نہیں۔ اب بتائیے آپ میری مشکل کس طرح حل کریں گے؟"
"کیبن میں آپ کے ہم پلہ کے لوگ موجود ہیں۔ شام کو ہی کلب کی تقریبات شروع ہوجاتی ہیں۔ آپ کو ان تقریبات میں لطف آئے گا۔" میں نے کہا اور وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

اس کے چہرے کی شوخ مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔ اس وقت تمام ضروریات موجود ہیں۔ اگر کوئی تکلیف ہوئی تو آپ کو اطلاع کرادی جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے پھر رسالہ اٹھالیا۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ ہمارا انسان کا انداز تھا لیکن میں کیا کرتا۔ اس انداز کی پذیرائی کیسے کی جاسکتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اس قدر گھاس ڈال رہی تھی۔ کیا صرف اس لیے کہ میں نے اس کا ایک چھوٹا سا کام کرادیا۔ ایک لمحے کے لیے میں تذبذب کا شکار رہا۔ اس نے دوبارہ میری طرف رخ نہیں کیا تھا۔ بس رسالے میں مصروف رہی اور میں آہستہ قدموں سے باہر آگیا۔
دوسرے کیبن میں داخل ہوا اور پھر تیسرے اور چوتھے میں اور پھر چند لمحات کے بعد میں اس کی اس کیفیت کو بھول چکا تھا۔ مسافر ہوتے ہیں طرح طرح کے مسافر ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ حسین تھی۔ ذہن کو ڈانواڈول کرنے والی تھی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ چند دن پہلے میں صرف ایک خلاصی تھا۔ جہاز کا فرش صاف کرنے والا اور اس کے دوسرے کاموں کی نگرانی کرنے والا۔ لیکن کپتان کی مہربانی نے مجھے یہ حیثیت بخش دی تھی۔ اور میں اس حیثیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اگر کسی مسافر نے میری بدتمیزی کی شکایت کردی تو مجھے کپتان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا جب کہ وہ مجھ پر بے حد بھروسہ کرنے لگا تھا۔ ٹھیک ہے اس کی ناراضگی مناسب ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو میرے لیے پریشان کن ہو۔
میں اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ شام ہوگئی۔ رات کو میری ڈیوٹی ختم ہوجاتی تھی اور یہ ذمہ داری ایک دوسرے آدمی کو سونپ دی جاتی تھی کہ وہ کیبنوں کی نگرانی کرے۔ میں نے اپنے کیبن میں آکر لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر کلب کے لیے نکل آیا۔ زندگی کی تفریحات میں اب مجھے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ ذہن سے وہ تکدر اور خرابیاں دور ہوچکی تھیں جو اسے پراگندہ کیے رہتی تھیں۔ چنانچہ اب میں نے بھی کچھ دوست بنالیے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی بہت پی پلا لیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں اپنے اچھے خاصے لباس میں ملبوس کلب کے ہال میں داخل ہوا۔ میرے بہت سے ساتھی وہاں موجود تھے اور شاید میرا انتظار بھی کررہے تھے۔ ان میں سے دو ایک نے ہاتھ ہلائے اور میں ان کی جانب



www.paksociety.com

ہو گیا تھا۔ اس وقت جب میرے آدمی [illegible]
[illegible] اس طرف [illegible]
[illegible] میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور میں
سمجھ گیا [illegible]
"دیکھو بارہا، میں یہی چاہتا ہوں۔" [illegible]
[illegible] اور میں بے اختیار مسکرا دیا۔
"میں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر کیا جا سکتا
ہوں [illegible] نہیں ہوں۔"
"شکریہ [illegible] اب تو تشریف رکھئے
[illegible]" میں بیٹھ گیا۔
"آپ نے مجھے عزت بخشی ہے [illegible]
[illegible] جہاز کا ایک معمولی ملازم
ہوں۔ لیکن [illegible] آپ کو ایک [illegible]
[illegible] نہیں ہوگی۔ [illegible] نہیں آتے
"آپ خوب ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]" وہ بولی اور
[illegible]
[illegible]
[illegible]
"[illegible]" اس نے سوال کیا۔
[illegible]
"ہوں۔ [illegible] آپ کا بہتر ساتھی رہ سکتا
ہے۔ ویسے جب دو آدمی ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں
تو پھر [illegible] ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جان
لیتے۔ آپ کے ذہن میں یقیناً [illegible] غلط
ہے؟"
"جی نہیں۔ آپ بالکل درست ہیں۔"
"کیا آپ [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔
اور میں نے اسے اپنے ملک کا نام بتا دیا۔
"اوہ۔ ہم ایشیائی ہیں۔ تاہم [illegible] پوچھ سکتی ہوں آپ
کا [illegible]؟"
"بارہا۔"
"ماشاءاللہ عظیم شخصیت کے مالک [illegible]
[illegible] ہوں گے؟" وہ [illegible] مسکرا کر
بولی۔
"سوال تو شبہ ہونے لگے تھے کہ کہیں اس عورت سے
واسطہ پڑا ہے۔ خواہ مخواہ کسی کے پیچھے پڑ گئی اور خود کو بھی
لے ڈوبی۔ لیکن میں کب کرتا ہوں، میں سفر پر ہوں، مجبوریوں کا شکار
ہوں۔ ایک اہم مقصد کے لیے نکل آئی تھی۔ اور یہاں عجیب
و غریب حالات کا شکار ہو گئی۔ اگر مضبوط اعصاب کی مالک نہ ہوتی
تو شاید پاگل ہو چکی ہوتی۔ اسی چکر میں میں نے سمندری سفر کا ارادہ
کر لیا۔ جو دو لوگ میری تاک میں تھے، وہ یقیناً ہوائی سفر شروع
کر چکے ہوں گے۔ لیکن میں نے انہیں دھوکا دینے کے لیے بحری سفر کا
فیصلہ کیا۔ تو میں بتا رہی تھی کہ میرے سفر کے کاغذات اسی ہنگامہ
خیزی میں درست نہ ہو سکے اور میں بڑی پریشانی کا شکار تھی کہ اگر
مجھے جہاز سے اتروا دیا گیا۔ تو میرا کیا بنے گا۔ ایسے وقت میں
آپ نے میری بھرپور مدد کی اور جس دلیری سے کی اس سے میں
بہت متاثر ہوئی ہوں۔"
"میں آپ کا نام تو پوچھ ہی نہ سکا خاتون۔" میں نے کہا۔
"اوہ۔ یقیناً آپ جیسے مصروف لوگ ہر لمحہ نو آمیز و
مخواتین سے منسلک رہتے ہوں گے۔ ان حالات میں بھلا آپ کو
کسی مسافر کا نام کیسے یاد رہ سکتا ہے۔ حالانکہ آپ
نے میرے کاغذات دیکھے تھے۔" اس نے کہا اور میں ایک لمحہ کو جھینپ گیا۔
"سوری، ویری سوری۔ سارہ شمائل۔" میں نے جواب
دیا اور وہ مسکرا دی۔
"یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے میرا نام یاد رکھا۔"
"شکریہ خاتون۔ آپ نے مجھے اتنی اہمیت دے ڈالی ہے اور
میں خواہ مخواہ آپ سے بے تکلف ہوتا جا رہا ہوں۔ میں پوچھ سکتا
ہوں، وہ کیا حالات تھے جن کا آپ شکار تھیں؟" میرے اس
سوال پر اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔ پھر وہ طویل سانس
لے کر بولی۔
"یقین کریں بارہا صاحب وہ حالات خود میرے پیدا کردہ
نہیں تھے۔ اگر میں پہلے سے ان کے بارے میں جانتی ہوتی تو شاید اتنی
پریشانی نہ ہوتی۔ بس یوں سمجھیں کہ کچھ پراسرار لوگ میرے پیچھے
پڑ گئے۔ وہ مجھے کیا نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور کیوں،
اس کا علم مجھے نہیں ہو سکا۔ میں صاحب ہی اس سے واقف ہوں، لیکن
ان کی کارروائیاں بے حد عجیب تھیں۔"
میں کچھ دیر ان حالات کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا نہیں
چاہتا تھا۔ [illegible] تھی۔ تعجب کے



رنگین ہال میں رقص کے لیے موسیقی شروع ہو گئی۔ مجھے گمان گزرا
کہ شاید وہ مجھ سے رقص کی درخواست کرے گی۔ ابھی اس حد
تک نہیں پہنچا تھا لیکن وہ بھی پُر وقار شخصیت کی مالک تھی۔ اس
نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ سب کے جوڑے ادھر ادھر ہو کر ڈانس فلور
کی جانب چلنے لگے۔ پھر وہ چونک کر بولی۔
"اگر آپ رقص سے دلچسپی رکھتے ہوں تو میں آپ کو نہ
روکوں گی۔"
"اوہ۔ نہیں میں ایشیائی ہوں۔" میں نے جواب دیا اور
وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔
"اور سب ہم مذہب ہیں۔"
"ہاں۔ یقیناً۔ اس وقت ہم اپنے فرض کر سکتے ہیں۔
کہ ہم ہی پایا جاتے ہیں یا نہیں۔"
"واہ! بہت خوب۔ ایسے مجھے تھوڑا سا تعجب بھی ہوا
ہے، آپ اس ماحول میں بھی مذہب پرست ہیں۔"
"نہیں یہ سعادت تو مجھے حاصل نہیں ہے۔ بہت سی الجھنوں
میں پھنسا ہوا ہوں لیکن ان کو مجھے بھلانے سے دلچسپی نہیں ہے۔"
"اچھی بات ہے۔ میں نے بھی کبھی رقص نہیں کیا ہے۔"
وہ بہت دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی دنیا جہان کی
کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اس کے سفر کے بارے میں پوچھا تو وہ
کہنے لگی۔
"کبھی سفر نہیں کیے؟"
"نہیں، اتفاق نہیں ہوا کبھی۔"
"یہ جہاز پہلی بار سفر کر رہا ہے؟"
"شاید نہیں۔ لیکن میں اس جہاز سے پہلی بار سفر کر رہی
ہوں۔"
"اوہ اس سے قبل کسی اور جہاز پر تھے آپ؟"
"نہیں۔ پہلی بار ہی اس جہاز پر ملازمت کی ہے۔"
"ہوں۔ ویسے مسٹر بارہا آپ کی شخصیت بہت عمدہ
ہے۔ شکل و صورت اور کشادہ پیشانی سے آپ کوئی معمولی آدمی
نہیں لگتے۔ لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ آپ نے اپنے شایان شان
ملازمت کیوں نہیں کی؟"
"میری شان۔ کچھ بھی نہیں ہے خاتون۔ میں ایک معمولی
شخص ہوں۔ سمجھ لیں۔ بس آپ مجھے دیکھ رہی ہیں۔"
"نہیں بڑا کرم۔ آپ میرے تجربے کو چیلنج نہ کریں۔ میں کسی
حد تک انسان شناس ہوں۔"
"شاید آپ درست کہتی ہوں۔" میں نے ٹالنے والے
انداز میں کہا اور وہ بھی "انسان" کہہ کر خاموش ہو گئی۔ اس کی
آنکھوں سے یوں لگتا تھا جیسے وہ اندر سے مجھے ٹٹولنا چاہتی
ہو۔ وہ یہ جاننے کی خواہاں تھی کہ میں کون ہوں۔ لیکن میں نے
اس احتیاط کو پامال نہیں کیا اور اس کے بارے میں کرید
نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی زندگی بھی الجھی ہو اور وہ بھی اس
میں کچھ کیوں رہتی۔ رات گئے ہم دونوں کلب سے اٹھے۔ میں
اسے اس کے کیبن تک چھوڑنے گیا اور کیبن میں داخل ہوتے
وقت اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ان آنکھوں میں
ایک ایسی سحر انگیز کیفیت تھی کہ میرا دل ڈانواڈول ہونے لگا۔
میں ایک لمحے کو عجیب سی خواہشات کا شکار ہو گیا
لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔
"خدا حافظ۔" میں آہستہ سے بولا۔ وہ چند لمحات مجھے
دیکھتی رہی۔ پھر گردن جھکا کر بولی۔
"خدا حافظ۔" اس نے کیبن میں داخل ہو کر دروازہ بند
کر لیا۔
اس رات میں کسی حد تک بے چین رہا۔ طویل عرصے
کے بعد میرے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوئی تھی۔ ورنہ
ان دنوں میں نے اپنے ذہن کو تمام الجھنوں سے آزاد کر لیا تھا
اور اپنے طور پر ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ میں نے فیصلہ
کر لیا تھا کہ اپنی ماضی کو بھول جاؤں گا۔ جب تک دل چاہے گا میں
جہاز پر رہوں گا اور جب طبیعت اکتا جائے گی کسی ملک میں بس
جاؤں گا۔ جو میرے جیسے شخص کے لیے زیادہ مشکل کام نہ
ہوگا۔ لیکن یہ لڑکی، یہ عورت ایک ایسی خلش میرے اندر
بیدار کر گئی تھی۔ جو اس سے پہلے کبھی میں نے محسوس نہیں کی۔
یہ خلش الگ تھی۔ دل میں ایک میٹھی میٹھی کسک پیدا ہو رہی تھی۔
حالانکہ ان معاملات میں میں بہت آگے جا چکا تھا۔ ہر طرح کی لذت
حاصل کر چکا تھا اور میری شخصیت میں کوئی ایسی کمزوری نہیں رہ گئی تھی جس
سے میں اپنے آپ کو عام انسانوں سے ممتاز کر سکتا۔ لیکن
لیکن اس رات۔۔۔ اس وقت میں نے کروٹ بدل بدل کر سونے
کی کوشش کی۔ تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اس کے
باوجود بہت دیر سے نیند آئی۔
دوسری صبح سب معمول تھی۔ سارہ شمائل مجھے یاد
تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ خود کو سارہ شمائل کے تصور
کی گرفت سے محفوظ رکھوں اور اسی کوشش میں اسے بھلا بیٹھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد وہ میرے پاس پہنچ گئی۔
"کہاں غائب ہیں بھئی۔ کیپٹن سے...؟" اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔
"بس یوں ہی۔ میری مصروفیات آپ کے علم میں ہیں۔"
"ایسی بھی کیا مصروفیات۔ آپ تو کیپٹن کے ہر راز سے واقف ہیں اور لوگوں کی ضروریات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ میری بھی تو کبھی آپ نے؟"
"اوہ! معافی چاہتا ہوں۔ کیا کوئی الجھن تھی؟"
"جی..." اس نے جواب دیا۔
"کیا الجھن تھی؟"
"میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ یہی الجھن تو تھی میری۔" اس نے کہا اور آہستہ سے ہنس پڑی۔
شام تک وہ میرے ساتھ رہی اور جب میرا اٹھنے کو جی چاہا تو اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔
"بس! آپ میرے ساتھ میرے کیبن میں چلئے۔ لباس تبدیل کر آئیے۔ رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ چلیں گے، بالیں پڑیں گی؟" میں اسے ایک لمحے تک دیکھتا رہا۔ یہ آخر کیا چاہتی ہے۔ اس کا انداز یقیناً کسی خاص مقصد کے تحت ہے۔ یا پھر جیسا کہ اس نے کہا وہ تنہائی کا شکار ہے اور اس کی تنہائی نے اسے اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرے۔ بہرطور میں انکار نہ کر سکا۔ خود میرے اپنے ذہن میں بھی تجسس تھا۔ میں لباس تبدیل کر کے اس کے کیبن میں پہنچ گیا۔ وہ ایک خوبصورت سلیپنگ گاؤن میں ملبوس آرام کرسی پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور سامنے اشارہ کیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
"ہاں صاحب۔ اب آپ کی ڈیوٹی تو ختم ہو چکی ہے اب جہاز پر آپ کی کیا حیثیت ہے؟"
"اس جہاز پر میری حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے۔"
"اچھا۔ اچھا۔ آپ کی حیثیت جو کچھ ہو اس وقت آپ چائے نوش کیجئے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں خود ہی چائے کے لئے کہہ آیا — اور تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے دو پیالیاں چائے تیار کی اور پھر ایک پیالی میرے آگے رکھ کر ایک خود لے کر بیٹھ گئی۔
"بابر صاحب، جب کوئی اجنبی شخص اتنی بے تکلفی سے کسی سے ملتا ہے تو ذہن میں لاتعداد خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔ سوچ رہا ہے کیسی کیسی مسرتیں نگاہوں میں آتی ہیں۔ اور آپ نے بھی یقیناً میرے بارے میں سوچا ہو گا۔"
"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔"
"فطری عمل ہے۔ انکار کا کیا سوال ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا سوچا آپ نے میرے بارے میں۔ میں جان سکتی ہوں؟"
"کچھ نہیں۔ بس یہی کہ آپ کی شخصیت کافی پُراسرار ہے۔ لیکن میں نے خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ آپ سرزمین مصر سے تعلق رکھتی ہیں، جو خود اسرار و رموز کی سرزمین ہے۔" وہ ہنس پڑی اور آہستہ سے بولی۔
"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی سے کچھ اسرار اور واقعات وابستہ ہیں لیکن بذات خود میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہ پُراسرار واقعات میرے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں۔ میں نہیں جانتی وہ کون لوگ تھے۔ آج تک نہیں جان سکی۔ لیکن اتنا معلوم تھا کہ وہ میری موت کے خواہاں تھے۔ اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے یقیناً قتل کر دیتے۔ موت کا خوف انسان کی فطرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ بابر صاحب یقین کریں۔ اس سے قبل کبھی میرے ذہن میں کسی ایسے ساتھی کی خواہش نہیں ابھری جو میری زندگی میں داخل ہو جسے میری تنہائیاں میسر ہوں جو میرا محافظ ہو لیکن ملازم نہ ہو۔ بابر صاحب یہ خواہش شدت اختیار کر چکی ہے۔" وہ خاموش ہو گئی۔
"آپ نے شادی نہیں کی۔"
"نہیں۔"
"کیوں۔"
"بس نہیں کی۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے میرے پاس۔"
"آپ کے والدین یا سرپرست۔"
"کوئی نہیں ہے میرا۔"
"اوہ۔ مجھے افسوس ہے۔"
"صرف افسوس۔ ایک رسمی اور دنیاوی افسوس، رسمی الفاظ۔ کیا یہ رسمی الفاظ ہی میرا مقدر رہیں گے؟ کوئی نہیں ہے اس دنیا میں جو ہمدردوں کے سہارے چھوڑ کر میرا ہمدرد بنے۔ میرا ساتھی بن جائے؟"
"میں نہیں سمجھا۔"
"میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں بابر۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔



"مجھے۔ ایک معمولی سے انسان کو!"
"ہاں۔ تمہیں، ایک معمولی سے انسان کو۔ کیونکہ میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ اپنی ساری پریشانیاں تمہیں سونپ کر خود کو ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ مسٹر بابر! جہاز کی ملازمت چھوڑ دو۔ مصر میں میرے ساتھ رہو۔ میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گی۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ میری یہ پیشکش قبول کر لو۔ بابر! خدا کی قسم۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ... اس موضوع پر ... میں ویسی نہیں ہوں۔ میں تمہیں کسی حال مشکلات میں پھنسنے نہیں دوں گی۔ تم میرے ساتھی بن جاؤ۔ اس بارے میں غور کر لینا۔ میں — میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔ بابر پلیز!" وہ نہایت ... سے بولی۔ اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔
سارہ شمائل کی پیشکش میرے لئے بڑی انوکھی تھی۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سرزمین مصر پر سکونت اختیار کروں گا۔ کسی اتنی حسین عورت کو زندگی کا ساتھی بنانے کا تصور بھی کبھی میرے ذہن میں نہیں ابھرا تھا۔ لیکن سارہ شمائل — مجھے یوں لگتا تھا جیسے پُراسرار مصر کا حسن میرے حواس پر چھا گئی ہو اور میں اس کے وجود سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر کیا کروں۔ کیا ایک عورت کے سہارے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لوں۔
ساری رات اسی کشمکش میں بھٹکتا رہا۔ رات کے آخری پہر میں نے خود کو حالات کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سوچا کہ میں نے انتہائی ناگزیر حالات میں اپنے وطن کو خیرباد کہا ہے۔ وطن واپسی کا اب کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے۔ جو لوگ کسی بھی ناطے سے میرے اپنے تھے۔ وہ اب اتنی دور ہیں کہ ان کا کوئی تصور ان کے خیال کے ساتھ نہیں ملتا تھا۔ پھر ان کے لئے سوچنا بے معنی تھا۔ (آئی) رہا اس جہاز کا معاملہ — تو کپتان بے شک میرے اوپر مہربان ہے۔ لیکن کسی کی ان مہربانیوں سے کب تک استفادہ کر سکوں گا۔ بالآخر ایک دن اسے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اگر تقدیر میں اس پراسرار سرزمین پر بود و باش لکھی ہوئی ہے تو یہی سہی۔ مجھے سارہ شمائل کی رفاقت قبول کر لینی چاہئے۔
اور اس آخری فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ سارہ شمائل بے چین تھی۔ صبح ہوتے ہی میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ میں خود بھی اس کے پاس پہنچنے والا تھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں فکرمندی دیکھی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں رات بھر نہیں سو سکی۔" وہ بولی۔
"تمہاری حسین آنکھوں کا خمار اس کا مظہر ہے۔"
"کیا فیصلہ کیا تم نے؟"
"یہی کہ ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔
"گویا۔ گویا۔ تم نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے؟"
"ہاں سارہ۔"
"لیکن بابر۔ تم اس انداز سے کیوں سوچتے ہو؟ تم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ مناسب نہیں ہیں۔ زندگی کے ساتھی اس طرح نہیں سوچتے۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔ اس میں دوئی کا کیا تصور؟"
"کاش سرزمین مصر میرے لئے سکون بخش ہو۔ کاش میں اپنی عورت کو اپنے بازوؤں کی کمائی کھلا سکوں۔" میں نے کہا۔
"جو کچھ میرے پاس ہے تمہارا ہے بابر۔ براہ کرم اس انداز میں نہ سوچو۔ مجھے تمہارا سہارا مل جائے یہی میرے لئے کافی ہے۔ میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی بابر کہ تمہارے اس فیصلے سے میں کس قدر خوش ہوں۔" اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ جوں جوں سرزمین مصر قریب آتی جا رہی تھی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاتی تھیں۔ کپتان سے بھی اس سلسلے میں بات کرنی تھی۔
چنانچہ اس رات میں اس کے پاس پہنچ گیا۔
"آؤ بابر! کیا کوئی خاص بات ہے؟"
"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"کیا بات ہے؟"
"میں آپ سے ایک اجازت لینے آیا ہوں۔"
"ضرور ضرور۔ کہو۔"
"میں مصر میں اترنا چاہتا ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"میں سرزمین مصر کو اپنا وطن بناؤں گا۔"
"اوہ! کوئی خاص خیال ذہن میں ہے۔ جہاز سے اکتا گئے ہو۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ سمندر کی زندگی ابتدا میں تو دلکش لگتی ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر سے باہر کی اس زندگی سے لگاؤ ہونے لگتا ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

"ہاں اگر ایسا ہوتا تو اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر رہا؟"

[illegible]

میں یہ سب کچھ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ [illegible]

[illegible]

"کپتان کے کیبن میں ہو تم؟"

"ہاں۔"

[illegible]

"نہیں۔"

[illegible]

"باقی؟"

"[illegible] علاوہ اس [illegible] میں اور کوئی [illegible] رہتا؟"

"ملازم ہیں۔"

"میرا مطلب ہے ان کے علاوہ۔"



"نہیں۔ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے [illegible] تمہاری خواب گاہ کونسی ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

[illegible]

"کمال نہیں ہو گیا؟"

"احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں غریب [illegible] دولت مند ہو۔"

"نہیں، یہ سب کچھ [illegible]"

"ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

[illegible]

"پھر ایک بات کہوں، برا تو نہ مانو گے؟"

"نہیں۔" میں نے [illegible] کہا۔

"خواہ کیسی ہی بات ہو۔"

"ہاں۔"

"میں آتے وقت سے تمہاری فطرت کو پرکھ رہی تھی [illegible]"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟" میں نے کہا۔

"تم بہت کشادہ ذہن اور فراخ دل انسان ہو [illegible]" وہ بولی۔

[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

والد ہی کی دولت پر عیش کرنے والا۔
ایک دن وہ شراب پیئے ہوئے اپنی مستی کے عالم میں کہا۔ "تم خوش نصیب انسان ہو بابر۔"
"کیوں؟"
"ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش کر رہے ہو۔"
"وہ میری بیوی ہے۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔ ہے تو تمہاری بیوی ہی لیکن ...۔"
"لیکن کیا؟"
"تم سے مخلص نہیں ہے شاید۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔
"میں نے اکثر اسے البرو میں دیکھا ہے۔ ساحل پر گھومتے ہوئے۔ مگر میں نے اسے پہچان لیا تھا۔"
"البرو؟"
"تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم؟" وہ تعجب سے بولا۔
"نہیں۔"
"تب اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کسی دن۔ البرو ہی کے علاقے میں میرا ایک سیر کی جگہ ہے۔ ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں۔ میں نے بارہا تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔"
"اور اگر یہ غلط نکلا تو ...؟" میں نے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جو چور کی سزا وہ میری۔" شاداب نے کہا۔ میں ذہن میں خلش لیے واپس آ گیا۔ سارہ پر میں نے کوئی اظہار نہیں کیا لیکن اب میں اس پر نگاہ رکھنے لگا۔ اس کے معمولات عام ہی رہتے۔ اکثر وہ ایک دن کے لیے غائب ہو جاتی تھی۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا لیکن اب میں ہوشیار ہو گیا تھا۔ کئی بار میں نے اس کا تعاقب کیا لیکن اس کے معمولات عام تھے۔ گھر والوں کی کوئی واپسی کا جاتی تھی۔
اس شام وہ تیار ہو کر نکلی میں دن ہی سے تاک میں تھا وہ جب کہیں جاتی تھی۔ اس شام جاتے ہوئے بولی۔
"میں رات کو واپس نہیں آؤں گی بابر۔"
"اوکے ڈارلنگ۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔
لیکن اس کے باہر نکلتے ہی میں بھی باہر نکل آیا اور میں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ شاداب کی اطلاع کے مطابق وہ البرو کے علاقے میں ہی گئی تھی۔ شاداب کی بات درست نکلی تھی۔ وہ ایک خوبصورت بنگلے میں داخل ہو گئی تھی۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ کون ہے اس مکان میں، کیا سارہ مجھے دغا دے رہی ہے۔ کیا وہ دھوکہ دے رہی ہے۔ لیکن کیوں۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ میرا اپنا گھر بار کچھ بھی نہیں تھا۔ درحقیقت ایک دولت مند عورت کا شوہر تھا اور کچھ نہیں۔ مجھے اس سے کچھ لینے کا حق بھی نہیں ہے۔ اور اگر میں اس کے خلاف کچھ کرتا ہوں تو وہ مجھے برباد کر سکتی ہے۔ کچھ بھی تھا۔ لیکن مصر میں میری حیثیت غیر قانونی تھی۔ لیکن یہ بھی تو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میری منکوحہ تھی اب۔ اور میں بے غیرت نہیں تھا۔
میں ساری رات البرو میں رہا۔ اور پھر واپس ہو گیا۔ ذہنی پیچیدگی عروج پر تھی۔ بیوی کی حیثیت سے سارہ شائل سے کبھی بری ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے حد چاہتی تھی۔ حالانکہ میری پوزیشن عجیب تھی۔ لیکن اس نے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں اس کا دست نگر ہوں۔ اس کے معمولات پر میں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لیکن اب اس حد تک بھی برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔
دوسرے دن وہ واپس آ گئی۔ معمول کے مطابق تھی لیکن میرے انداز میں اس نے تبدیلی محسوس کر لی۔ چونک کر بولی۔
"بابر! طبیعت کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"ٹھیک نظر نہیں آ رہے۔"
"کوئی خاص بات نہیں۔"
"مگر بات کیا ہے مجھے بتاؤ۔"
"کیوں؟" میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ اور وہ چونک پڑی۔ مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔
"اس لیے کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"
"صرف بیوی نہیں، سرپرست اور محافظ بھی ہو۔ تمہارا ایک اشارہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے۔" میں نے کہا اور شدت حیرت سے اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔
"کیا بات ہے میرے محبوب۔ کیوں ناراض ہو رہے ہو؟"
"میں نے یہ بات غلط کہی ہے کیا؟"



"یہ تمہارے ذہن میں کس طرح آئی؟"
"یہی حقیقت ہے۔"
"مگر کیا میں بھی یہ کہوں گی؟"
"شاید کروں۔ تم تمہارے خلاف بات کروں۔"
"بابر! پہلے مجھے اس ناراضگی کی وجہ بتا دو۔ اس کے بعد تم سے جو بات چاہو کر لینا کوئی دیر ... تمہارے بال ... دکھاتے ہیں۔"
"سارہ، آج میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ میرا نام بابر داؤد خان ہے۔ میرا باپ ایک گاؤں کا مالک ہے۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔" میں نے اسے پوری کہانی سنا دی۔ وہ آنکھوں میں پیار کے جذبات لیے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ خود کو چھپانے میں تم کامیاب نہیں ہو سکے بابر۔ تمہاری ایک ایک ادا سے نمایاں تھی حقیقت۔"
"میں بے غیرت نہیں ہوں سارہ اور میں نے تم سے تمہاری دولت کے لیے شادی نہیں کی۔"
"میں جانتی ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"
"پھر مجھے ایک شوہر کا درجہ کیوں حاصل نہیں ہے؟"
"کون کہتا ہے کہ یہ حقیقت ہے؟"
"ان معاملات میں سب کچھ جانتا ہوں۔"
"اوہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ "یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"
"تم ایک رات کے لیے کہاں جاتی ہو؟ کیا یہ ایک غیرت مند شخص کے لیے ناقابل برداشت نہیں ہے کہ اس کی بیوی مہینے میں ایک رات گھر سے غائب رہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں۔ اوہ بابر، براہ کرم لباس تبدیل کرو۔"
"کیا مطلب؟"
"پلیز بابر۔ لباس تبدیل کرو۔" اس نے لجاجت سے کہا اور میں مجبور ہو گیا۔ لباس تبدیل کر کے میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس نے بڑے احترام سے میرے لیے دروازہ کھولا اور میں بیٹھ گیا۔ صورت حال کسی حد تک میرے علم میں تھی۔ میں جانتا تھا کہ اگر شک کے معاملے میں وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکے گی لیکن اس وقت مجھے سنبھلنا پڑا جب کار البرو کے اسی بنگلے میں داخل ہو کر رکی۔ دو ملازم جلدی سے اس طرف لپکے۔
"سلطان کہاں ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"اندر موجود ہیں مادام۔" ملازم نے جواب دیا اور سارہ میرے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ یہ بنگلہ بھی بے حد خوبصورت تھا۔ ایک کشادہ اور خوبصورت کمرے میں بارہ تیرہ سال کا ایک لڑکا موجود تھا۔ لیکن یہ لڑکا، حسن و جمال کی ایسی تصویر میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ اس زمین کی مخلوق ہی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سرخ و سفید رنگ۔ بھرا بھرا سا چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ کشادہ پیشانی جس پر سنہرے گھنگھریالے بالوں کے لچھے نظر آ رہے تھے۔ یونانی سنگ تراشوں کا کمال لگتا تھا وہ ایک با نفیس ... تراشا گیا مجسمہ۔
میں اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ وہ سارہ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ "ارے مما آپ۔ کون ہیں یہ ... کیا؟"
"سلطان۔ یہ کون ہیں؟" سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"یہ ..." سلطان نے مجھے دیکھا۔ اور پھر ایک دلکش مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
"شاید بابر داؤد خان۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہیں ان کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"
"یہ بابر داؤد خان ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ کسی بے تکلفی سے کسی شخص کو آپ کے ساتھ یہاں آتے نہیں دیکھا۔"
"اگر یہ بابر داؤد خان ہیں تو میرے لیے ان کی کیا حیثیت ہے؟"
"بالکل خدا کی۔ آپ نے ہمیشہ یہی کہا ہے۔ مگر بات کیا ہے؟"
"میں تمہارے پاس مہینے میں کتنی بار آتی ہوں؟"
"صرف ایک بار۔"
"کس وقت آتی ہوں؟"
"عموماً دوپہر کو۔"
"کب جاتی ہوں؟"
"دوسرے دن۔"
"یہاں کیا کرتی ہوں میں؟"
"میری دیکھ بھال۔ میرے ساتھ کی ڈریسنگ اور پھر ہم ٹینس کھیلتے ہیں۔"
"تم میرے کون ہو سلطان؟"
"بھائی۔ آپ میری بڑی بہن ہیں۔ بابر ... مگر براہ کرم بات کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔"
"میں بابر داؤد خان کو تم سے ملوانا چاہتی تھی۔ بابر یقین نہیں



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"شاکر جیسا کوئی خوبصورت بڑا بھائی بھی ہو سکتا ہے۔ اچھی شکل، بلند قامتی، خوبصورت شخصیت پڑی ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔" پھر سنے کہا۔

اور یہ لڑکوں والا پاگل پن تھا میں سخت شرمندہ ہو گیا تھا۔ میں نے بچکانی نگاہوں سے سارہ کو دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ بہرحال میں نے خود کو سنبھالا۔ اور پھر پیار کرتے ہوئے بولا۔

"بھلی ملاقات ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اس سے قبل کیوں نہ ملے۔ پڑھتے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں؟"

"گھر سے اسکول ہی۔"

"اسکول تو خود میں پڑھانے آتا ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔ اور سارہ ہنس پڑی۔

"سلمان پڑھنے نہیں جاتے۔ یہ دنیا کی بہترین [illegible] ریاضی، فن سپہ گری، قدیم مصری زبانیں اور ایسے ہی دوسرے فنون سے آراستہ ہیں۔ قابل ترین اساتذہ انہیں تعلیم دینے کے لیے یہیں آتے ہیں اور یہ یہیں اپنی تعلیم مکمل کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں کبھی کسی اسکول میں نہیں پڑھایا۔"

"او اچھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ خود ہی میں نے سارہ سے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ بہرطور سلمان کی جانب سے میرا ذہن صاف ہو گیا تھا بلکہ مجھے عجیب طرح کی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ تب میں نے کہا۔ "سارہ! مجھے سلمان سے مل کر بہت مسرت ہوئی ہے۔ اور میرا ذہن ایک آئینے کی طرح شفاف ہو گیا ہے۔"

"آؤ اب چلیں۔" وہ اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ پھر طویل راستے میں ہم نے کوئی بات نہیں کی [illegible] تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"سارہ اگر کوئی کسی سے شکوہ کرتا ہو تو اس شکوے میں اس کی محبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ تم یہاں آتی ہو لیکن میں جاننا چاہتا تھا۔ تم نے [illegible] مجھے اتنا [illegible] دیا ہے۔" سارہ [illegible] ہوں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ [illegible] ایک [illegible] جان ہوں [illegible] اور [illegible] بھی [illegible] اگر میری [illegible] چاہتا ہوں [illegible] مجھے اچھا [illegible] اور پھر آہستہ سے

اپنی گردن میرے شانے پر ٹکا دی۔

"سنبھلو سارہ! تم ڈرائیونگ کر رہی ہو۔" میں بولا اور وہ آہستہ سے ہنس دی۔ "میں آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیونگ کر سکتی ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اب میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ تم بلاشبہ بہترین صلاحیتوں کی مالک ہو لیکن سارہ اپنے بھائی کو تم نے خود سے اس قدر کیوں دور رکھا ہے؟ میں اس بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔" سارہ نے جواب دیا۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں، وہ میرا بھائی نہیں ہے۔ لیکن تم پھر کسی خیال میں مت ڈوب جانا۔ وہ میرا آقا زادہ ہے۔"

"اوہ!" میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"وہ بچپن سے میرے والد کی کفالت میں تھا اور میرے والد نے اس کے سلسلے میں مجھے ایک کہانی سنائی تھی۔ اس وقت اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ جب میرے والد اسے لیے ہوئے گھر آئے تھے۔ اس وقت ہماری حالت بہت زیادہ اچھی نہیں تھی بلکہ درمیانے درجے کے لوگ تھے ہم۔ میرے والد کسی بہت دولت مند شخص کے پرسنل سیکریٹری تھے۔ اس دولت مند شخص کے بارے میں انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ فراعنہ کی نسل سے تعلق رکھتا ہے اور قدیم ترین نسل کا پیروکار ہے۔ وہ ایک بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ موت کے وقت اس نے اپنے بیٹے کو میرے والد کی تحویل میں دیتے ہوئے کچھ ہدایات دی تھیں۔ جن کے بارے میں یقین کرو بارہ مجھے بھی نہیں معلوم۔ ہاں میرے والد جب اس بچے کے ساتھ آئے تھے تو ان کے پاس ایک قدیم طرز کا چوبی صندوق بھی تھا۔ یہ صندوق بے حد وزنی ہے اور اس عمارت کے تہ خانے میں محفوظ ہے جس میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ یہ صندوق تہ خانے میں رکھ دیا گیا اور والد صاحب نے اس بچے کو اس عمارت میں منتقل کر دیا۔ اس کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔

والد صاحب ہمیشہ اس بچے کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر بیشتر اس کی دلجوئی کرتے تھے۔ یہ پانچ سالہ بچہ شاہانہ طبیعت کا مالک تھا لیکن ہماری محبتوں نے جلد ہی اسے سنبھال لیا۔ اور یہ ہمارے درمیان مطمئن ہو کر گھل مل گیا۔ [illegible] زندگی گزرتی چلی گئی۔ اسی وقت جب یہ تقریباً [illegible] سال کا تھا میرے والد صاحب پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور ان



کہ زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ جب انہیں اپنی بیماری سے تھوڑی سی مہلت ملی تو انہوں نے سلمان کے بارے میں مجھے رازدار بنا لیا اور کہنے لگے۔

"سارہ! سلمان ہمارے پاس کسی کی امانت ہے۔ بلکہ [illegible] ہونے والے سلمان ہی کے رہین منت ہیں۔ یہ ساری دولت اور ثروت سلمان ہی کی ہے۔ لیکن یقین کرو میں نے اپنے آقا کی یہ دولت ان کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کی۔ میرے آقا نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس بچے کو اپنی تحویل میں لے لوں اور اس کی پرورش کروں۔ جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو چوبی صندوق اس کے حوالے کر دوں۔ اور وقت کا انتظار کروں۔

لیکن موت مجھے مہلت نہیں دے رہی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے آقا کا حکم بجا لاؤں۔ تم میری بیٹی ہو۔ سارہ! [illegible] یہ امانت میں تمہارے سپرد کیے جا رہا ہوں۔ صندوق تہ خانے میں موجود ہے اور اس کی چابی [illegible] ہیں۔ [illegible] جب سلمان پچیس سال کا ہو جائے تو یہ چابی اس کے حوالے کر دی جائے۔ لیکن سارہ خدا کے لیے اس سے قبل یہ صندوق نہ کھولنا۔ یہ میری وصیت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کی وصیت کا احترام کرو گی۔ اس صندوق میں سلمان کی زندگی سے متعلق اہم ترین راز پوشیدہ ہیں۔ اور وقت سے قبل اس کا انکشاف ہو جانا خود تمہاری زندگی کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔"

یہ بے والد صاحب مجھے نصیحت کرتے رہے اور پھر آخر انہوں نے دم توڑ دیا۔

میں اس وقت بہت کم سن تھی۔ لیکن پھر میری عمر ایک خاص حد کو پہنچ چکی تھی اور اتفاق تھا کہ میری شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

والد صاحب نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا۔ اس کی تکمیل ہی کے لیے میں نے خود ہی اپنی شادی کا خیال ہی نکال دیا تھا۔ اور میں نے اپنی زندگی سلمان کے لیے وقف کر دی۔ اس کا سارا کاروبار بھی مجھے ہی سنبھالنا پڑتا ہے [illegible] اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی [illegible] اسی سلسلے میں گئی تھی۔ [illegible] واسطہ پڑا۔ جو [illegible] مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ لیکن بہت پہلے ہی [illegible] محسوس کر رہی تھی۔ اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی سکون کے لمحات گزاروں۔ [illegible] بہت ہی [illegible] تھی اور پھر تم مجھے نظر

آ گئے۔ پہلی ہی نگاہ میں تم مجھے پسند آ گئے تھے [illegible] میں نے اپنے دل کے اظہار میں کوئی شرم نہیں کیا۔ میں تمہاری وفادار ہوں [illegible] میں تمہیں پیار کرتی ہوں۔ تم میری زندگی کا محور ہو اور بس۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مجھ سے پہلی اور آخری غلطی ہو گئی ہے سارہ۔ معاف کر دو۔ آئندہ کبھی تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"مجھے اب کوئی شکایت نہیں ہے تم سے۔" اس نے جواب دیا اور پھر وہ نارمل ہو گئی۔ اسی رات وہ مجھے [illegible] تہہ خانے میں لے گئی اور میں نے اس پراسرار چوبی صندوق کو دیکھا جس میں نجانے کیا کیا اسرار و رموز پوشیدہ تھے۔ بہرحال میں نے اس سلسلے میں سارہ کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اب ہمارے درمیان کوئی دیوار نہیں رہی تھی۔

سلمان کی تربیت جاری تھی — گھڑ سواری، تلوار بازی، نیزہ بازی اور اس کے جوڈو [illegible] کا استعمال سلمان نے اسی طرح سیکھ لیا جس طرح اس نے بارہ سال کی عمر میں زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ میں اس کا نگران تھا اور سارہ کی ساری الجھنیں ختم ہو گئی تھیں۔ میرے [illegible] سلمان کو اب اسی [illegible] میں [illegible] آئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ سلمان کے لیے کوئی تردد نہ کرے اور میں نے اس کی سخت حفاظت کی۔ سلمان اب جوان ہوتا جا رہا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی میں وہ قد آور نوجوان نکل آیا تھا۔ اور اپنی عمر سے کافی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ حسن و جمال تھا کہ اس پر ختم۔ ہماری رہائش گاہ کے گرد حسین لڑکیاں منڈلاتی رہتی تھیں۔ روز کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا رہتا تھا۔ سینکڑوں رشتے آ چکے تھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔ لیکن خود سلمان کی فطرت میں آوارگی نہیں تھی۔ اور اس کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث اطمینان تھی۔

سارہ کے بطن سے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا لیکن ہمیں اس کی حاجت نہیں تھی — ہماری ساری توجہ سلمان پر مرکوز تھی۔ اور ہم اسے اپنی اولاد کی مانند چاہتے تھے۔

لیکن پھر ہماری زندگی نے دغا کی اور خود [illegible] کی مانند [illegible] کا شکار ہو گئی [illegible] لیکن [illegible] مہلت نہیں دے رہی تھی۔ آخر دن کی مسلسل بے ہوشی کے بعد اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول کر سلمان کو پوچھا۔ سلمان نزدیک ہی تھا۔

سارہ نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کمزور آواز میں کہا۔ "[illegible] تکمیل [illegible] ہو سکتے ہیں۔ تم میری زندگی



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت پہلے آ گئے تھے۔ بار کا سے دوبارہ کرنی تھی۔ بعض ہوں سلمان کی موت سے ابھی پانچ سال باقی ہیں اور تم الیا پانچ سالوں کے نگہبان ہو۔ میرے والد کی نصیحت کے مطابق کرنا بار۔ سلمان کو اس کے بارے میں میرے سامنے بتا دو۔"

میں نے عزم وارادہ والی حالت میں سلمان کو اس کی زندگی کے اس اہم راز سے آگاہ کیا اور وہ منصوبہ حیرت بن گیا۔ اس نے مسز سے کچھ ذکر تھا لیکن یہ انکشاف اس کے لیے بے حد حیرت کن تھا۔ سارہ انتقال کر گئی اس کی تدفین کر دی گئی۔ ایک اور تک اس کا سوگ منایا۔ سلمان بہت رنجیدہ تھا۔

بہرحال میں نے اس محبوب ہستی کے مشن کو اپنا لیا۔ اور اس کی تکمیل کرتا تھا۔ سلمان کی زندگی میں سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی اب وہ اپنے پیشے میں منہمک تھا۔ ایک بار اس نے صندوق کر لے صندوق کو کھول کر دیکھنے دیا جائے لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اب وقت ہی کتنا رہ گیا تھا۔ اللہ اللہ کر کے یہ دور بھی پورا ہو گیا سلمان کی عمر پچیس سال کی ہو گئی اور وہ وقت آ گیا جب وہ اپنی ذات سے آشنا ہونے جا رہا تھا۔ میں اسے لے کر تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس سے قبل بھی میں کئی بار اس تہہ خانے میں آیا تھا۔ لیکن آج کی کیفیت اور کچھ تھی۔ یہ تہہ خانہ میرے احساسات کے لیے مقدس تھا۔ تہہ خانے میں ایک پراسرار خوشبو پھیلی ہوئی تھی اس کے تاریک گوشوں میں دھویں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔

پھر یوں لگا جیسے آوازیں گونج رہی تھیں۔ بالکل کی سی سرگوشیاں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت رک گیا ہو۔ میں تہہ خانے میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ ایک دو آنکھیں دھوئیں کے مرغولوں سے جھانک رہی تھیں۔ [illegible] ہمارے پاس سے گزر گئے ہوں۔

صندوق کھلنے پر بہت [illegible] سلمان کی [illegible] کیفیت تھی۔ [illegible] صندوق کی چابی [illegible] اور [illegible]۔

[illegible]

تھے۔ یہ نقوش ایک تحریر تھے۔ لیکن میں اس تحریر سے ناواقف تھا۔ سونے کے صندوق کو کھولا گیا تو سب سے اوپر ایک لفافہ نظر آیا جس پر لکھا تھا۔

"سلمان کے لیے اس کے والد کاشان کی جانب سے۔"

سلمان نے لفافہ نکال لیا۔ اور اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ اسے کھول کر پڑھیئے۔"

"نہیں بیٹے۔ یہ تمہارا حق ہے۔" میں نے کانپتی آواز میں کہا۔ اور سلمان خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لفافہ چاک کرنے لگا۔

اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ میں بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ وہ جوان تھا سمجھدار اور ایک ایسے راز سے واقف ہونے جا رہا تھا جس کا تعلق اس کی ذات سے تھا۔ آخر کاشان نے کون سا راز اس صندوق میں مقفل کیا ہے۔ بالآخر لفافہ چاک ہوا۔ اور ایک کاغذ اس سے برآمد ہوا جس پر عربی زبان میں ایک طویل تحریر تھی۔

سلمان نے میری طرف دیکھا۔ اور میں نے بڑے خلوص سے کہا۔ "عزیز از جان۔ یہ سب کچھ میرے پاس میری بیوی اور تمہاری اتالیق سارا شمائل کی امانت تھا۔ اور سارا شمائل اسے تمہاری امانت بتاتی تھی۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم اس کے آقا زادے ہو۔ اور خود اس کے لیعنی سارا شمائل کے والد تمہارے والد محترم و معظم کے ملازم تھے۔ اس لحاظ سے اگر صداقت سے پرکھا جائے تو میں خود تمہارا خادم ہوا۔ کیونکہ یہ دولت جس کے بل پر میں نے چند تلخ باتیں کو فراموش کر کے زندگی کا طویل عرصہ عیش و عشرت سے گزارا ہے میری اپنی کمائی ہوئی نہیں ہے۔ اور کون جانے یہ خود شمائل یا اس کے والد کی بھی ہو یا نہیں۔ ممکن ہے تمہارے والد نے تمہاری سرپرستی اور بہتر نگہداشت کے لیے یہ دولت سارا شمائل کے والد کو بخش دی ہو جس کا میں بھی حقدار ٹھہرا۔ چنانچہ میں اپنی حیثیت سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے حکم دو کہ میں اس تہہ خانے سے باہر چلا جاؤں۔ کیونکہ یہ خط تمہارے خاندان کا ایک راز ہے اس لیے میرا واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ تم اطمینان سے پڑھو۔"

سلمان نے میرے انداز میں اٹھنے کا ارادہ محسوس کیا تو جلدی سے آگے بڑھ کر میرا دامن پکڑ لیا۔ "نہیں چچا جان۔ مجھے [illegible] اور کسی نے نہیں۔ یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ اول تو [illegible] ہیں اور ان کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ اور اگر ہو تا بھی تو اب میرے آپ کے درمیان کوئی دولت کا رشتہ نہیں ہے۔ اس لیے براہ کرم ان تکلفات کو ختم کر دیں۔ [illegible]



رکھ دیں۔ مجھے تو قدم قدم پر آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی اور آپ ہیں کہ مجھے تنہا چھوڑے دے رہے ہیں۔ میں اس کی تحریر بآواز بلند پڑھتا ہوں۔ آپ بھی سنیں تاکہ حقیقت حال سے واقف ہو کر مجھے مشورے دیتے رہیں۔"

"اگر یہ تمہاری خواہش ہے تو بسر و چشم۔" میں نے گردن جھکا دی۔ سلمان چند لمحے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہنہ سال کاغذ کی تہوں کو کھولا۔ اور اس کی تحریر پر نگاہ ڈالی۔

"نور دیدہ سلمان بن کاشان کے لیے۔ اگر موت اسے اس خط کے پڑھنے تک مہلت دے۔

عزیز از جان
اگر تمہاری زندگی تم سے بے وفائی نہ کرے تو تم اس خط کے کھولنے کے وقت بفضل پچیس سال کے ہو چکے ہو گے اور میں، میری بے گوشت ہڈیاں منوں مٹی کے نیچے پڑی ہوں گی میری شناسا میری شکل بھول گئے ہوں گے۔ میرے عدم نے میرے وجود کو اس طرح ڈھکا ہو گا کہ اب میرا تصور بھی کسی کے دل میں موجود نہ ہو گا۔

یہ خط ایک طویل عرصے کے بعد میری یاد کچھ ذہنوں میں تازہ کر دے گا۔ ہر چند کہ میں جانتا ہوں کہ تم تو میری شکل آشنا بھی نہ ہو گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہارا تصور میری بہت سی شکلیں تراشے گا۔

گو میں مر چکا ہوں اور اہل دنیا نے مجھے بھلا دیا ہے مگر کون جانے موت کے بعد بھی میرا کوئی تعلق تمہاری اس دنیا سے ہو کیونکہ عالمی تمہاری مانند زندگی کا ایک طویل عرصہ اس عالم رنگ و بو میں گزار چکا ہوں اور مجھے بھی اس سے محبت تھی۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس وقت یہ خط تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ میری روح تمہارے پاس ہوگی۔ مجھے محسوس کرنا۔ میرے عکس کو اپنے قریب جاننا تم مجھے پا لو گے۔"

سلمان کی آواز بھینے لگی۔ اور میں چونک پڑا۔ سلمان کے الفاظ مجھے بھی اتنا ہی متاثر کر رہے تھے جتنا سلمان کو۔ دفعتاً فضا میں عجیب سی سرسراہٹ ابھری۔ خوشبوؤں کے جھونکے اٹھنے لگے بدن کو سردی کا احساس ہونے لگا۔ یہ تبدیلی وہم جیسی تھی۔ میں نے سلمان کو بھی محسوس کیا۔ وہ ہراساں نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے مجھے دیکھا۔

میں نے اپنا سرد ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ میں بولا تو میری آواز میں کپکپاہٹ نمایاں تھی: "آگے پڑھو سلمان۔ پڑھتے [illegible]"

"آپ کا ہاتھ کتنا سرد ہو رہا ہے پیارے چچا۔" سلمان نے میرے ہاتھ کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ اور میں نے جلدی سے اس کے شانے پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ تاکہ اسے میری کمزوری کا احساس نہ ہو۔ میں جو کچھ محسوس کر رہا تھا وہ اس خط کے الفاظ کی روشنی میں تھا۔ درحقیقت اس تہہ خانے میں اس وقت نجانے کس کس کا بسیرا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے در و دیوار میں روزن کھل رہے ہوں اور ان سے عجیب عجیب شکلیں باہر جھانک رہی ہوں۔ قدیم ترین شکلیں جن کے نقوش مصر کے باشندوں جیسے تھے۔ ایسے نقوش جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ ساری کی ساری شکلیں اجنبی تھیں اور میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے شناسا ہوں۔ میں نے اپنی اس کیفیت کا اظہار سلمان پر نہیں کیا کیونکہ بہرطور وہ بچہ تھا۔ اور خوفزدہ ہو سکتا تھا لیکن خط کے آخری الفاظ نے اسے بھی متاثر کر دیا تھا۔ میں نے اس کے شانے کو تھپتھپایا اور ایک بار پھر اس سے کہا۔

"خط جاری رکھو سلمان۔ یہ تمہارے والد کی تحریر ہے تمہارے لیے متبرک۔ دوسرے تمام احساسات کو ذہن سے نکال دو۔" سلمان نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری جانب دیکھا اور پھر خط کی جانب متوجہ ہو گیا۔ پھر اس کی سرد اور کپکپاتی آواز ابھری۔

## قوس قزح

[illegible]

- ☆ جہاں تک ہو سکے خاموش رہو۔ [illegible]
- ☆ [illegible] بیک سٹون
- ☆ کوئی بھی انسان علم کی حد میں داخل ہوئے بغیر ثبات کو نہیں پہنچتا۔ [illegible]
- ☆ تبدیلی زندگی اور کائنات کا پہلا اصول ہے۔ کوئی شخص ایک ہی پانی میں دو بار نہیں نہا سکتا۔ [illegible]
- ☆ [illegible]
- ☆ [illegible]
- ☆ [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

• سرزمین مصر میں تمہارا قیام ایک طویل ترین قیام کے طور پر ہے، تمہاری نسلیں یہیں آباد تھیں اور شاید تمہیں اس بات پر حیرت ہو کہ تم دنیا میں مصر کی قدیم ترین نسلوں میں سے ایک کے جانشین ہو۔ تمہیں یقین دلا دوں گا کہ اسلاف کو تمہارے مورث اعلیٰ تقریباً ستر پشت میں مصر کے مذہبی معتقد اور یونانی النسل تھے۔ یہ نسل بنسل در نسل چلتی رہی اور تاریخ میں اس کی کہانیاں درج ہیں۔ بتا سکوں فرعون راعمبوس کے دور کا واقعہ ہے جس کو میں بجنسہ درج کروں گا تاکہ تمہیں اپنی ذات کی شناخت ہو سکے۔ یہ واقعہ میں نے قدیم مصری زبان سے ترجمہ کیا ہے جو اس دور میں رائج نہیں ہے، لیکن اگر میرے خاص دوست یعنی تمہارے آتالیق نے تمہیں وہی تعلیم دلائی ہے جو میری خواہش کے مطابق ہے تو شاید تم یہ تحریر ان بوسیدہ اوراق میں پڑھ لو جو اس صندوقچے میں ہماری قدیم ترین روایات کے مطابق محفوظ ہے۔ مصر کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ پندرھویں اور سولہویں خاندان کے ماتحت سولہ سو اسی سن ۱۶۸۰ قبل مسیح میں مصر اجنبی فاتحوں کے قبضے میں رہا، جنہیں ہکسوس کہا جاتا ہے۔ یہ غالباً فلسطین اور ایشیائے کوچک سے آئے ہوئے لوگ تھے۔ سترھواں خاندان مصری تھا، جس نے ہکسوس کو باہر نکالا اور نئی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت سن ۱۵۸۰ سے سن ۱۰۹۰ قبل مسیح تک قائم رہی۔ تھوتمس ثالث اٹھارہویں خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس نے فلسطین اور شام فتح کر لئے۔ لیکن بعد کے فراعنہ ایشیائی مفتوحات کھو بیٹھے اور ایک بار پھر مصر پر اجنبیوں کا تسلط ہو گیا۔ ہمارا دور چھبیسویں فرعون شاآلث سے شروع ہوا اور اس کے بعد طویل عرصے تک فرعون کا اقتدار قائم رہا۔ قدیم مصری تہذیب کے مطابق فرعون کو لاتعداد اختیارات حاصل تھے۔ حیات بعد الموت کا تصور مقدم رہتا تھا۔ عالیشان مقبرے اور حنوط شدہ بدن محفوظ کر دیئے جاتے تھے جنہیں اہرام کہا جاتا ہے۔ جسم و روح کا ایک تصور تھا ہمارے سامنے۔ عقیدہ یہ تھا کہ جسم ایک مشنہ ہے جسے "کا" کہتے ہیں۔ زندگی مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور "کا" غیر فانی ہے۔

کاہن معبدوں کے منتظم تھے لیکن فرعون کی حکومت سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا تھا۔ اور انہیں بادشاہ وقت کی مانند اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ راعمبوس چھبیسویں فرعون کا بیٹا تھا ایک خوش رو اور بانکا نوجوان جسے کم عمری ہی سے شہنشاہیت اور فرعون کے تقدس کا احساس دلایا گیا تھا لیکن اس کا دل حسن و عشق سے لبریز تھا۔ [illegible] اور مسرت محسوس کرتا تھا۔ لیکن یوں ہوا کہ اس نے ایک بار عبادت کے دوران کاہن اعظم تباسا کی بیٹی زیتھا کو دیکھا کہ حسن و جمال میں یکتا اور آسمانوں سے اتری ہوئی کوئی دیوی محسوس ہوتی تھی، یوں راعمبوس اس سے دل ہار گیا۔ کاہن اعظم کی مقدس بیٹی معبد کی ان حسین پجارنوں میں سے ایک تھی جن کی شادی کسی سے نہیں ہوتی اور جو تقدس کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ یہ تقدس کاہنوں کی ملکیت تھا اول تو ان کے خاندانوں میں شادیاں ہی بہت کم ہوتی تھیں لیکن اگر کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسے کبھی کسی سے منسوب نہیں کیا جاتا تھا وہ کنواری ہی رہتی اور کنواری ہی مر جاتی تھی۔ اس کی ترویج کو آسمان کی بلندیوں پر صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ سو کاہن اعظم تباسا کی یہ بیٹی بھی تقدیس کے انہی مراحل سے گزر رہی تھی کہ راعمبوس کی نگاہ پڑی۔ سرکش اور ضدی راعمبوس اس کی خلوتوں میں جانے کی کوششیں کرنے لگا۔ سو یہی ہوا کہ ایک بار اسے عبادت کے بعد اس کا موقع مل گیا۔ کیونکہ وہ عام لباس میں اور عام عبادت کرنے والوں کی مانند معبد میں پہنچا تھا۔ اور تھی ان لوگوں میں جنہیں شامل ہوتا تھا جو شہزادگان یا عظیم المرتبت لوگوں میں شامل ہوتے تھے۔ یوں اس کی جانب توجہ نہ ہوئی کسی کی اور جب عبادت ختم ہوئی تو وہ ایک ایسی چٹان کی آڑ میں ہو گیا۔ جہاں سے واپسی پر اسے کوئی نہ دیکھ سکے، لیکن اس کا مقصد یہی تھا کہ جب ماحول سنسان ہو جائے تو وہ نزدیک سے زیتھا کی زیارت کرے۔

حسین زیتھا معبد کی پہلی سرنگ کے آخری کمرے میں قیام پذیر تھی اور اس طرف کسی ذی روح کو داخلے کی اجازت نہیں سوائے ان خادماؤں کے جو زیتھا کے لئے مخصوص تھیں۔

زیتھا کا دیوانہ راعمبوس ان رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو کر زیتھا کے روبرو پہنچ گیا۔

نوجوان لڑکی جو عمر کے اٹھارویں سال سے گزر رہی تھی ششدر رہ گئی۔ اسے جو تعلیمات دی گئی تھیں ان کے تحت کسی مرد کا سایہ تک اس کے لئے ناجائز تھا۔ لیکن راعمبوس کی مردانہ وجاہت اس کے بلند و بالا قد اور اس کی شربتی آنکھوں نے زیتھا کو مسحور کر دیا۔ اس نے خادماؤں کو حکم دیا کہ سرنگ کے آخری حصے پر ٹھہریں اور یہ کسی کو نہ ظاہر ہونے دیں کہ وہ [illegible]

یوں [illegible] ہوئی راعمبوس کے عشق کی [illegible] ملاقاتیں ہونے لگیں۔

زیتھا کے سینے میں محبت کا جوالا مکھی پھوٹ پڑا [illegible] تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے اور [illegible] حسن و عشق کے مراحل طے ہونے لگے۔



حسین زیتھا حسن و جمال کا نمونہ تھی تو راعمبوس کا بلند و بالا قد۔ اس کی مردانہ وجاہت پورے مصر میں یکتا تھی اور خیال تھا یہ عام لوگوں کا کہ دور فرعون میں اس سے خوبصورت نوجوان اس سے قبل نہیں پیدا ہوا۔

زیتھا کو وہی جواب ملا اس محبت کا جو اس کے سینے میں تھا۔ لیکن دونوں ہی جانتے تھے کہ فرعون کے مقدس مذہب کی روایات انہیں کبھی یکجا نہ ہونے دیں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ عشق کاہنوں اور بادشاہوں کے درمیان چپقلش کی بنیاد نہ بن جائے۔

سو پھر یوں طے کیا انہوں نے کہ بہتر ہے کوئی رات مقرر کر لی جائے، جب وہ اس کمین گاہ سے نکلیں اور طویل و عریض زمین کے کسی ایسے گوشے میں پناہ گزین ہو جائیں جہاں یہ روایات ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔

راعمبوس حکومت چھوڑنے کو تیار تھا اور زیتھا اپنا تقدس سو یہی ہوا کہ وہ موقع کی تاک میں رہنے لگے اور راعمبوس نے معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی جہاز بہت جلد بندرگاہ سے روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے کچھ خاص غلاموں کی مدد سے دو ایسے افراد کا بندوبست اس جہاز میں کیا، جو خاموشی سے مصر سے نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ اور یوں ہوا کہ جب جہاز کی روانگی کی رات آئی تو زیتھا نے اپنی کنیزوں کو کسی کام سے بھیجا اور خود سرنگ سے باہر نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں راعمبوس اس کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ دونوں جہاز پر پہنچے اور جہاز نے اپنے لنگر اٹھا دیئے۔ وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گیا۔

چالاک راعمبوس نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ جب تک جہاز کھلے سمندروں میں دور تک نہ پہنچ جائے کسی کو شبہ نہ ہو سکے کہ وہ اس جہاز سے فرار ہوا ہے۔

اور یہی ہوا۔

فرار [illegible] وقت کسی کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ راعمبوس محل سے غیر حاضر ہے۔ یہی کیفیت زیتھا کی بھی ہوئی تھی اکثر وہ تنہائیوں میں دن بتانے کے لئے دور تک نکل جاتی تھی چنانچہ ان دونوں کو نکلنے کا موقع مل گیا اور کوئی دشواری پیش نہ آئی انہیں اس سفر میں۔ لیکن اس وقت تک جب تک ایک مہیب سمندری طوفان نے انہیں نہ آ لیا۔

[illegible] جہاز جس میں سب [illegible] افراد سوار تھے، طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بادبان پھٹنے لگے مستول ٹوٹنے لگے اور عملے کے افراد زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہونے لگے۔ ان کی ذمہ داری جہاز کو بچانا تھی، لیکن تقدیر اس کی تباہی متعین کر چکی تھی۔ ہواؤں کا طوفان جہاز کو اڑا کر جہاز کو اس کی منزل سے نجانے کتنی دور لے گیا اور یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ خوفناک چٹانیں کب جہاز کے نزدیک آ گئیں جو سیاہ سمندر میں سر ابھارے کھڑی خونی نگاہوں سے اس جہاز کو دیکھ رہی تھیں۔

جہاز کسی کنکر کی مانند ان چٹانوں سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔

انسانی شور ہواؤں کی آوازوں میں دب گیا، کسی کی آہ تک سنائی نہ دی، سمندر کی مہیب لہروں نے انسانی جانوں کو ڈس لیا تھا لیکن قدرت کو ان دونوں کو بچانا مقصود تھا کہ ایک چوڑے تختے نے انہیں خشکی سے جا لگایا۔

تفصیل اس جگہ کی یوں تھی کہ ریتلے ساحل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور گھنے درختوں کے جھنڈ آپس میں اس طرح دست و گریباں کھڑے تھے جیسے کان سے کان ملائے سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ ان کے درمیان فٹ فٹ بھر لمبی مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے اور ایسے زبردست تھے یہ جالے کہ انہیں حشرات الارض کا تو ذکر ہی کیا، چڑیاں، فاختائیں اور دوسرے پرندے بھی ان جالوں میں پھنس کر اپنی جان نہیں بچا سکتے تھے۔ اور یہ خونی مکڑیاں آن کی آن میں اپنے شکار کو اس طرح چٹ کر جاتیں جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ ہاں چند چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ان جالوں میں اٹکی رہ جاتیں اور اپنے وجود کی کہانیاں سناتی رہتیں۔ اس خوفناک ماحول میں وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں آگے بڑھتے رہے اور پھر وہاں کے سیاہ فام ننگ دھڑنگ لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔ جنہوں نے انہیں قید کر کے اپنی ملکہ کے پاس پہنچا دیا۔

وحشیوں کی اس ملکہ کے بارے میں وحشیوں کے درمیان

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرح طیبہ کی کہانیاں مشہور تھیں، ان کا کہنا تھا کہ یہ دیوی ملکہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور ہزاروں سال زندہ رہے گی، ہر چند کہ وہ سیاہ فام وحشیوں کے درمیان تھی، لیکن اس کے حسن و جمال کے بارے میں کاہن اعظم تباسا کی بیٹی زیتھا نے جو کچھ لکھا ہے ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔ کہا اس کا یہ تھا کہ یہ ملکہ عام طور پر لوگوں کے سامنے نہیں آتی تھی کہ وحشیوں میں اسے دیکھنے کی تاب نہ تھی۔

لیکن جب چاند پورا ہوتا اور گیارہ چاند گزر چکے ہوتے تو ایک رات وہ زیارت گاہ کی چٹان پر اپنا چہرہ دکھانے آتی اور وحشی اس کے حسن و جمال کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے۔ اس کا سارا وجود سیاہ رنگ کی جالی میں لپٹا ہوتا تھا لیکن کیفیت یہ ہوتی کہ سیاہ جالی سے چمکدار دودھیا رنگ چھلک چھلک کر تمام عالم کو منور کر رہا ہو یا پھر یہ محسوس ہوتا جیسے روشن چاند پر تاریک قبا ڈال دی گئی ہو۔ اس حسین عورت کو ایسر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور زمین کے اس خطے میں جہاں انسانی قدم شاذ ہی پہنچتے ہیں، وہ آج بھی اپنے اسی جاہ و جلال کے ساتھ حکمراں ... آسمانوں سے ...

یہاں یہ ایسراہ ... کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کہانیاں صرف ... دراصل یہ نہیں تھیں جو زیتھا کے فراہم کردہ تھے بلکہ بعض ... مسودہ ... جس کی تفصیل تمہیں آئندہ کبھی ... جائے گی۔

حسن و ... اس کا ... بے مثال کہ انسانی آنکھ اس طلسم زدہ تک۔ ایک ایک نقش ہی جیسے مکمل یاقوت سے تراشا ہوا، ہونٹ ایسے سرخ کہ یاقوت کی چمک ان کے آگے ماند پڑ جائے۔ رخسار ایسے کہ ان کے لئے کوئی تشبیہ ہی ممکن نہ ہو، رنگ یوں جیسے چاند پر دوم جادو کر دیا گیا ہو۔ بدن اتنا سڈول اتنا حسین کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ اور تراش کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔ یہ حسن و جمال تو یوں تھا کہ اسے دیکھ کر مر جایا جائے۔ ایسرا کے سامنے ... کا تصور بھی بے مقصد ہو جاتا تھا۔ اور خاص طور سے کسی مرد کے لئے لیکن رامبوس پر اس کا اثر نہ ہوا کیونکہ وہ زیتھا کا گمان تھا اور ان کے درمیان روحانی رشتے قائم ہو چکے تھے۔

ملکہ نے رامبوس کو اپنا حسن و جمال دکھایا۔ اور شاید اس بات پر وہ حیران رہ گئی کہ یہ حسین نوجوان اپنے حواس کیوں نہ کھو بیٹھا۔ اسے رامبوس کی یہ ادا بھا گئی اور اس نے رامبوس کو حاصل کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ... نوجوان اپنی محبت میں مستحکم تھا۔ زیتھا کو اس نے تمام رکاوٹوں کو توڑ کر حاصل کیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے اس اقدام کی وجہ سے حکومت مصر اتھل پتھل ہو سکتی ہے۔ کاہنوں اور شاہوں کے درمیان ایسی چپقلش پیدا ہو سکتی ہے جو شاید تاریخ بن جائے۔ اس نوجوان تمام باتوں کو مد نگاہ رکھتے ہوئے وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور جب ملکہ نے اپنی پرفسوں مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان، پہاڑوں کی یہ ملکہ تیرا خیر مقدم کرتی ہے اور تیری زندگی کی ضمانت دیتے ہوئے تجھے یقین دلاتی ہے کہ تو ابدیت حاصل کرے گا۔ تجھے موت نہ ہوگی اور تو میرے ساتھ صدیاں گزارے گا لیکن شرط یہی ہے کہ اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دے جو میری لاعلمی کی بنا پر تیری مالک بن رہی ہے۔ ہاں یہی سزا ہے اس کے لئے کہ تو اسے موت کے گھاٹ اتار دے اور میرا بن جا۔"

رامبوس نے نہایت متانت سے ملکہ کو دیکھا اور ادب سے بولا۔

"ویران علاقوں کی حکمران، بے شک تیرا حسن و جمال یکتائے روزگار ہے۔ تیرے جیسی ایسرا کا تصور انسانی ذہن نے کبھی نہ کیا ہوگا اور میں تاب نہیں رکھتا کہ تیرے ... پر نگاہ جما سکوں لیکن زیتھا میری آخری محبت ہے ... پہلی بھی۔ میں نے اس سے پہلے کسی کو چاہا اور ... کے بعد کسی کو چاہوں گا۔ ... زوال اور ابد کے سلسلے ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ سو بہتر ہے کہ تو ہمیں آزاد کر دے ... منظور ... زندگی بسر کرنے کی اجازت دے ... مہربانی ہوگی۔"

حسن و جمال کی دیوی اپنے حسن کی توہین برداشت نہ کر سکی۔ یہی کیا کم تھا اس کے لئے کہ رامبوس نے اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش و حواس نہ کھو دیئے تھے۔ بلکہ وہ تو اس کی خود سپردگی کی پیشکش کو بھی ٹھکرا رہا تھا چنانچہ اس کا ذہن طیش کا شکار ہو گیا۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"باہر کی دنیا سے آنے والے نوجوان تو نے آج تاریخ کی توہین کی ہے، شاید ہی کبھی ہم نے کسی انسان کی آرزو کی ہو لیکن جب یہ الفاظ ہماری زبان سے نکل گئے تو وہ تاریخ بن جانے چاہئیں تھے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ نئی زندگی کا آغاز کر کے تجھے اپنے درمیان جگہ دیں لیکن یوں لگتا ہے کہ تیری روشن پیشانی کی گہرائیوں میں تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں جو تیری تقدیر ہے۔ اور ان الفاظ کے بعد تیری زندگی بھلا کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سیاہ رو نیزہ برداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس نوجوان کے بدن کے مسامات میں نیزے اتار دیئے جائیں۔ اس طرح نیزے کی انیوں سے اس کے بدن کو ڈھک دیا جائے کہ اس کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔



اور یہی ہوا۔ ایسرا کے حکم کی بھرپور تعمیل کی گئی۔ زیتھا کے سامنے اس کے محبوب کو قتل کر دیا گیا اور زیتھا کی دلخراش چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔

وحشیوں نے رامبوس کے بدن کو نیزوں سے اس طرح ڈھکا کہ درحقیقت اس کے خون کے قطرے بھی نمایاں نہ ہو سکے اور اس کے بدن پر نیزوں کا شہر آباد ہو گیا۔

وحشی ملکہ کو اس کی موت سے بھی سیری نہ ہوئی تو اس نے زیتھا کی جانب دیکھا اور نفرت سے بولی۔

"ماں ہونے والی عورت، تو بھی ہماری توہین کی ذمہ دار ہے اور یہ تو ہی ہے جس کی وجہ سے یہ حسین نوجوان موت کا شکار ہوا ہے، تو کیا تیری زندگی کسی طور ممکن ہے؟ نہیں، کبھی نہیں۔ تجھے اس سے بدترین موت کا شکار ہونا پڑے گا۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور سیاہ وحشی زیتھا کو پکڑ کر ایک آتش کدے کے نزدیک لے گئے جو نجانے کب سے روشن تھا۔ آگ کے شعلوں نے قرب و جوار کے تمام ماحول کو بھسم کر ڈالا تھا اور زمین دور دور تک گرم تھی کہ اس پر پاؤں نہ رکھے جا سکیں لیکن پھر ایک سیاہ فام بوڑھے نے جو شیطانی قوتوں کا مالک تھا، ان لوگوں کو روک دیا اور ان سے کچھ کہا جسے سن کر تمام وحشی بھاگ گئے اور زیتھا وہیں کھڑی رہ گئی۔

سرکش مزاج بوڑھا جس کی آنکھوں میں شیطان جاگ رہا تھا، زیتھا کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار پھر ملکہ کے روبرو لے آیا اور اس نے ملکہ سے کہا۔

"عظیم المرتبت، ہمیشہ زندہ رہنے والی تیری زندگی قائم رہے، تیرا اقبال بلند ہو، تیرا حسن یونہی چاند اور سورج کی طرح دمکتا رہے، یہ لڑکی حاملہ ہے اور یہ ایک ایسی روایت کو توڑنے کا باعث بنی ہے جو خونریزی کی بنیاد ہے، اگر ہم نے اس سرزمین پر اس کا خون بہا دیا تو وہ روایت یہاں بھی قائم ہو جائے گی اور ہمیشہ یہاں خون بہتا رہے گا۔ میرا علم یہی کہتا ہے اور یقیناً تو اس سے ناواقف نہ ہوگی۔ کسی حاملہ عورت کو اس سرزمین پر قتل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیوں تک عورتوں کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوں اور یوں ہماری نسل ختم ہوتی چلی جائے۔ یہ ایک بیماری ہے بہت بڑی عظیم ملکہ اور اس بیماری کے لئے بہتر یہی ہے کہ اسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ سو یوں کیا جائے کہ درختوں کے تنوں سے کاٹی ہوئی ایک لکڑی کے درمیان خول کر کے اسے اس خول میں بٹھایا جائے اور پھر اس خول کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے کہ تیز ہوائیں اسے دور لے جائیں اور کسی مناسب جگہ غرق کر دی جائیں۔ تیرا انتقام بھی پورا ہو جائے گا اور ہماری سرزمین نحوست سے پاک رہے گی۔"

یہ بوڑھا شخص شاید حسین ایسرا کے لئے کوئی بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے بوڑھے کی بات مان لی اور حکم دیا کہ اس لڑکی کو کسی ایسی جگہ قید کر دیا جائے جہاں سے یہ نکل نہ سکے۔ اس کے بعد درخت کے تنے کا خول بنا کے اسے اس میں بٹھا کر روانہ کر دیا جائے۔

سو یہی ہوا۔

زیتھا جو اپنے محبوب کی جدائی کے بعد زندگی کو خود پر گراں سمجھ رہی تھی، درخت کے تنے کے خول کی کشتی بنا کر اس میں بٹھا کر سمندر کے حوالے کر دی گئی۔ لیکن سمندر نے بھی اس کی موت قبول نہیں کی تھی۔

تیز ہوائیں ایک تاریخ کی ترتیب کے لئے لئے جا رہی تھیں۔ بھوکی پیاسی عورت کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں وہ سمندر کے سینے پر گزار چکی ہے۔ اور کب درخت کا وہ تنا کسی خشکی پر جا پڑا۔

اسے جب ہوش آیا تو اس کے پہلو میں غلاظت میں لپٹا ہوا ایک حسین بچہ موجود تھا۔ زیتھا نے اسے دیکھا اور اس کے دل میں نئی زندگی جنم لینے لگی۔ اس نے زچگی کے تمام لوازمات سے فارغ ہو کر بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک حسین لڑکا جو اس کے محبوب کی شکل تھا۔ اس کی ہو بہو تصویر، اس کا ہم شکل۔ اس تصویر کو دیکھ کر زیتھا کے دل میں نجانے کیا کیا خیالات پروان چڑھنے لگے، اس کا ذہن انتقام کی آگ میں پھنک رہا تھا۔ وہ بے سہارا تھی، اگر اسے کسی کا سہارا حاصل ہوتا اور وہ وحشیوں کی ملکہ کو زندگی سے محروم کر سکتی تو اپنی جان کی قیمت پر اپنے محبوب کا انتقام لیتی لیکن جہاں اس کی نگاہوں میں تاریک تھا، کوئی کچی دیوار بھی نہ تھی جس سے سہارا لے کر وہ کھڑی ہو سکتی۔

اس نے مصری روایات کو توڑا تھا۔ کاہن اعظم کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا۔ فرعون کی تقدیس بھری روایات کو پامال کر دیا تھا۔ سو مصر میں اس کے لئے کون سی جگہ تھی۔ لیکن اب یہ ننھا سا وجود اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کے انتقام کی کہانی آگے بڑھے گی۔ اور اس نے اس وجود کو اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھانا شروع کر دیا کہ وہ اس کی آرزوؤں کا درخت تھا۔

اور یہ درخت بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ابھی وہ عمر کی تیسری منزل میں تھا کہ ایک دخانی جہاز اس خشکی کے کنارے آ لگا اور لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔

ان میں وہ بھی تھے جو زیتھا کے واقف کار تھے یعنی اسے کاہن اعظم کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ انہوں نے زیتھا کو مقدس جانا، اس کے بچے کو اپنی تحویل میں لیا اور ان کا رخ مصر کی جانب ہو گیا۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دی۔ لیکن وہ اُس سے عشق کرنے لگی تھی۔ سو وہ اس کے لئے کوئی اور پھر اس نے میری موت کا فیصلہ کیا۔ لیکن میں بچ گئی۔ وہ اس لئے مجھے قتل نہ کر سکی کہ تو میرے شکم میں تھا، اور کاہن جیم کا تقدس میرے وجود کا محافظ تھا۔ انہوں نے مجھے درخت کے ایک کھوکھلے تنے میں بٹھا کر دریا برد کر دیا۔ اور اس کے بعد میں مصر پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہاں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یوں مجھ پر مصر اور حبشیوں کے درمیان زندگی آ پڑی۔ اور اب میرے بیٹے میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ تو اس عورت کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو، تو جا اور جا کر اپنے باپ کے خون کے بدلے میں اس کو قتل کر دے۔ اور اگر تو ڈرے یا اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو یہ لازم ہے تجھ پر کہ اپنی اولاد کو اس انتقام کی وصیت کر جا۔ اور اگر اس کی اولاد بھی یہ کام نہ کرے تو پھر اسے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو وصیت کر جائے یہاں تک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو جو میری روح کو سکون بخش دے۔ اور اس حیات ابدی کا پرچار کرنے والی عورت کو موت کی نیند سلا دے۔ ممکن ہے کہ تجھے ان باتوں پر یقین نہ آئے۔ مگر یہ سارے واقعات مجھ پر گزرے ہیں اور یہ سب میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تجھ سے اور تو ذمہ دار ہے میری اس سچائی کا۔"

سلمان رکا اور پھر وہ دستخطوں والے حصے کو پڑھنے لگا۔ سب سے پہلے زیتھا کے دستخط تھے، اور اس کے نیچے چھوٹی سی تحریر تھی: "دیوتاؤں کی مرضی پوری کرتے جاؤ، اب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں۔" اس کے بعد دوسرے لوگوں کے دستخط اور چھوٹی چھوٹی تحریریں تھیں جن کا ماحصل یہی تھا کہ وہ جو کام انجام نہ دے سکے، ان کا بیٹا اسے انجام دے۔ قدیم انگلستانی زبان میں، اور دوسری مختلف زبانوں میں یہ تحریریں لکھی ہوئی تھیں، اور ان کا مقصد یہی تھا۔ سب نے اپنے اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کی تھیں کہ وہ انتقام لیں۔ اور یہ آخری خط کاشان کا تھا جو سلمان کے نام تھا۔ یہ تحریر بھی ختم ہو گئی۔ اور ہم نے اپنے اردگرد [illegible] پایا۔ یوں لگتا تھا جیسے تمام روحیں اب ہمارے درمیان آ موجود ہوئی ہیں جو اس انتقام کو پورا کر سکتی تھیں۔ فضاؤں میں عجیب عجیب سی خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں اور ماحول اتنا بوجھل ہو گیا تھا کہ ہمارے بدن میں سرسراہٹ سے کپکپاہٹ ہونے لگی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ سلمان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ شاید اس پر ان روحوں کا سایہ ہو گیا تھا۔ وہ اٹھا اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔

"آئیے چچا جان، ہم اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔ میں نے

چونکہ کر اسے دیکھا۔ سلمان کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ تھا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ اور یوں لگتا تھا، جیسے اب وہ تمام اثرات سے آزاد ہو گیا ہو۔

"بیٹے۔ مجھے بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا چچا جان، کہ میری زندگی مجھے یہ مہلت دے گی یا نہیں کہ میں اپنے اجداد کے اس فرض کو پورا کر سکوں لیکن جیسا کہ میرے اجداد کرتے چلے آئے ہیں میں اس سے منہ موڑوں گا۔ یہ مقدس امانت صدیوں کے بعد مجھ تک پہنچی ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس سلسلے میں جدوجہد کروں، میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اس سفر پر روانہ ہوں گا۔ اور وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کروں گا جو میرے اجداد کرتے چلے آئے ہیں اگر ناکام رہا تو جو ہدایت آپ دیں گے۔ اس پر عمل کروں گا اور اگر اس جدوجہد میں موت آ گئی تو بھی میرے لئے بُری نہ ہوگی۔ ہاں اس کے لئے چچا جان میرے ان الفاظ کو گستاخی پر محمول نہ کریں۔ میں آپ کو کھلی اجازت دیتا ہوں کہ اگر آپ کا دل چاہے تو میرے ساتھ شریک رہیں ورنہ انکار کر دیں۔ یہ سب کچھ میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں، یہ ہر طرح سے آپ کی اپنی ملکیت ہے۔ آپ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ چونکہ بہر طور اس کا کوئی تعلق براہ راست مجھ سے ظاہر نہیں ہو سکا ہے آپ اپنے طور پر زندگی گزاریں اور مجھے اپنے طور پر دیوانگی میں مصروف ہو جانے دیں۔"

"گویا تم یہ فیصلہ کر چکے ہو۔ کہ تم اس تحریر کے مطابق عمل کرو گے۔"

"ہاں چچا جان، میرے اردگرد وہ تمام لوگ موجود ہیں، جو اس سلسلے میں کوششیں کرتے رہے ہیں اور اس میں ناکام رہے ہیں۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ میں بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ناکام رہا تو میری تقدیر ہے۔"

"گویا تم اس تحریر پر مکمل اعتبار کر چکے ہو؟"

"ہاں۔ میرے اندر سے جو آوازیں نکل رہی ہیں، وہ اس بات کا اظہار کر رہی ہیں کہ یہ تحریر غلط نہیں ہے۔ میں اسے کسی طور جھٹلا نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور میں حقیقتوں سے گریز کرنا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر برخوردار کیسے ممکن ہے کہ میں نے جو تمہیں اپنی اولاد کی مانند پروان چڑھایا ہے، ان لمحات میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں ٹھیک ہے میں اور بھی تمہارے ساتھ اس سفر کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس صندوق کا کیا کرو گے؟"

"اسے اس تہہ خانے میں دفن کر دیا جائے۔ ممکن ہے ہم اپنا



کام پورا نہ کر سکیں۔ ان حالات میں کچھ اور لوگ اس تک پہنچ جائیں گے اور شاید ان میں وہ ہو جو میرے اجداد کی روح کی تسکین کا باعث بنے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی اس صندوق میں اور بھی تو چیزیں موجود ہیں، انہیں بھی دیکھ ڈالو۔"

"ہاں۔ اس سفر کے نقشے وغیرہ ہیں۔ اگر ہم انہیں دیکھ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ میرا فرض مجھ تک پہنچ چکا ہے۔"

"پھر بھی تم ان کا جائزہ لو۔" میں نے کہا۔ اور سلمان میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ یہ ایک نقشہ تھا جس میں جگہ جگہ قدیم اور مختلف انداز کے نشانات بنے ہوئے تھے اور یہ نشان صحرائے اعظم افریقہ کی نشاندہی کرتے تھے۔ وہ بلند و بالا مینار جو پانی کی چٹانوں نے تراشے ہوئے تھے نقشے میں واضح تھے۔ گویا ان تک پہنچنا اولیت رکھتا تھا۔ اور اس کے بعد اس ملک کی تلاش۔ ہم نے یہ نقشہ ایک اور کاغذ پر اتار لیا تاکہ یہ ہمارے پاس محفوظ رہے۔ اصل ہم نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ اور پھر ہم تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ سلمان پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ کھویا کھویا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر اس کاوش طاری ہو گیا تھا۔ اور اب میں بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ چلو اگر اب زندگی ان لمحات میں ایک اور تبدیلی چاہتی ہے تو یونہی سہی۔ اگر صحرائے اعظم افریقہ میں موت لکھی ہے تو موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ میں بھی اس دوران اپنے طور پر سوچتا رہا تھا۔ مجھے اپنے آباؤ اجداد یاد آ رہے تھے جن سے بچھڑے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اب تو ان کی شکلیں بھی ذہن سے محو ہو گئی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا تبدیلیاں ہو گئی تھیں وہاں نہ جانے کون کون ہو گا، اور کون نہ ہو گا۔ لیکن جن سے واسطہ ہی ختم ہو چکا، انہیں یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

دوسرے دن سلمان پُرسکون تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں چچا جان کہ اب ہم اس معاملے میں دیر نہ کریں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک لائحہ عمل متعین کرنا ہو گا کہ کس طرح ہم ان علاقوں کا سفر کریں گے۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اور کام کیا ہے۔ اس نقشے کی میں نے کئی کاپیاں تیار کرا لی ہیں۔ تاکہ اگر ان میں سے کوئی ایک گم ہو جائے تو دوسری ہمارے پاس موجود رہے۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ رہی اس سلسلے میں لائحہ عمل کی بات، تو میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم غور و خوض کر کے پہلے اقدامات کا تعین کریں اور پھر روانگی کا فیصلہ۔ ہم ان لوگوں کی طرح اندھے اقدامات نہیں کریں گے کیونکہ ہم جدید دور میں سانس لے رہے ہیں۔ ہم نہایت ٹھوس بنیادوں پر وہاں تک کا سفر کریں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" سلمان نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میز کے گرد بیٹھ جاؤ۔ اور ایک ڈائری ترتیب دو جس میں ہم سلسلے وار اپنے اقدامات کا فیصلہ کریں گے۔"

سلمان نے میری ہدایت پر عمل کیا، اور ہم کافی دیر تک اس سلسلے میں غور و خوض کرتے رہے۔ تقریباً تمام دن ہی بیت گیا تھا۔ لیکن اس دن نے ہمیں ایک لائحہ عمل دیا تھا۔ اور اب ہم اس پر بتدریج عمل کر سکتے تھے۔

عمل کے پہلے دور میں ہمیں چند سر پھرے لوگوں کا بندوبست کرنا تھا جو ہماری مانند ہوں۔ لیکن یہ فیصلہ بھی کیا تھا ہم نے کہ انہیں حقیقت حال نہ بتائی جائے گی۔ ہم جو حضرات جس قسم کی مہمات پسند کرتے ہیں انہیں ان کی پسند کے مطابق ہی مطمئن کرنا تھا۔ اگر انہیں صحیح صورت حال بتا دی جاتی تو چند استہزائیہ قہقہوں کے علاوہ ہمارے ہاتھ اور کچھ نہ آتا۔ ظاہر ہے وہ لوگ فراعنہ کے دور کے ایک شہزادے کے لئے اپنی زندگیاں کس حساب میں خطرے میں ڈالتے جسے اپنے آباؤ اجداد کا انتقام لینا تھا۔ یہی سمجھتے سب کہ اس نوجوان اور اس بوڑھے شخص کا دماغ چل گیا ہے۔ اور کسی خواب پریشاں نے انہیں آ لیا ہے۔ اور اس طرح کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہ خود کو تو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، دوسروں کی زندگی کے گاہک بھی بنتے ہیں۔ لیکن ہم نے جو بندوبست کیا تھا، وہ خوب تھا اور ہمیں یقین تھا کہ اس طرح ہم ان لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے آمادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس عمل پر آہستہ آہستہ ہی کام کیا جا سکتا تھا جس کے لئے میں اور سلمان مصروف تھے۔ ضمیر کے سکون کے لئے بھی ہم نے چند فیصلے کئے تھے۔ اس پر جو بحث ہوئی تھی کچھ یہی تھی۔ سلمان نے کہا۔

"چچا جان۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہے۔؟"

"ہے تو سہی۔ لیکن یہ لوگ کسی بھی مفروضے پر عمل کرنے کے لئے زندگی داؤ پر لگانے والے ہوتے ہیں۔"

"تقدیر نے اگر یاوری کی اور میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تو ان بے چاروں کے ہاتھ کیا آئے گا۔؟"

"صرف تکلیف اور پریشانی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اصولی طور پر یہ درست ہو گا چچا جان۔؟"

"ہرگز نہیں، کسی کو دھوکا دے کر اس سفر پر آمادہ کرنا، اور وہ بھی صرف اپنے مقصد کے لئے ایک غیر شریفانہ حرکت ہے۔ اس کے عوض ہم ان کے لئے صرف ایک ہی عمل کر سکتے ہیں۔؟"

"وہ کیا۔؟"

"وہ یہ کہ جو کچھ ہمارے پاس بے کار پڑا ہے۔ اور اتنا ہے کہ



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اگر ہم وہاں پہنچ کر اسے ساری زندگی خرچ کریں تو اس کا پچاسواں حصہ بھی استعمال نہ کر پائیں، کیوں نہ اسے ہم ان لوگوں کے لئے وقف کر دیں، خواہ وہ وقت سے پہلے اسے وصول کرلیں یا بعد میں۔"

"یہ تجویز تو بہتر ہے لیکن اگر وقت سے پہلے ہم نے سب کچھ ان کے حوالے کر دیا تو کہیں وہ ہماری نیت پر شک نہ کریں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم اپنے ساتھ شامل کریں گے ان کے لئے کچھ رقومات وقف کر دیں گے اور یہاں اپنی ایک وصیت تیار کر کے رکھ دیں کہ ان میں سے جو شخص زندہ سلامت واپس آ گیا اسے یہ ادائیگی کر دی جائے، جو مر جائے اس کا معاوضہ اس کے لواحقین کو، اور اگر ہم خود واپس آگئے تو پھر انہیں ان کی محنتوں کا صلہ اپنے ہاتھ سے ادا کر دیں گے۔"

"یہ تجویز مجھے پسند آئی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت سامنے نہیں ہے۔" سلطان نے کہا۔

"وہاں صحرائے اعظم افریقہ ان قدرتی دولتوں سے مالا مال ہے جو انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن پہاڑوں اور جنگلوں میں ان کا وجود بے معنی ہے۔ اگر ہمیں واقعی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے، تو پھر وہ بڑی خوشی سے ان لوگوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔"

"چلئے یہ ٹھیک ہے اس طرح سے کم از کم ہمارے ذہن کو تھوڑا سا سکون ملتا ہے کہ ہم نے انہیں غلط ذرائع سے اپنے مقصد کے لئے آمادہ تو کیا لیکن ان کے ساتھ مکمل ناانصافی نہ ہوئی۔" سلطان نے جواب دیا۔ میں خاموش رہا تھا۔ پھر ہمارے کام کا آغاز ہو گیا۔ قاہرہ کے چھوٹے چھوٹے قہوہ خانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت مل جاتی تھی جو فرعونوں کے سنہرے دور کے خزانوں کی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔ دور ریگستانوں کی خاک چھانتے، زمین میں دفن شدہ مقبرے تلاش کرتے۔ بعض لوگوں کی تو زندگی اسی طرح گزر جاتی تھی۔ کسی کام کے نہ کاج کے۔ بس قہوہ خانے میں قہوے کی پیالیاں اڑاتے رہتے تھے۔ مفلوک الحال تھے اور اس وقت کے منتظر جب ان کی زندگی میں کوئی سنہرا دور آ جائے گا۔ چنانچہ میں نے اور سلطان نے ان قہوہ خانوں کی الگ الگ سیر شروع کر دی۔ میری ملاقات سب سے پہلے قطبی سے ہوئی۔ گٹھے ہوئے بدن کا شخص، داڑھی والا یہ شخص، اپنے جبڑوں کی بناوٹ اور آنکھوں کی چمک سے انتہائی مضبوط قوت ارادی کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے اپنے مقصد کا پایا تو اس سے راہ و رسم بڑھائی۔ دو تین ملاقاتوں میں، میں نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ میں ایک مہم جو ہوں اور دفینوں کی تلاش میرا محبوب مشغلہ۔ قطبی میری باتوں سے متاثر بے پناہ متاثر نظر آیا تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ خود بھی ایک اچھا ملاح رہ چکا ہے۔ اکثر بادبانی جہازوں پر طویل سفر کر چکا ہے۔ لیکن اسے کبھی بھی ایسی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہوئی، سوائے اس کے کہ ایک بار صحرائے اعظم کے سمندر کے کنارے اسے ایک سنہری [illegible] مچھلی مل گئی تھی، جس نے اس کی زندگی کو [illegible] دلچسپیاں بخش دی تھیں۔ وہ بڑی حسرت سے کہنے لگا۔

"کاش، میری تقدیر میں بھی کوئی دفینہ ہوتا۔ لوگ دفینوں کی تلاش میں جاتے ہیں اور مالا مال ہو کر آجاتے ہیں۔ خود میں نے مصر میں کئی ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو کبھی کچھ نہ تھے لیکن جانباز تھے، وہ ایسے تاریک خطوں میں نکل گئے جہاں انسانی قدم کم ہی پہنچتے تھے۔ لیکن جب وہ لوگ واپس آئے تو ان کی شخصیتیں ہی بدل گئیں۔ اور آج وہ یا تو قاہرہ کے متمول افراد میں شمار ہوتے ہیں، یا پھر باہر کے ملکوں میں نکل گئے ہیں اور وہاں اپنی امارت کا رعب جمائے ہوئے ہیں۔"

"تم جہاز رانی کے بارے میں کیا جانتے ہو قطبی؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ کہ ایک چھوٹی سی کشتی سے میں ہزاروں میل کا سفر کر سکتا ہوں۔ کشتی رانی بھی دراصل ایک فن ہے۔ سمندر کے سینے پر انسانی زندگی کس طرح گزاری جا سکتی ہے، ایک عام انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ایک کامیاب سفر کے لئے جو بھی وسائل ہوں، انسان کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہی بات ہے کہ اس چیز کا کوئی مقصد ہو۔ بے مقصد سفر لوگ یہ سرپھرے کیا کرتے ہیں۔ ہم لوگ ذرا اس بارے میں مختلف ہیں۔" قطبی نے اپنی دانست میں ان مہم جوؤں کا مذاق اڑایا جو صرف دنیا کو دکھانے کے لئے طویل و عریض سمندری سفر طے کرتے تھے اور جن کے بارے میں تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ میرے چہرے پر سنجیدگی کے آثار دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کس سوچ میں پڑ گئے دوست۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں قطبی، ایک ایسی بات جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا؟" قطبی کی چمکدار آنکھوں میں اور بھی چمک پیدا ہو گئی۔



اور تب میں نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سکے نکالے جنہیں میں نے بمشکل مہیا کیا تھا۔ ایسے بہت سے سکے سلطان کے پاس بھی تھے، اور وہ الگ اپنی مہم پر نکلا ہوا تھا۔

سونے کے ان سکوں پر عجیب و غریب نشانات تھے، جو ہم نے ہی کندہ کئے تھے، اور پھر انہیں اس طرح [illegible] دیا تھا کہ وہ قدیم ترین محسوس ہوں۔ یہ سکے کسی خاص دور سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بس ان کی حیثیت پراسرار قسم کی تھی۔ قطبی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سکوں کو دیکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک سکہ ہاتھ پر اٹھایا اور اپنا رومال میز پر رکھ کر سکے کو اس پر رگڑ کر یہ اندازہ لگایا کہ یہ خالص سونے کا ہے یا اس میں کوئی ملاوٹ ہے۔ لیکن سکے خالص سونے کے تھے، اور انہیں، انہیں لوگوں کو پھانسنے کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس نے متحیرانہ انداز میں میری جانب دیکھا اور حریصانہ انداز میں بولا۔

"اوہ، یہ تو خالص سونے کے ہیں۔ اور ان سکوں کی قیمت ابھی خاصی ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ تم اچھے خاصے مالدار آدمی ہو دوست۔"

"ہاں قطبی۔ تمہارا خیال درست ہے لیکن تم بھی میری طرح دولت مند ہو سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم دل و جان سے ایک مہم کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"اوہ۔ اوہ۔ ان سکوں کا کیا راز ہے مجھے بتاؤ۔" قطبی نے کہا۔ اور میں نے پہلے سے تیار شدہ کہانی اسے سنا دی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ میرے جد امجد صحرائے اعظم افریقہ کے ایک ایسے گوشے میں جا نکلے تھے، جو انسانی علم سے باہر ہے اور وہاں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں اور وہاں سے وہ عظیم خزانہ نہ لا سکے جو اگر آبادیوں تک پہنچ جاتا، تو کسی بھی انسان کو متمول ترین بنا سکتا تھا۔ البتہ ان کے لباس میں یہ چند سکے پوشیدہ رہ گئے، جو انہوں نے جس پوٹلی میں بھر لئے تھے۔ میں نے قطبی کو وہ نقشہ بھی دکھایا جس کے تحت ہم تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور قطبی اتنا پرجوش ہو گیا کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں، اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آہ دوست، اگر یہ بات ہے تو تم قطبی کو اپنا غلام سمجھو، یوں جانو کہ قطبی تمہارے ساتھ اس مہم میں شریک ہے۔ ابھی یہ دولت حاصل کرنے کے لئے زندگی کی بازی لگا دینی چاہئے۔ دیکھو نا، اگر دولت ہے تو انسان کی زندگی بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ ورنہ کیا رکھا ہے ان قہوہ خانوں میں، قہوے کی پیالیاں پیتے ہوئے اور بعض اوقات تو ان پیالیوں کی ادائیگی کے لئے بھی پیسے نہیں ہوتے ہمارے پاس۔ اگر ہم ایک بھرپور کوشش کر ڈالیں، تو ممکن ہے ہماری قسمت یاوری کر جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں قطبی، لیکن تم جانتے ہو کہ اس قسم کی کارروائیاں آسانی سے نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے طویل جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ اور کچھ اور افراد کو بھی اپنے ساتھ رکھنا پڑتا

## ساڑھے آٹھ لاکھ اقسام — ارشد مصطفیٰ

اپنے آس پاس حشرات الارض کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اگر یہ بے زبان بے وقعت کیڑے مکوڑے پوری زمین کی ملکیت کا دعویٰ کریں تو بجا ہے کیونکہ جمہوریت کا دور ہے۔ کیڑوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے۔

زمین پر ایک انسان کی نسبت بیس کروڑ حشرات الارض ہیں اور یہ تناسب روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ انکشاف ایک امریکی جریدے "انسان اور ماحول" نے کیا ہے۔ جریدے کا اندازہ ہے کہ کیڑے کوڑے دنیا بھر کی فصل کا ایک تہائی حصہ برباد کر دیتے ہیں۔ انسان قدیم زمانوں سے کیڑے مار دوائیں ایجاد کرنے کی تگ و دو میں ہے۔ سب سے پہلے گندھک اور سنکھیا وغیرہ کا استعمال کیا گیا لیکن اب تک جدید دور کی مہلک ترین ادویات بھی اس مخلوق پر قابو نہیں پا سکی ہیں۔ حشرات ہر دوا کے خلاف اپنے اندر مدافعتی نظام وضع کر لیتے ہیں اور بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر کے جانداروں کا اسی فیصد حصہ کیڑوں مکوڑوں پر مشتمل ہے۔ ماہرین اب تک ساڑھے آٹھ لاکھ سے زیادہ قسموں کے کیڑے دریافت کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر برس کیڑوں کی دو سو نئی قسمیں دریافت ہوتی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے زیادہ تعداد چیونٹیوں کی ہے۔ روئے زمین کے چھوٹے بڑے تمام جانداروں کے وزن کا پچیس فیصد وزن چیونٹیوں پر مشتمل پایا جاتا ہے۔ حیاتیات کے ماہرین کہتے ہیں، اس مسئلے کا بہتر حل یہ ہے کہ دوبارہ ایسے حالات پیدا کر دئیے جائیں کہ چڑیوں کی طرح ان کیڑوں کے قدرتی دشمن بھی پرورش پا سکیں۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ اگر میں یہ کام اکیلے سرانجام دے سکتا تو یقیناً یہ کوشش کرتا لیکن میرے لیے یہ حماقت تھی، بلکہ میری نگاہ نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو میرا بھرپور ساتھ دے سکیں۔ قطبی کو اپنے ساتھ شامل سمجھو، ویسے میں صحیح طور پر تمہارا تعارف حاصل نہیں کر سکا۔

"میرے دوست، میرا نام بہزاد خان ہے۔ ایشیا کے ایک علاقے کا باشندہ ہوں لیکن پوری زندگی قاہرہ ہی میں گزاری ہے اور اب اپنے آپ کو مصری کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ میرے ساتھ میرے ایک دوست کا بچہ بھی قیام پذیر ہے جس کا نام سلمان ہے اور جو اس مہم کے لئے مجھ سے زیادہ بے چین ہے کہ نوجوان ہے اور زندگی کو حسین ترین دیکھنے کا خواہاں۔ ہر چند کہ ہم ایک بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے لیکن خزانوں کی بات ہی اور ہے۔ اوّل تو ہمیں اس سے دلچسپی ہے، اور اس کے بعد یہ خواہش بھی ہے کہ ہم دولت مند ترین ہوں۔"

"ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے بہزاد، لیکن براہ کرم تم مجھے اس مہم کے لئے نظر انداز مت کر دینا۔"

"قطعی نہیں۔ مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت ہے بلکہ ہمیں کچھ اور افراد کی بھی ضرورت ہوگی، جس کے لئے میں تم سے تفصیلی بات کروں گا، اس پتے پر آج رات کو پہنچ جانا، اور رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔"

جس وقت قطبی رات کے کھانے پر پہنچا تو سلمان کے ساتھ فیکان نامی ایک شخص بھی موجود تھا، یہ ایک مصری ڈاکٹر تھا اور سلمان نے کیا خوب انتخاب کیا تھا، چوڑے چکلے بدن، بلند و بالا قامت کا مالک یہ شخص بھی ایک ذہین اور مہم جو معلوم ہوتا تھا۔ سلمان نے اسے بھی اسی انداز میں اپنے شکنجے میں پھانسا تھا، جس طرح میں نے قطبی کو رات کے کھانے پر مدعو کر دیا تھا۔

پھر ہم لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کھانا کھانے کے بعد اس مہم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ دوستو! کسی بھی مہم کو راز رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے اپنی زبان پر نہ لایا جائے۔ ہم لوگ جو کچھ کریں گے، اسے نہایت رازداری سے عمل کریں گے ہر چند کہ ہمیں مزید کچھ لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن بہتر ہو کہ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو مضبوط قوت ارادی کے مالک، جیالے اور بہادر ہوں، اور بہادر وہی ہوتا ہے، جو اپنے راز کو سینے میں چھپا کر رکھے۔ ہمارے دونوں ساتھیوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہرحال مزید چند دنوں کی کوشش کے بعد ہم نے فرازی نامی ایک شخص کو بھی تیار کر لیا، جو فنون حرب کا ماہر تھا اور جنگلات کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اس طرح ہمارے علاوہ یہ تین افراد ایسے شریک ہو گئے تھے جو اس مہم میں ہمارے بہترین ساتھی ہو سکتے تھے۔ سلمان کا خیال تھا کہ لوگوں کی زیادہ بھیڑ نہ جمع کی جائے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ ایک مہم کا ہے۔ لیکن کوشش یہ کی جائے کہ کم سے کم افراد اس میں شریک ہوں۔ ان تین آدمیوں کے علاوہ ہم نے طے کیا تھا کہ آٹھ مزدوروں کا انتخاب کیا جائے جو بہترین معاوضے کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جائیں، اور ایسے مزدوروں کی فراہمی بھی قطبی نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان آخری بات چیت ہوئی۔

میں نے پیشکش کی ان سب کو کہ اگر ہم خزانے کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ تو خزانے کے چھ برابر حصے ہوں گے جن میں پانچ حصے ہم لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور ایک حصہ ان مزدوروں میں تقسیم کر دیا جائے گا، جو ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہوں گے۔ بہ ترتیب لوگ بھی زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ پھر میں نے انہیں اس پیشکش کا دوسرا حصہ سنایا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ہم کسی طرح بھی اس مہم میں ناکام رہتے ہیں، تو چونکہ میں نے اور سلمان نے آپ لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا ہے، اس لئے یہاں قاہرہ واپس آنے کے بعد آپ لوگوں کو آپ کے وقت کے زیاں کا معاوضہ تیس تیس ہزار دینار کی شکل میں ادا کیا جائے گا۔ اور یہ تیس تیس ہزار دینار ہم نے آپ لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ اسی شکل میں کہ ہم لوگ ناکام لوٹیں۔ اگر خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو پھر یہ معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یقینی طور پر اس کی مالیت اس سے زیادہ ہوگی۔"

تینوں افراد کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ تب فرازی نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ یقین کیسے کر لیا جائے کہ اگر ہمیں ناکامی ہوئی ہے تو واپسی میں یہ سب کچھ ہمیں مل جائے گا۔؟"

"اس کے لئے ہم مطلوبہ دینار کسی بینک میں جمع کرا دیتے ہیں اور کسی وکیل کو مقرر کر کے یہ وصیت اس کے سپرد کر دیتے ہیں کہ زندہ سے لوٹنے والوں کو یہ دینار ادا کر دیئے جائیں۔ فرض کرو، اگر خدانخواستہ فیکان اور قطبی واپس نہ آئیں، تو تیس ہزار دینار مسٹر فرازی کو مل جائیں گے اور باقی ساٹھ ہزار واپس ہو جائیں گے۔ میں یہ بھی اعلان کر سکتا تھا کہ نوے ہزار ایک شخص کو مل جائیں لیکن اس شکل میں خرابی یہ ہو سکتی ہے ممکن ہے لالچ کسی کے ذہن میں در آئے اور ہم ایک دوسرے کے ہی دشمن بن جائیں۔ تاکہ واپس آ کر نوے ہزار دینار مل جائیں۔ میری اس تجویز کو سب ہی نے پسند کیا تھا۔ اور پھر ان لوگوں نے بڑے پُرجوش انداز میں اس بات کو قبول کر لیا کہ اگر ناکامی بھی ہو۔ تب بھی وہ خسارے میں نہ رہیں گے۔ میں نے ان کی تسلی کے لئے ضرورت کے مطابق سب انتظام کر دیئے۔ ایک ایڈووکیٹ کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا، اور یوں ہمارا یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ قطبی نے ان آٹھ قوی ہیکل مزدوروں کا بندوبست کر دیا تھا جو مقامی ہی تھے۔ اور مہم جوئی سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ مزدور فنون حرب کے بھی ماہر تھے، آتشیں اسلحہ بھی استعمال کر سکتے تھے اور ضرورت کے وقت بہترین لڑاکے ثابت ہو سکتے تھے۔ نہ صرف لڑاکے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ کشتی رانی میں بھی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ گویا اس طرح اب وہ ایک گروہ بن گیا تھا جس میں آٹھ افراد مزدوروں کی حیثیت سے تھے۔ تین وہ جن میں ایک ڈاکٹر ایک جہازران اور ایک جنگلات کا ماہر، باقی ہم دو۔ گویا کل تعداد یہ تھی جو وحشیوں کی اس ملک سے انتقام لینے کے لئے ایک خوفناک مہم پر نکلنے والے تھے۔ اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مہم کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔ یعنی کسی ایسے جہاز کا انتخاب جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچانے کا انتظام کر سکے۔ ایک اور میٹنگ ہوئی اس سلسلے میں، قطبی نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں بندرگاہ جا کر معلومات حاصل کروں گا لیکن صورت حال کیا ہوگی۔؟"

"تمہیں کافی کام کرنا ہوگا مسٹر قطبی۔ ہمیں ایک موٹر لانچ درکار ہوگی۔ ایسی لانچ جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے اور ہم اسی سے واپسی کا سفر بھی کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"لانچ سے سفر کریں گے تو پھر جہاز کی کیا ضرورت۔۔؟"

"آپ سمجھے نہیں، ہم ابتدا ہی سے لانچ کا سفر نہیں کریں گے۔ بلکہ لانچ کسی جہاز پر بار کریں گے جس کا رُخ کسی افریقی ساحل کی طرف ہوگا۔ یہ جہاز ہمیں راس العدیہ کے پاس اتار دے گا اور وہاں سے ہم لانچ کے ذریعہ سفر کریں گے۔ واپسی پر پھر اللہ مالک ہے۔ کوئی دوسرا جہاز ہمیں مل جائے گا، ورنہ تو لانچ سے ہی کوشش کریں گے۔"

"ہاں، یہ خیال اچھا ہے۔ لیکن کسی جہاز کے کپتان کو اس کے لئے آمادہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔"

"اسے منہ مانگا معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں، اس کے ساتھ ہی لانچ کا بھی بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر میں اس میں ناکام رہا تو پھر آپ لوگوں کو بتاؤں گا۔"

قطبی درحقیقت ایک بہترین منتظم تھا۔ دوسرے دن اس نے فون کر کے بتایا کہ موٹر لانچ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ شام کو اسے دیکھ لیا جائے۔ اور اسی شام ہم سب اکٹھے ہوئے اور پھر سب مل کر لانچ دیکھنے چل پڑے۔ چالیس فٹ لمبی جدید ترین لانچ ہمیں پسند آئی تھی۔ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سو ہم نے اور بھاری قیمت پر لانچ خرید لی تھی۔ ہم نے اس میں کچھ تبدیلیوں کا آرڈر دے دیا، مثلاً کیبن کی جگہ اس کے درمیان ایک سائبان بنوایا گیا۔ اس کے علاوہ ڈبل انجن اور بادبان کا انتظام بھی قائم کر دیا گیا۔ ہم نے لانچنگ کمپنی کو ہدایت کی کہ دن رات کام کر کے ہمیں پندرہ دن کے اندر اندر اس کی ڈلیوری دے دی جائے۔

دوسری تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک شام قطبی خوش خوش واپس آیا۔ "حالات ہر طرح ہمارا ساتھ دے رہے ہیں، بہزاد صاحب! ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔"

"کیسے۔؟"

"ڈی کارشیا نامی ایک پرتگالی جہاز ساحل سے لگا ہے۔ اس کا کپتان ڈان سوالز ہے۔ میرا گہرا دوست، اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پچیس دن کے قیام کے بعد زنجبار جائے گا۔"

"بہت خوب۔ سوالز سے ملاقات ہوئی۔"

"ہاں، دوپہر کا کھانا میں نے اسی کے ساتھ کھایا تھا۔"

"کوئی بات ہوئی۔؟"

"ڈان سوالز سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے درمیان گہری دوستی ہے، تاہم میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"کیا جواب دیا اس نے۔؟"

"تیار ہے۔ راس العدیہ کے پاس وہ ہمیں سمندر میں اتار دے گا۔"

"اتنی بڑی لانچ کو وہ جہاز پر لادے گا۔؟"





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہاں۔ البتہ میں نے اسے ایک پیشکش ضرور کردی ہے وہ یہ کہ اس سلسلے میں وہ جو معاوضہ چاہے گا اُسے ادا کر دیا جائے گا۔"

"اس نے اس انوکھے سفر کی وجہ نہیں پوچھی ؟"

"اوہ۔ وہ مجھے ایک مہم جو کی حیثیت سے جانتا ہے" ننکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ پھر اس سے کب ملاقات ہو رہی ہے ؟"

"کل" قلبی نے جواب دیا۔

پانچ ہزار امریکن ڈالر پر بات طے ہو گئی۔ ڈین سوانو، مخلص آدمی تھا۔ اس نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ کشتی وقتِ مقررہ پر مل گئی۔ ہماری توقع کے عین مطابق تھی۔ اسے جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ اور دوسرے تمام انتظامات بھی حسبِ خواہ مکمل ہو گئے۔ چنانچہ ہم اس پُر اسرار سفر کے لئے تیار تھے۔

●

بالآخر ذی گاڑ شپ نے ساحل چھوڑ دیا۔ آٹھوں چالاک ٹوبند ملاح یا مزدور تو خوش تھے۔ ابھی کچھ وقت ان کی مصروفیت کا نہیں تھا۔ اس کے بعد انہیں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ قاہرہ کی چہل پہل اور پُر رونق قہوہ خانے اور پُر اسرار سرزمین طویل عرصے کے بعد مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں عرشے پر کھڑا انجانے کب تک افق کی گہرائیوں میں جھانکتا رہا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے دُور دُور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پانی کی عظیم چادر جو کائنات پر مسلط محسوس ہو رہی تھی اور جس کی چھت پر آسمان کا شامیانہ تنا ہوا تھا رات کے وقت چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئی ایسی حسین لگتیں کہ نگاہ اٹھانے کو جی نہ چاہے۔ جہاز کی برق رفتاری چاندنی رات میں کھلے ہوئے ستارے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس حسین رات ہنس کو سمندر پر تیرتے دیکھ کر حیران ہوں۔

نکی بنگی ہوا کے تھپیڑے ذہن کو کائنات کے نجانے کون کون سے سربستہ رازوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ صندوق کا راز میرے ذہن میں تھا اور میں اس پُر اسرار زمین کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی کہانیاں [illegible] جس کے بارے میں ہم جو طرح طرح کی داستانیں گھڑتے تھے اور [illegible] ایک دوسرے کو سناتے تھے جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ سونے کی سرزمین ہے اور اگر [illegible] ان جاتے تو ان کی تقدیر بھی اسی طرح ستاروں جیسی چمک [illegible] آسمان کو منور کرتی ہے۔ جو ڈوب کر [illegible] اور یہ جانا کہ دراصل وہ سرزمین کچھ بھی [illegible]

کے بعد میرے قدموں میں ہو گی۔

سلمان چونکہ نوجوان تھا اور جہاز کی دلچسپیوں نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا، جوان ہو چکا تھا اور عمر کی پچیسویں منزل سے گذر رہا تھا اس لئے اب میں نے اس پر سے پابندیاں اٹھا لی تھیں یوں بھی مضبوط کردار کا نوجوان تھا اور یہ خدشات میرے ذہن سے نکل چکے تھے کہ وہ کسی بُری راہ پر پڑ سکتا ہے۔ حسین اتنا تھا کہ جہاز پر بھی میں نے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں سنی تھیں مسافر لڑکیاں دن کی روشنی میں ہی مجھے اس کی جانب مائل نظر آئی تھیں۔ خاص طور سے میں نے دو لڑکیوں کو ایک گوشے میں کھڑے اس کی طرف اشارے کرتے دیکھا۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سرزمین قاہرہ بھی حسن و عشق کی سرزمین تھی اور وہاں سلمان کے لئے کیا کچھ کھیل نہ ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس کھیل میں سلمان کا کوئی کردار نہیں دیکھا تھا اس لئے آج بھی اس کی جانب سے مطمئن تھا۔

رات آہستہ آہستہ گذرتی رہی اور میں گذرتی رات کی رعنائیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔ سمندر کی مترنم لہروں کا منظر کچھ اتنا دلکش تھا کہ میں عرشے پر ہی کھڑا رہا۔ پھر سلمان ہی نے عقب سے مجھے آواز دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس ایک لمحے میں مجھے سلمان کی آواز بے حد پُر فسوں لگی۔ بہرحال میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سلمان ؟"

"ساڑھے بارہ بج چکے ہیں چچا جان۔ کیا واپس نہیں چلیں گے ؟"

"میں چونک پڑا" کیا کہا، ساڑھے بارہ" میں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ کیا آپ بہت دیر سے یہاں کھڑے ہوئے ہیں ؟"

"وقت گذرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا"

"کچھ سوچ رہے ہوں گے" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوچ تنہائیوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ایک غیر ارادی سا عمل جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے"

"کیا خیال تھا ذہن میں پوچھ سکتا ہوں ؟"

"کوئی ایک نہیں۔ بس ماضی ہر انسان کا شریک ہوتا ہے مستقبل کی کوئی شکل نہیں ہوتی"

"ہاں۔ مستقبل سنگ مرمر کے اس مجسمے کی مانند ہوتا ہے جس کے خدوخال نہ تراشے گئے ہوں [illegible] ہوتے



آنے والے وقت کے بارے میں ضرور سوچا ہو گا"

"کیوں نہیں۔ خیالات پر کسے قابو ہے"

"آپ کا ان معاملات کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا ہم اپنی اس مہم میں کامیاب رہیں گے ؟"

"میں پیش گو نہیں ہوں"

"اندازہ تو لگا سکتے ہیں" سلمان اس وقت بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اپنی فطرت کے خلاف گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ کم گوئی اس کی سرشت تھی۔ جھکی نہیں تھا کسی بھی سلسلے کا بھی اسے [illegible] سمندر تھی۔ لیکن اس وقت اس کا بچپن محسوس کر رہا تھا۔

"اندازہ بھی لگانا مشکل ہے نور چشم۔ تم کسی ایسی اجنبی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو جس سے ہم ناواقف ہیں"

"میں آپ کو اپنے احساسات بتاؤں ؟"

"اگر مناسب سمجھو تو۔"

"مجھے یوں لگتا ہے چچا جان جیسے کچھ انجانی آنکھیں میری نگران ہیں۔ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں۔ ان کی آوازوں کی بھنبھناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے"

"یہ آوازیں تم سے کچھ کہتی ہیں" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مختلف زبانیں ہوتی ہیں مسلسل بولی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ میں کچھ سمجھ نہیں پاتا" سلمان نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سلمان۔ میرے دوست۔ اگرچہ کہ میری زندگی سادہ ہے اور میں نے اس کے نشیب و فراز واضح نہیں دیکھے۔ [illegible] ایک ہی انداز میں گذری ہے۔ اور سوائے عمر کے بڑھتے حصے کے میرے سامنے کوئی اُلجھن نہیں پیش آئی۔ لیکن عمر تجربے کا نام ہے۔ میں تمہیں اور کچھ نہیں دے سکتا لیکن اپنا تجربہ ضرور تمہاری نذر کر سکتا ہوں"

"یہ میرے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے چچا جان۔" سلمان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے اپنے اجداد کے مشن کو لبیک کہا ہے۔ وہ کوششیں جو صدیوں سے کی جا رہی ہیں۔ ان میں ناکامی ہوئی ہے جاری رکھنے [illegible] خاص طور سے تم جو روشن مستقبل ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر خود کو ایک تصوراتی مہم کے لئے تیار کرنا معمولی بات نہیں لیکن تم نے

ان آوازوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ میں نے تمہارے اس جذبے سے انحراف نہیں کیا۔ اور خود بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی بہت ہلکی پھلکی شے ہے۔ خود کو وسوسوں سے آزاد رکھو اور یہی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ وسوسے تمہارے سامنے مختلف شکلیں پیش کریں گے اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے تو نہ جانے کیا کیا عمل تم کرو گے۔ وقت کا انتظار کرو۔ جو وقت کی کہانی ہو گی وہی بھلی۔ اس سے پہلے ذہن کو آزاد چھوڑ دو"

سلمان میرے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بزرگ دانا ہوتے ہیں۔ آپ کا مشورہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ بلاشبہ آپ درست کہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ خود کو اُلجھن میں نہ پھنساؤں۔ اور اس سفر کو ایک تفریحی شکل دے دوں۔ آپ تو مطمئن ہیں"

"ہاں۔ مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔ حالات ہمارے پروگرام کے مطابق پُر سکون ہیں" میں نے جواب دیا۔ سلمان کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں اپنے کیبن میں آ گئے۔ جو مشترک تھا۔ کپتان نے ہم پر خصوصی عنایت کی تھی اور یہ کیبن جہاز کے بہترین کیبنوں میں شمار ہوتا تھا۔

رات گذر گئی۔ دوسرے دن ابر چھایا ہوا تھا۔ موسم بھیگا بھیگا اور دلخوش کن تھا۔ ہم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر قلبی اور دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ تینوں سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

"کیا گفتگو ہو رہی ہے بھئی۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سنہری دولت کی حشر سامانیاں زیرِ بحث ہیں۔ یہ انسان کو کس طرح دربدر کرتی ہے۔ نظامِ کائنات بھی سنہری عظمت کے زیرِ اثر چل رہا ہے۔ ہم اسی موضوع پر بات کر رہے تھے"

"اوہ۔ اس میں کوئی شک نہیں" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ قلبی نے کہا۔

"میں نے کپتان سے بات کی ہے۔ [illegible] جس بحیرہ روم العربیہ کے پاس سے گذریں گے۔ یہیں وہ بڑا [illegible] سے جہاں [illegible] ہمیں لانچ میں [illegible] سفر کرنا ہے [illegible] بھی گفتگو ہوئی تھی"

"کیا ؟" میں نے سوال کیا۔

www.paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس کا خیال ہے کہ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بہت پرخطر ہے۔ سمندری جانور اس راستے میں بہت زیادہ ہیں۔ کپتان نے بتایا کہ ایک بار سمندری طوفان کی وجہ سے اسے راستہ بدلنا پڑا تھا۔ اور وہ زمین کے مشرق کی طرف پلٹ کر سفر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تب اس نے اس پرخطر راستے پر غور کیا۔ اس طرف بڑی شارک مچھلیوں کے لاتعداد قبائل آباد ہیں۔"

"اور کوئی راستہ اس طرف جانے کا نہیں ہے؟"

"نہیں۔ اور اگر ہے تو بہت ہی عجیب۔ یعنی ہمیں تقریباً دو سو سمندری میل کا چکر کاٹ کر اپنی منزل کی طرف جانا پڑے گا۔"

"اوہ۔ گویا کئی دن کا سفر۔"

"ہاں۔ سفر بھی اس کے علاوہ ہم اس طرف سے اپنی منزل کا صحیح نشان نہیں پا سکتے۔"

"ہوں۔ پھر کیا سوچا تم نے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ انتظام کر کے چلیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔

"وہاں کے لئے کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا اور قطبی مسکرا کر بولا۔

"یہ آپ کا خادم بہت معمولی سا انسان ہے۔ لیکن کوشش کرے گا کہ خود کو آپ کے اعتماد کا اہل ثابت کر سکے۔" اس نے کہا۔

"میں تم لوگوں کی طرف سے بہت مطمئن ہوں۔" میں نے کہا۔ کافی دیر تک ہم لوگ بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر سلمان اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں اپنے کیبن میں چلا گیا تھا۔

رات کو نو بجے سب لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گئے سلمان میری اجازت سے جہاز کے کلب کی طرف چلا گیا۔ میں اس جگہ پہنچا جہاں ہماری لانچ رکھی ہوئی تھی۔ لیکن یہاں قطبی، فرازی، اور فیکان آٹھوں مصریوں کے ساتھ موجود تھے۔ لانچ نیچے اتار لی گئی تھی۔ روشنیاں چیک کر لی گئی تھیں اور وہ لوگ لانچ میں مصروف تھے۔ سامان بار ہو رہا تھا جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس سامان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا۔ جس پر میں نے توجہ نہیں دی۔ البتہ مجھے ان لوگوں کی مستعدی سے خوشی ہوئی۔ ذمہ دار لوگ تھے اور خود بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا جانتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کام کی نگرانی کرنے لگا۔ بارہ بجے تک ہم لوگ یہاں رہے اور تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پھر چند مزدوروں کو لانچ کے پاس چھوڑ کر ہم یہاں سے چل پڑے۔ "میرے خیال میں اب تھوڑی دیر آرام کریں گے تاکہ رات کے آخری پہر ہم چاق و چوبند ہوں۔" قطبی بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ رات کے لئے کیا بندوبست کیا گیا ہے۔ کپتان بذات خود ہمیں جگائے گا؟"

"نہیں، مسٹر فرازی جاگیں گے اور مقررہ وقت سے کچھ قبل ہمیں جگا دیں گے۔ پھر ہم اپنی نیند کشتی میں پوری کر لیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔ اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کیبن میں واپس آ گیا اور میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد سلمان بھی کلب سے واپس آ گئے۔

"میں لانچ کے پاس دیکھ کر آیا ہوں۔ ہمارے دو ساتھی وہاں موجود ہیں۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں اس میں تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ اب تم بھی آرام کرو۔ ہمیں رات بجے جاگنا ہے۔ دو گھنٹے کی نیند کسی قدر پرسکون ثابت ہو گی۔ کیونکہ بقیہ رات جاگ کر گزارنی ہے۔"

سلمان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ تو تھوڑی دیر کے بعد ہی خراٹے لینے لگا لیکن میں کروٹیں بدلتا رہا۔ لاکھ سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی ذہن کو بار بار جھٹکا لیکن خیالات تھے کہ امڈے چلے آ رہے تھے۔ میں نیند سے مایوس ہو گیا۔ سونا کسی طور ممکن نہ ہوا۔ اور دو گھنٹے گزر گئے فرازی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی تو میں نے دروازہ کھول دیا

"دو بج گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ میں تیار ہوں۔" میں نے کہا اور فرازی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلمان کو ابھی جگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فرازی دوسرے لوگوں کو جگا آیا تھا۔ بہرحال ہم لانچ کے پاس آ گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کپتان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ماتحت کو بلایا اور اسے ہدایات جاری کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے اس حصے میں اچھی خاصی رونق ہو گئی۔ تیز لائٹیں جلا لی گئیں تاکہ تمام کام بہتر طور پر ہو سکیں۔ ایک بڑی کرین اسٹارٹ ہو کر وہاں پہنچ گئی۔ اور لانچ کو کرین کے ہک میں اس طرح پھنسا لیا گیا کہ وہ کسی بھی طرف جھک نہ سکے بہت بڑی لانچ تھی جسے اٹھا کر سمندر میں اتارنا خاصا مشکل اور مہارت کا کام تھا۔ لیکن کپتان بذات خود اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کپتان سے پوچھا۔

"جہاز مقررہ جگہ کس وقت تک پہنچ جائے گا؟"

"ہم اس کے آس پاس ہیں! میں سوچ رہا ہوں تھوڑا سا اور آگے بڑھ جائیں۔ اس کے بعد لانچ کو سمندر میں اتارا جائے۔ میرے خیال میں ہمیں اس کے لئے پون گھنٹہ اور صرف کرنا ہو گا۔" کپتان نے جواب دیا۔

"تو گویا میرے خیال میں مناسب ہے۔"

"ہاں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہوائیں پرسکون ہیں میرا خیال ہے آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔" کپتان نے جواب دیا میں واپس اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ دوسرے لوگ بھی اپنا اپنا سامان سمیٹنے کے لئے کیبنوں میں واپس آ گئے تھے۔ سلمان کے خراٹے کیبن میں گونج رہے تھے۔ میں اسے جگانے لگا لیکن جوانی کی منہ زور نیند بھلا کیسے خاطر میں لاتی۔ میں نے سلمان کو جھنجھوڑا بمشکل تمام اس کی آنکھ کھلی وہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ان آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"اٹھو گے نہیں سلمان، وقت ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسا وقت؟" سلمان نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی تم ایک اہم مشن پر نکلے ہو، ذہن کو حاضر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اترو گے نہیں جہاز سے؟" میں نے کہا اور سلمان کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں سے نیند چھٹنے لگی۔ اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"اوہ۔ معاف کیجئے گا چچا جان! کیا آپ مجھے بہت دیر سے جگا رہے ہیں؟!"

"ہاں، ایسی ہی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بہرحال سلمان اٹھ گیا۔ اور میری ہدایت پر جلدی جلدی سامان سمیٹ کر تیار ہو گیا۔ ہم لوگ جہاز کو خیرباد کہہ کر اب اپنی مہم کے لئے تیار تھے۔ ڈیک پر کام ہو رہا تھا۔ سب مستعد تھے۔ قطبی درحقیقت ایک اچھا منتظم تھا۔ چونکہ سمندری امور کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس لئے اس وقت اس نے ساری کمان سنبھال رکھی تھی۔

دوسری طرف کپتان قطبی سے تعلقات اور مناسب معاوضہ کی وجہ سے ہمیں جلد از جلد ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا رہا تھا۔ جہاز کی رفتار سست ہونے لگی۔ ہمیں سمندر میں اتارنے کے لئے اسے رکنا تھا۔ اس لئے اس نے رفتار سست کر دی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور پھر وہ وقت آ گیا جب لانچ کو سمندر میں اتارا جانا تھا۔ کرین آپریٹر نے سیٹ سنبھال لی۔ اور پھر کرین حرکت میں آ گئی۔ اس کا اسٹیم بلند ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں بندھے ہوئے مضبوط تار بندھ گئے۔ پھر لانچ اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔ دیوہیکل کرین نے اسے اٹھایا اور ایک مخصوص بلندی تک لے گئی۔ اس کے بعد اس کا رخ تبدیل ہونے لگا۔ اب وہ سمندر کی جانب رخ کر رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی ڈیک کے بالکل نزدیک پہنچنے کے بعد وہ رک گئی اور اس کا اوپری حصہ گھوم کر سمندر کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد تار آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ لانچ اب سمندر میں اتر رہی تھی۔ دوسری جانب ہمارے لئے اب سیڑھی لگا دی گئی تھی۔ وہ جہازی لانچ میں سوار تھے تاکہ نیچے پہنچنے کے بعد اسٹارٹ کر کے اپنی مطلوبہ جگہ لے آئیں۔ ہم سب ڈیک کے نزدیک کھڑے ہوئے لانچ کو سمندر میں اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر لانچ کی نچلی سطح نے پانی کو چھو لیا۔ اور اس کے بعد وہ سمندر میں پہنچ گئی۔

جہازیوں نے نیچے سے ہک کھولے اور کرین تار سمیٹنے لگی تھوڑی دیر کے بعد کرین ڈرائیور کرین کو پیچھے لے گیا تھا۔ ہم نے کپتان سے ہاتھ ملایا، اور کپتان نے ہمیں خوش بختی کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ ایک ایک کر کے ہم سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پہنچ گئے۔ جہازی لانچ اسٹارٹ کر کے اس جگہ لے آئے تھے جہاں سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہمارا آخری آدمی قطبی تھا جو کپتان سے ہاتھ ملانے کے بعد نیچے اترا تھا۔ اور اس کے بعد ہم سب لانچ پر پہنچ گئے۔ اوپر کپتان اور اس کے ساتھی کھڑے ہمیں الوداع کہہ رہے تھے۔ جہاز بالکل رک گیا تھا۔ مسافر اگر سو رہے ہوتے تو یقیناً صورتحال معلوم کرنے کے لئے دوڑ پڑتے، ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ جہاز کیوں رک گیا۔

بہرحال قطبی نے لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ لانچ پہلے ہی اسٹارٹ تھی، جہازی اسے اسٹارٹ کر کے چھوڑ گئے تھے۔ لانچ جہاز سے آگے بڑھ گئی۔ کپتان اور دوسرے لوگ کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے ہیولے نمایاں تھے۔ اور ہم جہاز کی روشنیوں کو دور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ لانچ کافی دور تک پہنچ گئی۔ تب جہاز نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور مخالف سمت بڑھنے لگا۔ ایک عظیم الشان سمندری سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور ہمارے ذہنوں میں عجیب عجیب تاثرات تھے۔ شہروں کی رونق چھوڑ کر ہمیں اب ایک طویل و عریض سمندر سے نبرد آزمائی کرنی تھی۔ اور ہم اس کے لئے خود کو مستعد دیکھ رہے تھے۔ تمام لوگ جنس بول رہے تھے، آٹھوں مصری مزدوروں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ قطبی ہر چند کہ اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ انہیں ہدایت بھی دیتا جا رہا تھا۔ جس سمت وزن زیادہ تھا اس سمت وزن کم کیا جا رہا تھا اور چیزوں کو مختلف طریقوں سے رکھا جا رہا تھا۔





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لانچ کا چھوٹا سا سائبان ہم سب کی پناہ گاہ تھا۔ اور اس میں آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ یوں بہترین سفر کا بندوبست کر دیا گیا تھا لیکن آسمان بدستور تاریک تھا۔ قطبی نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

• کیوں، کیا بات ہے؟؟ میں نے پوچھا۔

• کوئی خاص بات نہیں، میں ہواؤں پر غور کر رہا ہوں۔

• کیا مطلب؟؟

• بادل چھائے ہوئے ہیں، ممکن ہے بارش ہو جائے۔

• مگر کپتان کا خیال تھا کہ بارش نہیں ہوگی۔ میں نے کہا اور قطبی مسکرانے لگا۔

• سمندر کسی کے تابع نہیں ہوتا، بلر صاحب، آسمان ایک لمحے میں رخ بدل لیتا ہے۔

• کیا طوفان کا خطرہ ہے؟؟

• اوہ نہیں۔ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ سمندر کی پریشانیاں میرے سپرد ہیں، آپ بھی کوئی فکر نہ کریں۔

• اوہ نہیں، مسٹر قطبی پریشان ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں بے شمار الجھنوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سلمان اور دوسرے لوگ بہت خوش تھے۔ سمندری سفر تو پہلے بھی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ نو دریافت سفر زیادہ دلچسپ تھا سلمان قطبی کے پاس پہنچ گیا۔

• لائیے، اب میں ڈرائیو کروں۔

• ضرور، لیکن یہ کار ڈرائیونگ نہیں ہے سلمان میاں۔

• آپ مجھے سکھا دیں، میں چند گھنٹوں میں سیکھ جاؤں گا۔ سلمان نے کہا اور قطبی نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سلمان کو لانچ کے انجن کے بارے میں بتانے لگا۔ سلمان بڑے اطمینان سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

• اس طرح تو مجھے بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی، میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی سلمان کی طرح تھوڑی تھوڑی ڈرائیونگ کی مشق کر لینی چاہیے۔ قطبی نے کہا۔

• ہم سب تیار ہیں۔ [illegible] ہنستے مسکراتے یہ سفر جاری رہا، اس وقت [illegible] نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ [illegible] بہت دور مشرق سے سورج ابھرنے لگا۔ آہستہ آہستہ سمندر کا نیلا پانی روشن ہونے لگا۔ [illegible] کا بندوبست کیا جانے لگا۔ [illegible] ناشتہ کیا گیا۔ ابا جان

ہو گئے تھے۔ اور آسمان شفاف نظر آ رہا تھا۔ سلمان نے آگے بڑھ کر وہیل کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ انہیں لانچ چلانے میں بہت لطف آ رہا تھا۔ قطبی انجن کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ڈیزل چیک کیا۔ کچھ نئے ڈبے کھول کر ٹنکی پوری بھر دی گئی۔ پھر قطبی بادبان کے مستول کی طرف چل پڑا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے اور مستول ٹھیک ٹھاک کھڑے تھے۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر قطبی نے اجازت چاہی کہ تھوڑی دیر آرام کرلے۔ میں سلمان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ باقی لوگ سونے لیٹ گئے تھے۔ مزدوروں میں سے بھی چار مزدوروں کو کیبن کی ہدایت کردی گئی تھی تاکہ وہ چاک و چوبند رہیں۔ سورج خوب چمک رہا تھا اور سمندر روشن تھا۔ پانی کر چھوتی ہوئی نم ہوائیں سورج کی تیزی کا احساس نہ ہونے دے رہی تھیں۔ سلمان یکایک مسکرانے لگا۔

• خیریت، کیا خیال آگیا ذہن میں؟؟

• ان بے چاروں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔

• کون بے چارے؟

• یہی جو سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کی آنکھوں میں سونے کے خواب گردش کر رہے ہوں۔

• آہستہ سلمان۔ الفاظ پر قابو رکھنا ہو گا ورنہ یہ دوستی اور محبت بھری فضا دشمنی میں بھی بدل سکتی ہے۔

• سو رہے ہیں سب۔

• پھر بھی احتیاط رکھو۔

• انسان دولت کا اتنا لالچی کیوں ہوتا ہے چچا جان۔

• نوجوانی بول رہی ہے اور ایسی نوجوانی جو بچپن سے لے کر اب تک کسی مالی مشکل کا شکار نہیں ہوئی۔

• کیا دولت مل جانے سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے؟

• کسی حد تک۔

• پھر یہ دولت مند لوگ مسلسل دولت حاصل کرنے کے لئے کیوں جدوجہد کرتے رہتے ہیں؟؟

• یہ انسانی عمل ہے۔ اس کی ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔ سلمان میری یہ بات سن کر مسکرا دیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔

• یقین کریں چچا جان۔ میں تو یہ ہوس بالکل محسوس نہیں کرتا۔

• تمہاری بات اور ہے سلمان۔

• کیوں چچا جان! میری بات کیوں اور ہے؟؟

• اس لئے کہ تم ایک قدیم نسل کے شہزادے ہو۔ یہ داستان تو میں نے اس تحریر میں پڑھی اور حقیقت سلمان، میرے ذہن میں بھی ابھی مشکوک ہے۔ ہر چند کہ وہ تمہارے اجداد کی تحریر ہے



اور تم اس سے بہت [illegible] اس لئے اپنے کسی شک کا اظہار نہیں کیا۔ کہیں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے بہرحال آؤ اس کی صداقت ہے تو تمہیں سمجھ ہونا ہی چاہئے۔ سلمان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس کے بعد پھر یہ موضوع ختم کر دیا کیونکہ خدشہ تھا کہ کوئی اسے سن نہ لے یہ گفتگو سن لے تو پھر جنگ دشمنی آوازیں کی جا رہی تھی۔ یقینی طور پر ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ سفر جاری رہا اور پھر دفعتاً سلمان چیخ پڑا۔

• چچا جان۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ دیکھئے۔ میں نے اس کے اشارے کی سمت نگاہیں دوڑائیں، تو ایک عجیب سی شے نظر آئی ——— سیاہ اور نہ جانے کتنی بے شمار تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ ان کا رخ اسی موٹر بوٹ کی جانب تھا۔

• شارک۔ میرے حلق سے آواز نکلی۔ اور سلمان دلچسپی کی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

• یہ شارک مچھلیاں ہیں، ان کے بارے میں تو بڑی بڑی خوفناک داستانیں سنی ہیں۔ بلکہ کچھ فلمیں بھی دیکھی ہیں۔ کیا یہ اتنی ہی خطرناک ہوتی ہیں جتنی انہیں کہا جاتا ہے۔

• اس سے کہیں زیادہ خوفناک۔ میں نے بھی اب تک شارک مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ یہی ہے کہ سمندر میں ایک خوفناک عفریت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

• اوہ۔ یہ کشتی ہی کی طرف آ رہی ہیں۔ کہیں یہ نقصان تو نہیں پہنچائیں گی۔ سلمان نے کہا۔

• ہوشیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے تھوڑا سا رخ تبدیل کر دیں۔ میں نے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور سلمان نے موٹر بوٹ کا رخ بدل دیا۔ مچھلیوں کا غول اسی طرح دوڑتا ہوا اچھلتا آ رہا تھا۔ جیسے موٹر بوٹ کو نگل جائے گا اور پھر وہ آن کی آن میں ہمارے قریب پہنچ گیا۔ پھر موٹر بوٹ کو شدید جھٹکے لگے۔ اور ان جھٹکوں سے سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ پڑے۔ قطبی جلدی سے ہمارے قریب آ گیا۔

• یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟

• میرا خیال ہے شارک۔ شارک مچھلیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ میں نے جواب دیا اور قطبی ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر سمندر میں دیکھنے لگا۔ [illegible] موٹر بوٹ کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ قطبی زور سے دھاڑا۔

• خبردار۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ خوف [illegible] زندگی کو موت سے [illegible] اور وہ شخص گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں موٹر بوٹ کے نیچے سے گذر رہی

تھیں۔ اور وہ اتنی طاقتور تھیں کہ موٹر بوٹ کو جھٹکے لگ رہے تھے کوئی کوئی مچھلی موٹر بوٹ سے ٹکرا بھی رہی تھی۔ اور اس وقت یوں لگتا جیسے موٹر بوٹ ایک جانب کو اٹھ رہی ہو۔

• کیا کیا جائے قطبی؟؟ میں نے قطبی سے پوچھا اور قطبی نے آگے بڑھ کر رائفل اٹھالی تمام رائفلیں تیار تھیں باس نے دوسرے تمام لوگوں کو بھی اشارے کئے۔ اور تمام مصری جوان رائفلیں تان کر کھڑے ہو گئے۔

پھر قطبی نے پہلا فائر کیا۔ اور ایک شارک مچھلی کا کوہان زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ کر نیچے گئی، اور دوسرے لمحے پھر ابھری اس بار اس کا ہولناک منہ ہماری طرف تھا۔

یہ مچھلی تھی، یقین نہیں آتا تھا۔ اتنا بڑا منہ پھیلا یا تھا کہ ایک آدمی کا سر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ اس نے پانی میں غوطہ مارا، اور آکر موٹر بوٹ سے ٹکرائی۔ موٹر بوٹ زور سے ہلی اور سلمان کی گرفت اسٹیرنگ پر مضبوط ہو گئی۔ یہ زخمی مچھلی کے خون کی بو تھی یا پھر ان کا انتقام کہ دور دور سے اور بھی مچھلیاں اس سمت آنے لگیں۔ شارک کا پورا خاندان ہمارے گرد جمع ہو گیا تھا۔ جس طرف نگاہ اٹھتی کوہان ہی کوہان نظر آتے، قطبی عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

• یہ صورت حال میرے لئے نئی ہے۔

• کیا مطلب؟؟

• مطلب یہ کہ شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں لیکن ان کا یہ غیظ و غضب بڑا عجیب ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں بلر صاحب۔ کہ ان مچھلیوں کے خاندان سمندر کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے ہیں اور جہاں ان کے قبیلے ہوتے ہیں وہ جگہ بے حد خوفناک ہوتی ہے۔ کپتان نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سمت شارک مچھلیاں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ موٹر بوٹ چونکہ چھوٹی ہے، جہاز کی بات دوسری ہوتی ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ موٹر بوٹ کو کیسے جھٹکے لگ رہے ہیں۔ کہیں کوئی اور مچھلی اسے الٹ نہ دے۔ قطبی نے کہا۔

ہم سب کے چہروں پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے سوائے سلمان کے۔ اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی اور چمک تھی جیسے وہ اپنا پسندیدہ کھیل دیکھ رہا ہو۔

دفعتاً ایک شارک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا۔ اور تقریباً چار فٹ اونچی بلند ہو گئی۔ خوش قسمتی تھی ہم لوگوں کی کہ کوئی کنارے پر موجود نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت تک کوئی خوفناک حادثہ پیش آ چکا ہوتا۔ مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہو گئی جیسے الٹ جائے۔ [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آ جاتا تو آسانی سے آ سکتی تھی۔ اس کا کنارہ پانی کو چھونے لگا تھا۔ قطبی نے اندھا دھند مچھلیوں کے نشانہ بازی شروع کر دی تھی۔ چار گولیاں کھانے کے بعد وہ نیچے اور سمندر میں الٹ گئی۔ لانچ کو شدید جھٹکا لگا اور دوسری جانب تمام لوگ لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں کہ اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یقینی طور پر لانچ کو تباہ کر دیں گی۔ تب قطبی نے فائرنگ روک دی۔ اور اپنی رائفل ایک جانب رکھ دی۔ پھر وہ مجھ سے کہنے لگا۔

”اب ایک دوسرا کھیل کھیلنے جا رہا ہوں۔ شکر ہے کپتان نے ہمیں اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔“

”دوسرا کھیل۔۔۔؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے قطبی کو دیکھا۔

”وہاں میں اس کا بندوبست کر کے چلا تھا۔“ قطبی نے جواب دیا۔ اور تیزی سے دوڑتا ہوا لانچ کے پچھلے حصے میں پہنچ گیا۔ اس نے لانچ میں رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹن اٹھائے جن میں پٹرول بھرا ہوا تھا، پھر وہ ان ٹینوں کے کارک کھولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے پٹرول کو زور سے پانی میں اچھال دیا۔ ٹن الٹے گرے تھے اور پٹرول پانی کی سطح پر پھیل گیا۔

قطبی نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کرنے کے لئے کہا۔ اور سلمان لانچ کو موڑ کر پیچھے لے آیا۔ اس کے بعد قطبی نے پٹرول کا ایک اور ٹن پانی پر خالی کر دیا۔ اس کام کے لئے اسے بڑی مہارت سے کام لینا پڑا تھا۔

کنارے پر جانا بے حد مشکل تھا۔ پٹرول کو بھرے ہوئے ٹن کے ذریعے پانی پر پھینکنا تھا۔ اگر کنارے پر جایا جاتا تو یقینی طور پر کسی نہ کسی شارک مچھلی کا شکار ہو جاتا، اور اگر ٹن ذرا بھی بے احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ کے کناروں پر بھی پڑ سکتا تھا۔

چنانچہ قطبی نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار ٹن پھینکنے کے بعد پیچھے ہٹ کر لانچ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ اس کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اسٹیرنگ سنبھال کر اس نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور ایک مخصوص زاویے پر لا کر لانچ کا اسٹیرنگ سلمان کے حوالے کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے کپڑا اٹھایا۔ سے مٹی کا تیل گولا سا بنا کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اس نے فرازی کو ہدایت کی کہ اس کپڑے میں آگ لگائی جائے۔

فرازی نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اب یہ صورت حال میری سمجھ میں بھی آ گئی تھی۔

جلتا ہوا گولا سمندر میں پھینک دیا گیا اور اب پانی کی سطح پر ایک عجیب و غریب نظارا پیدا ہو گیا۔ پٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔ مچھلیوں کا غول چونکہ بہت زیادہ تعداد میں تھا اس لئے وہ اس آگ کی لپیٹ میں آ گئیں۔ اور ان میں افراتفری پھیل گئی۔ اس واقعے سے شاید وہ ڈر گئی تھیں۔ لانچ کو اس مہارت سے پیچھے ہٹایا گیا تھا کہ سمندر پر پڑا ہوا پٹرول اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور پھر قطبی کے کہنے پر لانچ کی رفتار تیز کر دی گئی۔ کچھ مچھلیاں لانچ کے پیچھے لپکیں، لیکن پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا خاندان بہت پیچھے رہ گیا ہے تو وہ خود بھی اپنی جگہ تبدیل کرنے لگیں۔

سمندر پر شعلے ابھر رہے تھے۔ اور دلچسپ نظارہ لگا ہوں کے سامنے تھا۔ البتہ ان شعلوں سے کافی دور نکل آئی تھی۔ اور اس طرح ان مچھلیوں سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے قطبی کو دیکھا۔ قطبی مسکرانے لگا۔

”جب مجھے کپتان نے یہ بات بتائی تھی کہ اس طرف شارک مچھلیوں کے غول بہت زیادہ نظر آتے ہیں، تب میں نے اس پٹرول کا بندوبست کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی چارہ نہیں تھا یہ غول بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے ایک بار کسی سیاح کے سفر نامے میں ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ بعض اوقات تو یہ غول چھوٹے جہازوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کی تعداد جوں جوں بڑھتی جاتی ہے یہ زیادہ خطرناک ہوتے جاتے ہیں۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مچھلی مر جائے۔ گولیوں کے زخم تو انہیں نہیں ڈرا سکے تھے۔ لیکن آگ کے شعلوں نے انہیں بدحواس کر دیا۔“

”قطبی، شکریہ۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ اور قطبی ہنسنے لگا۔

”نہیں بابا، یہ تو میرا فرض تھا۔ جب بلاوجہ ہی تم لوگوں کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ سمندری مہم کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی جائے۔ باقی معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

فرازی اور نیکان بھی قطبی کی اس کوشش سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ بہرصورت ہم میں سے کوئی شخص اگر سب سے زیادہ بے فکر تھا تو وہ تھا سلمان۔ اور میں جانتا تھا کہ نوجوانی کی عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی خطرہ، خطرہ نہیں محسوس ہوتا۔

لانچ اب کافی دور نکل آئی تھی۔ تب میں نے قطبی سے کہا۔

”قطبی کوئی سمندری حادثہ ہمیں راستہ نہ بھٹکا دے، اس بات کا بھی خاص طور سے خیال رکھنا ہے۔“

”یقیناً۔ جو نقشہ ہم نے ترتیب دیا ہے اس کے تحت ہم ابھی راستے سے نہیں بھٹکے۔ سوائے اس کے کہ تھوڑی دور جانے کے بعد ہم سمت سیدھا کر دیں گے۔ اگر ہم یہیں سے اپنا رخ بدلیں تو مچھلیوں کا یہ غول پھر سے ہمارے قریب پہنچ سکتا ہے۔“

”نہیں نہیں۔ اسی طرح چلتے رہو۔ آگے چل کر راستہ بدل لینا۔“

تقریباً ایک سمندری میل چلنے کے بعد ہم نے پھر لانچ کا رخ اسی سمت کر دیا جدھر ہمیں سفر کرنا تھا اور اس کے بعد شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ ہم سب شارک مچھلیوں کے اس حادثے کو بھول گئے تھے۔ کئی جگہ ہمیں شارک مچھلیاں نظر آئیں لیکن تنہا تھیں۔ وہ تھوڑی دور تک موٹر بوٹ کے پیچھے دوڑتی رہیں۔ اور اس کے بعد سمت بدل کر چلی گئیں۔ غالباً ایک یا دو مچھلیاں کسی ایسی چیز پر حملہ نہیں کرتی تھیں جن سے انہیں خطرہ درپیش ہو سکے۔ میں اس سمندری مخلوق کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہر جانور ہر جگہ ایک باقاعدہ ذہنی نظام رکھتا ہے۔ اس کی اپنی سوچ ہوتی ہے، اور وہ اپنے انداز کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام ہو گئی۔ آسمان پر ایک بار پھر بادل امڈ آئے اور پھر تقریباً ساڑھے آٹھ یا نو بجے کا وقت ہوگا کہ بوندیں پڑنے لگیں۔

قطبی نے جلدی سے لانچ پر دوسرے انتظامات کئے۔ ویسے تو ہم نے لانچ پر ایک سائبان جیسی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ کیبن اس لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ ان کیبنوں کی تعداد کتنی ہو سکتی تھی؛ ظاہر ہے تمام افراد کیبنوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ اس لئے لانچ پر ایک سائبان ترتیب دے دیا گیا تھا جس کے نیچے سورج سے پناہ لی جا سکے۔ بہرحال قطبی کی وجہ سے درحقیقت سمندری سفر میں بے حد آسانیاں ہو گئی تھیں۔ اس نے شارک مچھلیوں کو جس طرح بھگایا تھا وہ قابل تحسین کارنامہ تھا۔ بارش باقاعدہ ہونے لگی، اور چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ قطبی کسی قدر سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن اس نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ دفعتاً تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ قطبی نے ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا۔ وہ جیسے اس وقت کا منتظر تھا۔ اس نے مجھے قریب بلایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ”مسٹر بابر، صورت حال پریشان کن ہو گئی ہے۔ یہ تیز ہوائیں سمندری طوفان بھی ہو سکتی ہیں۔ ہر چند کہ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ لیکن سمندر کا کیا بھروسہ؟“

”کیا طوفان خوفناک ہو سکتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”آثار ایسے ہی ہیں۔“ قطبی کے جواب نے مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔

اگر سمندری طوفان آ گیا تو کیا ہوگا۔ یہ چھوٹی سی لانچ اس طوفان کا کیا مقابلہ کر سکے گی۔ سب لوگ قطبی کے انکشاف سے آگاہ ہو گئے تھے۔ سب کے سب بے سکون تھے سوائے سلمان کے۔ وہ کشتی کے ایک سرے پر کھڑا آسمان کی طرف منہ اٹھائے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا اسے۔ بہرحال اسے اس کیفیت میں دیکھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ ”سلمان۔۔۔“ میں نے اسے آواز دی تو اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ ”کیا بات ہے، اوپر کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔!“

میرے سوال پر اس نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا۔ ”کچھ نہیں چچا جان، کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”طوفان کا خطرہ ہے۔“ میں نے کہا۔

”یہاں بہت لوگ پریشان ہیں۔“

”تم نہیں ہو۔۔۔؟“

”طوفان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“ سلمان نے جواب دیا اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ اس وقت سوال جواب کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”درحقیقت جوانی سے بڑا طوفان کوئی نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ تم نادانی کی باتیں نہ کرو، خود کو تیار کر لو۔“

”میں تیار ہوں چچا جان۔۔۔!“ سلمان یکدم سنبھل گیا۔ قطبی نے لانچ کے انجن بند کرا دیئے تھے اور بڑی تندہی سے رسی تمام چیزوں کو رسیوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں کے ذریعے بند رہا تھا جن کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔

”یہ شخص درحقیقت ہمارے لئے بے حد کارآمد ہے اسے جہاز رانی کا پورا تجربہ ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ سلمان نے اعتراف کیا۔ ہوائیں تیز ہو گئی تھیں اور سمندر کا رنگ بدل رہا تھا۔ اونچی اونچی موجیں کشتی کی طرف دوڑنے لگیں۔ طوفان آ گیا۔ موجیں کشتی سے ٹکراتیں تو پانی اچھل کر پوری کشتی کو شرابور کرتا دوسری طرف جا پڑتا۔ کشتی اب سمندر کے رحم و کرم پر تھی۔ علم ختم ہو چکا تھا اور اب خاموشی سے اپنے بچاؤ کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ ہم لوگوں نے مزدوروں نے ایک ایک نے بچے کھچے کمروں سے کس کر گرہیں لگائی تھیں۔ بہت ایک ستون سے بندھا ہوا تھا۔ کشتی اب بری طرح ہلکورے میں ڈول رہی تھی، کبھی ایک طرف جھک جاتی اور یوں لگتا جیسے کہ اب ڈوبی کہ اب ڈوبی۔ کبھی کوئی شدید موج اس کا ایک سرا اٹھا لیتی۔ میں نے سلمان کو مضبوطی سے ایک ستون سے کس لیا تھا۔ مجھے اس سے اپنے بچوں ہی کی مانند پیار تھا اور درحقیقت اس وقت مجھے اپنے آپ سے زیادہ اس کے بچاؤ کی فکر تھی۔ پانی کے تھپیڑے بڑھتے جا رہے تھے اور کبھی کبھی کشتی چکر کھانے لگتی تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ دونوں چیزیں بھی بے وزن ہو گئی تھیں اور آپس میں ٹکرا کر




www.paksociety.com

[illegible]

پچھلے چند سالوں سے الیکٹرونکس میں ٹیکنیکل کتابوں کا قحط پڑ گیا تھا۔ اگر کوئی کتاب ملتی بھی تھی تو بہت پرانا ٹیکنیک پر مبنی ہوتی تھی [illegible] نہیں [illegible] تھی [illegible] انتہائی بے حد مشکل [illegible] جاننے والے [illegible] بہت کو پورا کرنے والی تفصیلی کتابیں چھاپنے کا بیڑہ اٹھایا۔ خدا کے فضل و کرم سے [illegible] تک [illegible] کتابیں چھپ چکی ہیں:

جدید الیکٹرک گائیڈ • جدید [illegible] وائرنگ • جدید [illegible] گائیڈ • جدید [illegible] وائنڈنگ • جدید الیکٹرک ویلڈنگ • [illegible] گائیڈ • جدید [illegible] سازی • [illegible] ٹرانسسٹر گائیڈ • جدید گھڑی سازی • [illegible] گائیڈ • [illegible] گائیڈ • [illegible] گائیڈ • T.V ریپیئرنگ • کلر T.V گائیڈ • [illegible] • VCR سروس گائیڈ • ٹیپ ریکارڈر گائیڈ۔ یہ تمام کتابیں [illegible] حضرات نے لکھی ہیں۔ [illegible] کورس کرنے والے [illegible] فائدہ اٹھا سکتے ہیں [illegible] آسانی سے سمجھانے کے طریقے [illegible] چھاپ گئے ہیں۔ ہم [illegible] نوجوانوں سے [illegible] کریں گے [illegible] ہنر کو اپنا کر روزی پیدا کریں۔ ( [illegible] )

WWW.PAKSOCIETY.COM

صاف کر کے دہانہ لگانے کی کوشش کی مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ قطبی پاؤں سے سر ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔

"ایک غلطی اور ہو گئی ہم سے کاش ہم کسی ڈیک انجینئر کو بھی ساتھ لے لیتے۔"

"کیا خیال ہے قطبی صورتحال بہتر ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے؟" میں نے سوال کیا۔

"میری کیا ناؤں کچھ سمجھ میں نہیں۔ ممکن ہے کچھ اور دھوپ پڑ جائے تو انجن اسٹارٹ ہو سکے۔" قطبی نے جواب دیا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔ چڑھتا سورج آہستہ آہستہ اوپر اٹھا اور پھر شام ہو گئی۔

شام کو ہوا کا رخ بدل گیا اور وہ کسی قدر تیز ہو گئی۔ تیز ہوا میں اتنی تیز نہیں تھی کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن وہ کشتی کو اچھا خاصا رفتار سے کر بھاگ رہی تھی۔ اور کشتی اب تیزی سے ایک سمت بڑھ رہی تھی۔ بڑی الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے ہم سب کے سب کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت سلمان کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ کشتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی ہواؤں نے اس کے راستے کا تعین کیا تھا اور ہم اس راستے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔

کشتی کے آخری کونے میں کھڑے ہوئے سلمان کے نزدیک پہنچ کر میں نے کہا۔

"صورتحال قطعی پریشان کن ہو گئی ہے سلمان۔"

"کیوں؟" اس نے تعجب کے انداز میں پوچھا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ جب طوفان آیا تھا، تب بھی تم اتنے ہی پرسکون تھے۔ اور اب بھی میں تمہارے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا آپ میری بات پر یقین کریں گے۔ چچا جان، میرا مطلب ہے جو کچھ میں کہوں گا۔ آپ سب اسے دماغ کی خرابی تو نہیں تصور کریں گے؟"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہو۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم جس منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ وہی ہماری مطلع نگاہ ہے۔ وہاں تک ہم ضرور پہنچیں گے آپ اس بات پر یقین کر لیں۔ حالات کیسی بھی شکل اختیار کریں۔ لیکن ہم ہر طور وہاں پہنچنا ہے۔"

"یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اور سلمان کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کہوں گا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ دستانیں دینے والی آوازیں میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ طوفان اور یہ راستے کی رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ہمیں منزل تک پہنچنا ہے۔" میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے گمان گزرا کہ کہیں سلمان کی ذہنی حالت تو منتشر نہیں ہو گئی ہے۔ لیکن وہ ہر طرح سے مطمئن نظر آرہا تھا۔ بہرطور میں نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس بات کا تو مجھے بھی اندازہ تھا کہ حالات پراسرار ہیں اور سلمان کو جو مشن اس کے آباؤ اجداد نے سونپا ہے۔ اس میں وہ سب اس کی امداد بھی کر رہے ہیں۔ سلمان کی اس بات کو سن کر مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ بہرطور کشتی بڑھتی رہی۔

ستارے نکل آئے چاند روشن تھا۔ سمندر کی مدہم چاندنی میں ہم سمندر کی چمکتی ہوئی موجوں کو دیکھتے رہے۔ جلدی رات کوئی سکون سے نہیں سو سکا تھا۔ کسی کو اگر اونگھ آ بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر وقت گزارنے کا تصور سب ہی کے لئے ہولناک تھا خاص طور سے قطبی جو کہ جہاز راں رہ بھی چکا تھا اس سلسلے میں سب سے زیادہ پریشان تھا۔ کیوں کہ سمندر کی پراسرار زندگی کے بارے میں وہی سب سے زیادہ جانتا تھا اسے یقیناً علم تھا کہ اگر کشتی اس طرح بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر بھٹکتی رہی تو بالآخر ایک دن وہ آجائے گا جب خوراک ختم ہو جائے گی اور پھر وہ تمام سلسلے شروع ہو جائے گا جو بہت سی کہانیوں کی باتیں کہا جاتا ہے۔ لیکن جس کی حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یا کم از کم وہ قطعی نہیں جو کسی نہ کسی طرح سمندر میں کسی ہولناک حادثے کا شکار ہو چکا ہو اور تقدیر نے اسے بچا کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا دیا ہو۔

رات گزر گئی۔ لیکن دوسری صبح جو ابھی پوری طرح ابھری بھی نہیں پائی تھی ہمارے لئے خورشید کا پیغام لائی تھی معدالتی کے سب ہم نے ایک سیاہ لکیر دیکھی جو انتہائی سیاہ لکیر کوئی جزیرہ ہی ہو سکتی تھی ہم سب ایک جگہ



جمع ہو گئے اور جزیرے کی جانب دیکھنے لگے۔ منزد دور نظر آنے لگے وہ جزائر ہاں ہیں جنہیں جزیرہ۔ جزیرہ پکار رہے تھے اور قطبی کے کہنے پر ایک دوربین انہوں نے سنبھال لی تھی۔ کم از کم ایک منزل نظر آئی تھی اور اب اس منزل کی جانب سفر کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ کشتی کا رخ اسی طرف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ طلسم خالی ہو گئی تھی اور ہم سب بے حد مسرت سے سوچ رہے تھے۔ بالآخر یہ مشکل حل ہو گئی۔ جو ہم سب کو دوسروں کا شکار کئے ہوئے تھی۔ ہم سب بے حد خوش ہو گئے تھے۔ جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اور کشتی اسی کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن جب ہم جزیرے کے کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم سب پریشان ہو گئے کہ جزیرے کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور وہاں بڑی بڑی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی ہیں۔ جو ان چٹانوں سے ٹکرا کر ایک عجیب شور پیدا ہوتا۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آکر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو چند لمحات کے اندر اندر پارہ پارہ ہو کر فضا میں بکھر جائے گی ہم نے آپس میں مشورہ کیا قطبی نے کہا کہ کشتی کو زیادہ نزدیک نہ لے جایا جائے۔ بلکہ کسی ایک جگہ رک کر تیر کے جزیرے تک پہنچا جائے۔ اس تجویز سے فرازی اور نیکان کو تھوڑا سا اختلاف ہوا۔ نیکان نے کہا۔

"لیکن کشتی کو اس طرح سمندر میں بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس میں ہمارا ساز و سامان ہے۔ اسے ہم کس طرح وہاں تک لے جائیں گے؟"

"آپ کا کہنا درست ہے۔ مسٹر نیکان۔ لیکن یہ تو دیکھئے کہ سمندر میں اس طرح ہم بے یار و مددگار ہو گئے ہیں کہ اگر ہم اس جزیرے میں نہ اترے تو ہماری زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی جس طرح جزیرے کے گرد چٹانیں بکھری ہوئی ہیں اور جس طرح موجیں ان کے پاس سر اچھال رہی ہیں۔ اگر کشتی بھی موجوں کی لپیٹ میں آکر کسی چٹان سے ٹکرا جائے تو ہماری زندگی بھی محال ہو جائے گی۔ ان حالات میں ہم سامان کی فکر کریں یا اپنی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر ہمارے کھانے پینے کا کیا ہوگا؟"

"اس کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ جو ساز و سامان ہم کسی بھی طرح ان واٹر پروف تھیلیوں میں بھر کر لے جا سکتے ہیں۔ وہ ہم اپنی پشت پر لاد کر چلیں اور کشتی کو اسی

## طاقت کے اشتہار

کہتے ہیں تیرہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے انسان کئی جسمانی اور جذباتی تبدیلیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ جو نوجوان لڑکے اس عمر میں بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جنسی تسکین کے غیر فطری طریقے اپنا لیتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد خود کو کمزور سمجھنے لگتے ہیں۔ دیواروں پر کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرنے کے اشتہار دیکھتے ہیں نیم حکیموں سے رجوع کرتے ہیں، ان کا لٹریچر پڑھتے اور یقین کر لیتے ہیں کہ ہم اپنی جوانی تباہ کر چکے ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ نوجوان لاعلمی کے سبب پریشان رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنا علاج کرانے سے پہلے جنسیات پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ایسی بہت سی کتابیں بازار میں دستیاب ہیں جن میں "جنسی خفیہ راز" اور "جنسی صلاحیت بڑھایئے" بہت مقبول ہیں۔ یہ کتابیں ہر لحاظ سے کارآمد ہیں انکے پڑھنے سے ذہن میں پڑا ہوا خوف نکل جاتا ہے۔ جو غلط فہمی نیم حکیموں کے اشتہاروں نے پیدا کی ہے دور ہو جاتی ہے۔ ان کتابوں میں قابل اعتماد حکماء کے نسخے بھی موجود ہیں، نسخوں کی دوائیں بہت معمولی رقم خرچ کر کے بازار سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح وہ نوجوان جو جوانی کے جوش میں بہک گئے تھے کتابوں کی مدد سے خود کو سنبھال سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر اسلم علی)

مشہور ادیب بینری طرنے ایک مرتبہ پیرس میں سیب کا رس پیا۔ گلاس لوٹاتے ہوئے اس نے دکان والے سے پوچھا: "تم دن بھر کتنے سیبوں کا رس بیچ لیتے ہو؟"

"تقریباً ایک من سیبوں کا۔" دکان دار نے بتایا۔

"میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں جس پر عمل کر کے تم تقریباً دو من سیبوں کا رس بیچ سکتے ہو۔" بینری نے کہا۔

"کیسے؟" دکان دار بے قرار ہو گیا۔

"گلاس پورا بھر کر دیا کرو۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جگہ چھوڑ دیا جائے۔"

"اوہ، اور اگر اس جزیرے سے واپسی کا فیصلہ کرنا پڑا تو۔"

"یہ کچھ بھی ہو جائے دیکھا جائے گا تقدیر ہمیں جو کچھ دکھانا چاہتی ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہم سمندر کے بیچ زندہ رہیں اس سے بہتر ہے کہ خشکی پر زندگی کی کوشش کریں اور موت ہی آنی ہے تو سمندر کے بیچ پہنچنے کی اور خشکی پر بھی آسکتی ہے۔" قطبیہ نے جواب دیا۔

پھر طے سب تیار ہو گئے۔ درحقیقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کے لئے کچھ حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے تھے۔

کپڑوں کے تھیلے اپنی پشت پر باندھ کر ہم نے اپنی کمر میں رسیوں کے پھندے ڈالے رسی کا ایک سرا سب سے آگے قطبیہ کی کمر میں تھا اور سب سے پیچھے میری کمر میں۔ دلیل یہ تھی کہ تمام سفر ہم اسی ایک ہی پھندے سے منسلک رہیں اس طرح کہ اگر کسی ایک کی جان کے زیاں کا خوف نہیں رہا تھا ہم نے بلاخوف کشتی چھوڑ دی۔ سب سے پہلے قطبیہ نیچے اتری اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ہم سب۔ قطبیہ تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھا جہاں سے سمندر کی دیو ہیکل موجیں انہیں سمندر کی چٹانوں سے ٹکرانے سے روک سکیں اور قطبیہ کی زیرک آنکھوں نے ایسی جگہ تلاش کر لی۔ وہ نسبتاً بہتر جگہ پہنچ گیا اور سب سے پہلے وہی خشکی پر اترا تھا اس کے بعد ہم سب۔

چاروں طرف اونچی اونچی اور ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں ان کے گرد ریتلی زمین تھی۔ کوئی دور دور تک کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا جہاں ریت اور بدصورت چٹانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان چٹانوں کا رنگ ہزاروں سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ ہو گیا تھا اور انہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ چٹانیں ان کی بے بسی کو دیکھ کر قہقہے لگا رہی ہوں۔

چند سے بلکہ کچھ دور تک بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ چند مقامات پر گہرے سبز رنگ کی کائی جمی ہوئی تھی۔ لیکن اس میں سے ناقابل برداشت بدبو آ رہی تھی اور اس میں بہت کی آمیزش تھی کہ گڑھوں

تیرنا پڑے، اس سمت بھی تک رہی ہو، تب بھی یہ اپنی جگہ تک نہیں جا سکتا تھا۔

ہم سب نے کمرے بندھی ہوئی رسیوں سے خود کو آزاد کرا لیا۔ ان رسیوں کے لچھے بنا کر کندھے پر ڈال لئے گئے تھے درمیان سے ٹکڑے کر کے یہ لچھے بنائے گئے۔ کیونکہ ایک آدمی یہ ساری رسی لے کر نہیں چل سکتا تھا۔ نہ جانے آگے ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بہرطور سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچ گئے تھے اور تھکن سے چور چور تھے لیکن بھی اس وقت سے جب سے طوفان نازل ہوا تھا ہم سب مسلسل جدوجہد میں مصروف تھے۔ چنانچہ قطبیہ کے مشورے پر سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا گیا کہ کوئی سطح جگہ دیکھ کر آرام کی ٹھان لی جائے۔ اور اس وقت تک سوتے رہیں جب تک نیند پوری نہ ہو جائے۔ سب ہی نے اس بات سے اتفاق کیا کیونکہ سب ہی کے بدن تھکن سے چور تھے۔ ایسی جگہ تلاش کرنے میں کوئی زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ بس ہم سمندر سے کافی دور ہٹ گئے تھے۔ تاکہ پانی کا شدید شور ہماری نیند میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ لیکن نیند میں تو اس وقت صور اسرافیل بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا تھا ہم سب گہری نیند سو گئے۔

پھر ہم اس وقت جاگے جب سورج ڈوب چکا تھا شام کے ہولناک سائے پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے تھے۔ اور چٹانیں ان میں روپوش ہو کر رہ گئیں۔ اتنی گہری تاریکی چھا جاتی تھی کہ چند لمحات کے بعد ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ سجھائی دے۔ ہمارے پاس روشنی کا انتظام تھا لیکن اُسے محفوظ رکھا گیا۔ ضرورت نہ تھی۔ روشنی جلانے کی کیڑے مکوڑے تو یہاں پہلے بھی نہیں نظر آئے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نظر آ جائے گی جس کی وجہ سے ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

دن گزر گیا تھا۔ چنانچہ اب بھوک بھی لگ رہی تھی قطبیہ کے مشورے پر سب نے اپنے اپنے تھیلوں کے تسمے کھولے اور تھوڑی تھوڑی سی خشک غذائیں نکال کر معدے میں اتار لیں۔ لیکن ان کی مقدار بہت کم رکھی گئی تھی۔ یہ غالباً اس وجہ سے کہ بھوک برقرار رہے۔

رات تو پرسکون ہی گزاری تھی۔ تاکہ دوسری صبح ہم کچھ کر سکیں اور درحقیقت رات کی پرسکون نیند نے دوسری صبح ہمیں لوہے کی طرح چاق و چوبند کر دیا۔ سمندر کی تمام ہواؤں



نے سارے بدن ٹھنڈے کر دیئے تھے لیکن یہ بھی اس وقت بڑی نہیں لگ رہی تھی۔

صبح کو جب ہم جاگے تو سورج بلند ہو چکا تھا اور فضا میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سیاہ چٹانیں بھی اس دھوپ میں چمک سی گئی تھیں۔ دور بہت دور بہت کافی دور تک ہمیں کوئی سرخ سی شے نظر آئی۔ یہ شے ایک بلند جگہ نظر آ رہی تھی۔ قطبیہ اُسے دیکھنے لگا۔ اور پھر تھوڑی دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے مجھے متوجہ کیا۔

"مسٹر بابر، براہ کرم دیکھئے میرا خیال ہے یہاں انسانی وجود موجود ہے۔" اس نے کہا اور میں اس کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ سرخ شے مجھے بھی نظر آ گئی تھی لیکن یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے قطبیہ سے پوچھا۔ تو قطبیہ کہنے لگا۔

"یقیناً کوئی سرخ کپڑا ہے جو فضا میں لہرا رہا ہے۔"

"اوہ۔" میرے ہونٹ سکڑ گئے۔

"کیسے؟"

"تم اس سرخ کپڑے کے بارے میں کیا اندازہ لگا رہے ہو قطبیہ۔"

"میں نہیں کہہ سکتا لیکن جو خیال آپ کے ذہن میں آیا ہے۔ مسٹر بابر، وہ میرے ذہن میں بھی آیا ہے۔"

"مثلاً ...." میں نے سوال کیا۔

"یہ کپڑا کسی ایسے سیاح کا بھی ہو سکتا ہے جو یہاں تک پہنچا ہو۔ لیکن یہاں پھنس کر رہ گیا ہو۔"

"ہاں۔ یہی خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس نے ممکن ہے امداد طلب کرنے کے لئے یہ کپڑا کسی بلند جگہ باندھ دیا ہو۔"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟" قطبیہ نے پوچھا۔

"کیا کیا جا سکتا ہے۔ اب تو کشتی بھی ہم سے چھن چکی ہے۔"

"یقیناً لیکن زندگی کم از کم ابھی تک محفوظ ہے یہاں رہ کر ہم زندگی بچانے کی کوئی ترکیب بھی سوچ سکتے ہیں اگر کشتی ہی میں پڑے رہتے تو آپ یقین کیجئے بہت جلد ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔"

"میں متفق ہوں تم سے۔ اور جانتا ہوں کہ تم سمندری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال آؤ ان لوگوں سے بھی بات کر لیں اور انہیں بھی یہ سرخ کپڑا دکھا دیں۔ ممکن ہے۔ ان میں سے اور کوئی بھی صحیح رائے دے سکے۔" قطبیہ نے گردن ہلا دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم نے ان سب کو وہیں جمع کر لیا۔ وہ سب اس سرخ کپڑے کے بارے میں اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ لیکن ان سب کی رائے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتی تھی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ کسی مصیبت زدہ انسان نے اپنی امداد کے لئے یہ سرخ کپڑا باندھا ہے۔"

"تو پھر اس کی طرف بڑھا جائے۔" قطبیہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ یہاں ان چٹانوں میں زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔ اب اور کوئی سہارا تو رہ نہیں گیا۔" میں نے کہا اور سب مجھ سے متفق ہو گئے۔ ابھی تک کسی نے کوئی شکایت یا احتجاج نہیں کیا تھا۔ کیا بھی کوئی کیا، حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے تھے کہ اس سلسلے میں کسی کو ذمہ دار ٹھہرایا نہیں جا سکتا تھا۔ سمندری موجوں نے ہمارا رخ بدل دیا تھا۔ اور ہم اس جزیرے پر آ پڑے تھے۔ ویسے یہاں آنے کے سلسلے میں سب ہی نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ اگر واپس آ سکے تو ایک عالیشان خزانہ لے کر آئیں گے اور اگر زندگیاں ویران علاقے میں ہی ختم ہونا ہیں۔ تو پھر ہو جائیں اس کی پرواہ ابھی تک کسی کو نہیں۔ چنانچہ آپس میں ہم سب میں ابھی تک مکمل اتحاد و اتفاق تھا۔ اور یہ اتحاد و اتفاق ہی ہماری زندگیوں کا ضامن بن سکتا تھا۔

چنانچہ ہم صبر و سکون کے ساتھ کہیں پھسلواں اور کہیں کھردری چٹانوں پر سفر کرنے لگے۔ یہ چٹانیں کہیں کہیں سے درمیان میں رخنے بھی رکھتی تھیں۔ جنہیں عبور کرنا مشکل نہ ہوا۔ اور یوں ہم طویل سفر طے کر کے سمندر سے کافی دور نکل گئے۔ اس کے بعد ہم چٹانوں کے سلسلے کے آخری حصے تک پہنچ گئے جہاں سے پھر ریتلی زمین کا سفر شروع ہوتا تھا۔ جو کھردری اور کہیں کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن چٹانوں کے بالکل دامن میں ہم نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔

یہاں کئی ٹوٹی پھوٹی کشتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے تختے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی پنجر بھی نظر آ رہے تھے۔ ہم



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سب سے وحشت ناک منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ تو قطبی عجیب سی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی

"کیا خیال ہے۔ اس منظر کو دیکھ کے بھی [illegible] اڑا دیے گئے ہیں۔ ان سب کے"

"تمہارا مطلب یہاں بات ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ یہ کون سی ایسی جگہ ہے جو ہمارے لئے ہولناک ہے۔ یہ تو یہ کون لوگ تھے جو یہاں آکر موت کا شکار ہو گئے۔ یہ انسانی نوعیت کے ہی نہیں آتا اور یہ کشتیاں یہ شکستہ یہاں تک کیسے پہنچیں۔ سمندر کے کنارے تو ان کا کوئی وجود نہیں تھا یہاں تک پہنچیں۔"

"یہ بات ناقابل یقین ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے۔"

"ممکن ہے کوئی سمندری طوفان انہیں چٹانوں کے اوپر سے اڑا کر یہاں تک لایا ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ بات ناقابل یقین ہے۔" قطبی نے جواب دیا۔

"قطبی میرے لیاں ہیں جیسے وحشت زدہ نہیں ہونا چاہئے جو کچھ کہ ہو گا وہ نہ جانے کیسا فیصلہ ہوگا۔ آؤ آگے چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔ سلمان جیسے کچھ بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔

"اگر آپ لوگ آگے چلے جانے سے وحشت زدہ ہیں تو سب سے پہلے میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں اگر میں زندہ سلامت رہوں تو کوئی مشکل پیش نہ آئے تو پھر آپ لوگ بھی آ جائیے۔"

"نہیں نہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی نہیں ڈرتا۔" قطبی نے جواب دیا۔ نیکلان فرازی بھی ہم سے متفق ہو گئے اور ہم سب نیچے اتر گئے۔ پھر ہم ساحلی زمین پر پہنچے کر ہم نے ان ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو دیکھا۔ وہ کہیں سال کا شکار نہیں لگ رہی تھیں اور پھر ہم انسانی ڈھانچوں کو دیکھنے لگے۔ وہیں ہاں انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کہیں کہیں خالی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں اور ان کے جبڑے لٹک رہے تھے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے اور یہاں کس طرح موت کا شکار ہو گئے۔

البتہ اس منظر کی دہشت سب پر چھائی ہوئی تھی سوائے سلمان کے وہ جو کچھ نوجوان نہ جانے کس طرح اتنا بے خوف اور نڈر ہو گیا تھا جیسے کچھ بھی اس کو نہیں آتا تھا۔ سلمان کی ساری زندگی میری نگاہوں کے سامنے تھی ایک ایک اس کے بارے میں جانتا تھا۔ میری جیسی میری کچھ میں بات نہیں آ رہی تھی۔ کچھ پرسکون نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی نہیں تھا جو ان سے آشنا ہو یا اس سے خوفزدہ ہو۔

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور قطبی بولا

"اس ماحول کی دہشت ناکی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ہمیں اس پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔ بہرحال ہمیں آگے چل کر زندگی کی کوشش کرنی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے آگے بڑھو۔" میں نے کہا اور ہم سب یہاں سے آگے چل پڑے۔ کھردری اور پتھریلی زمین پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ہماری رفتار سست تھی۔ ہم سب نے اپنے اپنے ہتھیار احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے کیونکہ اس وقت یہ ہمارا بہترین سہارا تھے۔ آگے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جس جگہ ہم سفر کر رہے تھے چڑھائی تھی جب ہم نے یہ چڑھائی عبور کر لی تو ہمیں سیاہ رنگ کی پہاڑیوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ایک سے تنگ راستے ہم یہاں رکے اور پھر پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ گھاس بھی یہاں ہرے رنگ کی تھی اور اس کے درمیان سے گزرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آ رہی تھی لیکن ان سے گزرنے کے بعد پھر وہی کھردری زمین اور چٹانیں۔ البتہ یہاں بہت بڑی بڑی چٹانیں اور کہیں کہیں ان چٹانوں میں سوراخ بھی نظر آ رہے تھے۔ یہ سوراخ خطرناک ہو سکتے تھے۔ ممکن ہے ان میں کوئی پہاڑی جانور پوشیدہ ہو۔ چونکہ رہنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ یہ سوراخ خطرناک ہو سکتے تھے۔ وہ سرخ کپڑا اب بھی کافی دور نظر آ رہا تھا اور اب مزید واضح ہو گیا تھا۔ ایک لمبے بانس میں بندھی ہوئی کوئی قمیص تھی۔ اسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہو گیا کہ بہرحال کوئی انسان یہاں تک پہنچا ضرور ہے۔

دفعتاً سلمان نے کہا "چچا جان۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی اگر یہ سرخ کپڑا انسانوں یا سمندری جہازوں کو متوجہ کرنے کے لئے باندھا گیا ہے تو کیا اسے اس جگہ باندھنا تھا۔ اس کے لئے تو بہتر طریقہ یہ تھا کہ ساحل پر کسی بلند چٹان پر یہ بانس نصب کیا جاتا۔ یہاں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟" سلمان کی بات اس قدر جاندار اور وزن دار تھی کہ میں حیران رہ گیا۔ درحقیقت سرخ کپڑا سمندر سے تو نظر نہیں آتا تھا۔ پھر اس کی یہاں موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ قطبی فرازی اور نیکلان بھی ہمارے پاس ہی موجود تھے۔ وہ بھی اس نکتے پر غور کرنے لگے لیکن کسی کے ذہن میں یہ بات صاف نہ ہو سکی پھر میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے لیکن ہمیں ضرورت سے زیادہ متردد نہیں ہونا چاہئے۔ بہرحال ٹھیک ہے اس سرزمین پر جو کچھ بھی پیش آئے گا بھگتنا پڑے گا۔"



دوسرے لوگوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہم آگے بڑھتے رہے اور بالآخر اس بانس کے قریب جا پہنچے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بانس نصب کیا گیا ہے اور وہ سرخ کپڑا کسی کی قمیص ہی تھی لیکن تمام نشانات خاموش تھے یہاں کوئی بھی ہونی ایسی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن چند گز کے فاصلے پر ہی ایک اور انسانی ڈھانچہ نظر آیا جو بالکل بکھرا ہوا تھا اور خاصہ پرانا معلوم ہوتا تھا میں نے گردن جھٹکی۔

"بڑی پراسرار جگہ ہے۔" میں متاثر لہجے میں بولا کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنا سفر کرنے کے بعد ہم تھک گئے تھے چنانچہ آرام کی ٹھانی۔ زمین پر بیٹھ کر یوں محسوس ہوا جیسے اب اٹھا ہی نہ جائے گا۔ چنانچہ باقی وقت ہمیں اسی جگہ گزارنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کوئی جلدی تو نہیں تھی۔ بس آہستہ آہستہ سفر کرنا تھا۔ تھوڑی دیر میں سب کو نیند آ گئی۔

شام ہو گئی جگہ جگہ آگ روشن کر دی گئی تھی اور اس روشنی کے لئے ہم نے وہ خشک گھاس استعمال کی تھی جو جلنے میں بہت ہی عمدہ تھی۔ یہ آہستہ آہستہ جلتی تھی اور جلدی آگ پکڑ لیتی تھی۔ آگ ہم نے فاصلے فاصلے پر روشن کی تھی۔ اس لئے اس کی تپش یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

تمام سیاہ فام نوجوان بندوقیں لئے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ رات کو کسی جانور کے خطرے کے پیش نظر ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ رات رات میں پہرہ دیں گے۔ حالانکہ کوئی حادثہ متوقع نہیں تھا نہ یہاں انسان نظر آتے تھے نہ جانور۔ دور دور تک چٹیل میدان پھیلے ہوئے تھے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف ان چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے غاروں سے ممکن ہے ان غاروں میں کچھ پوشیدہ ہو۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم ایک جگہ جمع ہو گئے۔ بڑی عجیب سی باتیں ذہنوں میں گردش کر رہی تھیں۔ مگر مطمئن تھا تو صرف سلمان۔ اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی خطرناک مہم پر نکلا ہوا ہے اور اسے واقعات کی کوئی تشویش ہے۔ وہ ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور شاید کسی سوچ میں گم تھا۔ اب ہم نے اسے اپنے درمیان شریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر اس کا دل چاہتا تو خود ہی یہاں پہنچ جاتا۔

قطبی نے بھی سلمان کی یہ کیفیت محسوس کر لی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔

"مجھے اس نوجوان پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ یہ حالات سے کس قدر بے پرواہ ہے۔ جیسے ان واقعات پر اسے کوئی تشویش نہ ہو۔"

"خیر یہ تو ناممکن ہے کہ مسٹر سلمان کو ان واقعات کا کوئی اندازہ نہ ہو۔ لیکن وہ حد سے زیادہ نڈر نوجوان ہیں۔" نیکلان نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"ہاں۔ وہ ان حالات سے بالکل لاپرواہ نظر آتا ہے۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ دلیر اور خود اعتماد ہے۔" فرازی نے بھی اپنی رائے دی۔ میں نے مناسب سمجھا میں خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا تب قطبی نے کہا۔

"ویسے ہم اس علاقے کا شکار ہو کر اپنی منزل کھو بیٹھے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ جزیرہ کتنا وسیع و عریض ہے۔ جزیرہ ہے بھی یا نہیں کیونکہ ..... ساحل پر کھڑے ہو کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کوئی موڑ نہیں ہے اور یہ زمین دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ہم صحرائے اعظم افریقہ کے ہی ساحل پر پہنچے ہوں۔" قطبی نے کہا۔

"ہاں میں خود بھی اس موضوع پر سوچ چکا ہوں۔ اگر ہم صحرائے اعظم ہی پر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کا سفر ناکام نہیں رہا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" قطبی بولا۔

"بہرطور کرنا کیا ہے۔ اور اب ہم کتنی دیر چلیں گے اور کب تک یہ بے مقصد سفر کرتے رہیں گے۔" نیکلان بولا۔

"دیکھو۔ مسٹر نیکلان۔ اس سفر کو بے مقصد تو کہا نہیں جا سکتا۔ اگر حالات ہمارا ساتھ دیتے تو ہم اس منزل تک پہنچ جاتے لیکن کسی بھی مہم میں اس قسم کے واقعات تو متوقع ہوتے ہی ہیں اب تو تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا آپ اپنے نقشوں کے ذریعے اس جگہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے ۔۔۔ مسٹر ۔۔۔؟" فرازی نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں ۔۔۔ اگر ہم اپنی منزل کی جانب سیدھے روانہ ہوتے تو میں یقین کر سکتا تھا کہ ہمیں کون سی سمتوں میں سفر کرنا ہے۔ نقشے آپ کے سامنے موجود ہیں اگر آپ چاہیں تو ان پر غور کر سکتے ہیں۔ ہمیں تو یہاں ابھی تک کوئی ایسی علامت نہیں ملی جس سے ہم اس جگہ کو متعین کر سکیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بات معقول ہے۔" قطبی نے کہا۔

"ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ تقدیر بھی کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ جو کچھ ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ وہ تو ہو کر رہے گا۔"

"میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ مسٹر قطبی ۔۔۔ اور شاید سلمان



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس بات پر بہت زیادہ بھروسہ رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے ابھی تک
نکالی نہیں کی ـــــ" میں نے سلطان کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے
کہا۔ "بے خطر شکاری لوگوں کو کبھی شبہ نہ ہو جائے سلطان کی مدد کر
رہا ہو ورنہ وہ ان لوگوں کے بیچ شیر کا شکار بن سکتی تھی۔" میں نے
یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ سلطان کو بھی ان شکاری لوگوں کے ساتھ شریک
رہنا ہے اور ان سے وقت سے پہلے کا مسئلہ پیدا نہ کرے ورنہ حالات بگڑ جائیں گے۔

نے مقصد میں وہ پورے ہو سکتے تھے۔ رات آرام کے لئے ہی تھی۔ کب تک نیند
کرتے رہتے۔ نیند آ گئی تو سو گئے۔ دو بجے جاگ رہے تھے اور پھر
اسی وقت آنکھ کھلی جب بندوق کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ میں
ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میرے ساتھ تمام ہی لوگ جاگ گئے تھے۔ ایک سیاہ
فام نوجوان نے گولی چلائی تھی۔ ہم سب اس کے قریب پہنچ گئے۔
"کیا ہوا ـــــ؟ کیا بات ہے ـــــ؟" میں نے سوال کیا۔
"وہ ادھر اس چٹان کے پیچھے مجھے کوئی درندہ چھپا ہوا نظر آیا تھا"
ـــــ سیاہ فام نوجوان نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"اور تم نے اس پر گولی چلا دی ـــــ؟"
"ہاں، مجھے ڈر تھا ـــــ" سیاہ فام نوجوان نے کہا۔
"آؤ چل کر دیکھیں ـــــ کہیں کوئی نقصان ہی نہ ہو ـــــ" میں
نے کہا۔ چند افراد کو ہم نے یہاں چھوڑ دیا۔ باقی سب بندوقیں سنبھال
کر اس نوجوان کے ساتھ چل پڑے جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ
نوجوان پہلی بار چوکنا تھا۔ رائفل کے ٹرائیگر پر اس کی انگلی رکی ہوئی
تھی۔ صبح ہونے میں ابھی دیر تھی۔ چند لمحات کے بعد ہم
اس چٹان کے نزدیک پہنچ گئے جہاں نوجوان نے کسی درندے کو ہوتے
دیکھا تھا ـــــ!

وہ درندہ نہیں بلکہ ایک انسان تھا۔ اس کے جسم پر کپڑے بوسیدہ ہو چکے تھے۔ چٹان کے
عقب میں ایک جگہ وہ زمین پر بیٹھا تھا۔ ستاروں کی مدھم
روشنی میں اس کا چہرہ نمایاں تھا۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی
اور وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اس نے زخم کو ہاتھ سے دبا رکھا تھا۔
وہ تنہا تھا۔ ہم سب اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ یہ شخص

مہذب دنیا کا باشندہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ بیکن عجیب و غریب انداز
میں اس کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ بدن
پر کپڑے برائے نام تھے اور وہ میلا اور خستہ حال معلوم
ہوتا تھا۔

گولی نے اس کا بازو زخمی کر دیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ دوسری
طرف کوئی خطرہ نہ تھا۔ میں نے جلدی سے ایک کپڑا نکالا اور اس
کے زخم پر رکھنے کے لئے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ دوسرے
لوگوں نے رائفلیں نیچی کر لیں۔ جیکر یہ شخص کون تھا؟

کرنے کی کوشش کر رہا تاکہ خون بہنا رک سکے۔ میں نے
اس بات کی پروا نہیں کی اور چند لمحات کے بعد میں نے
اس کے زخم پر رومال کس کر باندھ دیا۔ وہ زخم آلود نگاہوں سے مجھے
دیکھ رہا تھا اور اس کے حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں۔
"کون ہو تم؟" اس کام سے فارغ ہو کر میں نے اسے
گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور پھر
انتہائی نحیف انداز میں بولا۔
"مجھے سہارا دو۔ شاید..." اس کی زبان انگریزی تھی لہجہ بھی درست
تھا۔ یقینی طور پر وہ کوئی تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی تھا۔ شاید
میں نے اپنی مدد کے لئے پاس ہی کپڑا باندھا تھا۔ اور اس
کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔
نیکان، فرازی، سلطان اور میں اس کے گرد بیٹھ گئے
تھے۔
"ہمیں بہت افسوس ہے کہ تم ہمارے ایک آدمی کی گولی سے
زخمی ہو گئے۔ مگر تم کون ہو؟ یہاں ان حالات میں اور اس حال میں
کیا کر رہے ہو؟"
"مجھے اپنی بے بسی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن اب تم آ گئے ہو تو
براہ کرم کوئی کپڑا میرے بدن پر بھی ڈال دو۔" اس نے درد
بھرے لہجے میں کہا اور نیکان نے جلدی سے اپنی قمیض اتار کر اس
کے بدن کے نچلے حصے پر ڈال دی۔
"شکریہ۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔
"تمہارے زخم کی کیا کیفیت ہے؟ ویسے گولی ہڈی میں
گھسی نہیں ہے۔ بلکہ اسے رگڑتی ہوئی باہر نکل گئی ہے۔"
"شاید۔ لیکن مجھے سخت تکلیف محسوس ہو رہی ہے بہر
حال تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنی ہمدردی کا ثبوت تو دیا۔ یقینی طور
پر تم نے مجھے کوئی جانور سمجھ کر گولی چلائی ہو گی۔" اس نے
سسکتے لہجے میں کہا۔
"ہاں بس یہ غلطی ہو گئی ہمیں بہت افسوس ہے۔ فی الحال میرا
خیال ہے۔ انہیں اٹھا کر اس جگہ لے چلو۔ جہاں ہمارا ساز و
سامان رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نیکان اس سلسلے میں اس کی مدد
کر سکیں گے۔"
"ان کی کیا ضرورت۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" نیکان
نے کہا اور ہم اسے بازوؤں میں سنبھالے ہوئے وہاں سے
آئے جہاں ہمارا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ نیکان نے پہلے
اپنا عمل شروع کر دیا۔ اس کے زخم پر کچھ دوائیں لگا کر باقاعدہ
بینڈیج کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد نیکان نے اسے ایک



انجکشن دیا جس سے اس کے بازو کی تکلیف کم ہو سکتی تھی۔
اور تھوڑی دیر کے بعد شاید اسے درد میں کچھ سکون محسوس
ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔ ہم سب
نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر میں نے پوچھا۔
"تمہارے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے
تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی؟" میں نے اس سے سوال
کیا۔
"نہیں۔ کیا تمہارے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہو گی؟"
اس نے پوچھا۔
"ہاں کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ سلطان نے
جلدی سے چند بسکٹ نکالے اور اس کے بعد ان پر مکھن
وغیرہ لگا کر اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے جلدی
جلدی وہ تمام بسکٹ حلق میں ٹھونس لئے۔ پھر سلطان نے
اسے پانی پیش کیا اور وہ کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگا۔
پھر وہ سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں ہم سب کی طرف
اٹھیں۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے
کہا۔
"مجھے یقین ہے کہ تم لوگ بھی کسی لالچ ہی کے تحت میں
یہاں آئے ہو گے۔ سنا ہے ہاتھی دانت یا دوسرے خزانے جو
صحرائے اعظم کی زندگی سے منسوب سمجھے جاتے ہیں۔"
"تو کیا۔ تو کیا یہ افریقہ ہی کا کوئی جزیرہ ہے؟" نیکان
نے بے صبری سے سوال کیا۔
"جزیرہ؟" وہ تعجب سے بولا۔ "یہ جزیرہ تو نہیں ہے
بلکہ صحرائے اعظم کا ایک ساحل ہے۔"
"اوہ اوہ۔ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ گویا یہاں سے ہم
افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں؟"
"اندرونی علاقے۔" اس نے عجیب سی نگاہوں سے ہم لوگوں کو دیکھا
عجیب نگاہوں سے دیکھا۔ "یہ افریقہ کا اندرونی علاقہ ہی
ہے۔ میرے دوستو! نہ جانے تم کس تصور میں بھٹکے
ہوئے ہو۔"
"اچھا، اچھا، یقیناً ہو گا۔ ظاہر ہے تم اس کے بارے
میں بہتر طور پر جانتے ہو۔ لیکن تم یہاں کب سے ہو؟"
"کب سے۔ میرا خیال ہے مجھے یہاں ایک سال سے زیادہ
ہو گیا۔" اس نے جواب دیا۔
"تنہا۔" میں نے پوچھا۔
"ہاں تنہا۔ بالکل تنہا۔ یہ ویرانے بڑے خطرناک ہیں

اور کوئی نہیں جانتا۔ یہاں کوئی جاندار نہیں ہے دور دور
تک نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"پھر تم زندگی کس طرح گزارتے ہو؟" میں نے
پوچھا۔
"قدرت نے ساحل سمندر پر ہمارے لئے غذا کا
بندوبست کر دیا ہے۔ لیکن ہم یہاں سے باہر نہیں جا سکتے۔ چٹانوں
کے درمیان چھوٹے چھوٹے رخنوں میں مچھلیاں آ پھنستی ہیں اور
وہی ہماری زندگی کا باعث بنتی ہیں۔ جب تک زندگی ہے جی
رہے ہیں اور جس دن موت آ جائے گی۔ وہ دن ہماری نجات
کا دن ہو گا۔" اور یہ الفاظ اس نے مایوسی کے لہجے میں کہے۔
"تم تندرست و توانا ہو۔ اس قسم کی باتیں اچھی نہیں
ہوتیں۔ اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ گے یہاں کیسے آ پہنچے؟"
"کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ میں ریکر نامی جہاز میں
سیکنڈ آفیسر تھا۔ جہاز تباہ ہو گیا۔ آگ لگ گئی تھی اس میں
بہت سے لوگوں نے زندگی بچانے کے لئے سمندر میں
چھلانگیں لگا دیں۔ میں بھی انہیں میں سے ایک تھا اور مجھے
زندگی لہروں کے دوش پر گھسیٹتی ہوئی یہاں تک لے آئی۔
اس تنہا اور ویران علاقے میں میں نے زندہ رہنے کی
جدوجہد شروع کر دی۔ یہاں سے نکلنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن
آگے کا ماحول خوفناک ہے۔ عظیم الشان دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں
جو زندہ چیزوں کو ہڑپ کر جانے کے انتظار میں
آنکھیں پھیلائے رہتی ہیں۔ خوفناک جنگل ہیں جن میں وحشی
درندے بستے ہیں۔ ان جنگلوں کو عبور کرنا ناممکن ہے۔ بائیں
سمت کے دلدلی خطے کو چھوڑ کر دائیں سمت سفر کیا جائے
تو خوفناک درندے منتظر رہتے ہیں اور دائیں سمت چھوڑ کر
بائیں سمت سفر کرو تو ان خوفناک دلدلوں میں پھنسے ہوئے
کیڑوں سے گزرنا ناممکن ہے۔ کئی بار جی چاہا کہ خوفناک
دلدلوں میں کود کر جان دے دوں۔ لیکن زندگی بڑی پیاری
چیز ہوتی ہے۔ میں یہ نہ کر سکا اور بالآخر ان ساحلوں پر
آ گیا۔ یہاں زندگی گزار رہا ہوں۔ موت کے انتظار میں۔"

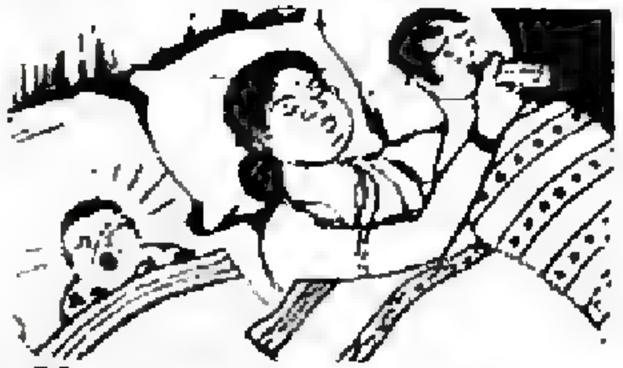



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اوہ۔ بڑی ہولناک کہانی ہے تمہاری۔ خاص طور سے تمہاری نسوانی۔ یقینی طور پر تمہارا ان دیہاتوں میں زندگی گزارنا موت سے بھی بدتر ہوگا۔ لیکن تم نے یہاں سے نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کی؟"

"میں نے کہا نا۔ چاروں اطراف میں ایک سمت سمندر کی اور دوسری سمت جنگلوں کی اور دلدلوں کی۔ ہر طرف موت ہی موت ہے۔ بس اس کا منتظر تھا کہ اگر زندگی باقی ہے اور مقدر میں رہائی لکھی ہوئی ہے۔ تو ممکن ہے کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف آ جائے۔"

"یہ بانس اور اس میں سرخ کپڑا تم ہی نے لگایا ہے؟"

"ہاں۔ یہ میری ہی کوشش تھی۔ پہلے یہ بانس اور یہ کپڑا سمندر کے کنارے لگا ہوا تھا۔ لیکن پھر ہوا یوں کہ اسے کئی بار سمندر بہا لے جا چکا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے وہاں سے ہٹا کر یہاں اس جگہ لگایا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ کوئی کبھی اس طرف آ جائے گا۔ لیکن خیر تم یہ بتاؤ کہ تم زندہ سلامت یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔ یہ چٹانیں تو بہت ہولناک ہیں۔ بہت سی کشتیاں اور سمندری جہاز ان سے بچ کر یہاں آ پہنچیں۔ ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ سمندری طوفان ان کشتیوں کو بہا کے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔ اور اس میں سوار آدمی زندہ نہیں بچتے ہیں۔"

"ہم نے چند کشتیاں ان چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں۔ یہ آخر کس طرح؟"

"تم کیا سمجھتے ہو۔ سمندر کا پانی مخصوص دنوں میں ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے۔ اور اس ریتلی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ کشتیاں بہ آسانی ان چٹانوں کے اوپر سے گزر کر یہاں تک آ جاتی ہیں۔"

"خدا کی پناہ۔ اتنی بلندیاں؟"

"ہاں بہت دور دور تک سمندری پانی ہوتا ہے۔ یہ جگہ جہاں تم اس وقت بیٹھے ہو۔ بعض اوقات پانی سے بھر جاتی ہے۔" اس نے جواب دیا اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سمندری لہروں کا یہ خوفناک کھیل ہمارے لئے بہت تعجب خیز تھا۔ کیونکہ وہ چٹانیں بہت ہی بلند تھیں۔ بہر طور یہ شخص کئی سال رہ چکا ہے اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا۔ ہمیں اس سے کافی ہمدردی ہوئی۔ میجر قطبی نے کہا۔



بہر طور یہ شخص تو یہاں رہ چکا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا۔ ہمیں اس سے کافی ہمدردی محسوس ہوئی۔ میجر قطبی نے کہا۔

"میرا خیال ہے مسٹر فرازی۔ آپ کا لباس ان صاحب کے بدن پر آ سکتا ہے۔ آپ انہیں کوئی لباس دے دیں۔"

"ضرور۔" فرازی نے جواب دیا اور لباس نکالنے کے لئے چل پڑا۔ میجر سلیمان نے اس سے سوال کیا۔

"ویسے آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"پرتگال سے۔ میرا نام ڈنگارو ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔" سلیمان پرخیال انداز میں اسے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ فرازی نے اپنا ایک لباس اسے پیش کر دیا۔

"تم یہ لباس پہن لو۔" فرازی نے کہا۔ وہ لباس کو دیکھ کر ہنسا اور پھر کہنے لگا۔

"مجھے صرف اپنے بدن کے لئے کوئی کپڑا درکار ہے۔ یقین کرو لباس پہننے کی عادت ہی ختم ہو گئی ہے۔"

"تو یہ پتلون پہن لو اور یہ جیکٹ۔" فرازی نے جواب دیا اور اس نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ بڑی بے تکلفی سے وہ سب کے سامنے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صرف ٹانگ کے زخم کی وجہ سے تھوڑی سی لنگڑاہٹ کا شکار تھا۔ ورنہ اس کے بدن میں اور کوئی کمزوری نظر نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی جو کیفیت تھی۔ وہ اب دور ہو گئی تھی۔

پتلون کا پائنچہ اس کے زخم سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے اعضاء کو متحرک کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ یہاں تک کس طرح پہنچے؟"

"وہی کہانی ہماری بھی ہے جو تمہاری ہے۔ ہمارا جہاز بھی تباہ ہو گیا تھا۔ ایک بڑی لانچ سے ہم سمندر میں سفر کرنے لگے۔ لیکن سمندری طوفان نے ہماری لانچ کو ان علاقوں میں لا پھینکا اور وہ بہر طور ان چٹانوں تک پہنچ گئی۔ ہم نے لانچ کو خالی دور چھوڑ دی اور تیر کر ان چٹانوں تک پہنچے ورنہ لانچ چٹانوں سے ٹکرا بھی سکتی تھی۔"

"خوش قسمتی۔ اور اس کے بعد تمہارے اعضاء فضا میں بکھرے پڑے ہوتے۔ میں اپنی آنکھوں سے ایسے کچھ مناظر دیکھ چکا ہوں۔" ڈنگارو نے بتایا۔

"مسٹر ڈنگارو کیا آپ ہمیں ان جنگلوں تک لے جا سکتے ہیں جہاں سے آگے کا راستہ ہے۔ دلدلوں کی سمت تو آگے سفر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب چونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان جنگلوں سے گزر سکتے ہیں۔" ڈنگارو پرخیال نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"ہاں تم لوگ کم از کم مسلح ہو اور کسی خطرے سے نمٹ سکتے ہو۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جہاز کی تباہی کے بعد فرار ہوتے ہوئے بھی تم اچھا خاصا ایمونیشن ساتھ لے آئے ہو؟" اس نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔ درحقیقت اس سوال کا فوری طور پر کوئی موزوں جواب نہیں تھا۔ لیکن قطبی جلدی سے بولا۔

"ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں ایک مہم کے لئے نکلے تھے۔ اور پوری طرح چاق و چوبند تھے۔ ہمارا پروگرام یہی تھا کہ افریقہ کے کسی ساحل پر نکلیں اور پھر وہاں سے اندرونی علاقوں میں داخل ہوں۔ ہمارے پاس اسی مقصد کے لئے یہ ایمونیشن موجود تھا جو ہم نے جان بچاتے ہوئے بھی جان سے زیادہ قیمتی رکھا اور اسے لئے ہوئے ہی لانچ پر اتر گئے۔" ڈنگارو عجیب سی نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے ہماری بات پر یقین نہیں آیا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ظاہر ہے کہ افریقہ میں داخل ہونے کی وجہ یہاں کی روایات ہی ہوں گی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہاں اگر تم لوگ میرا بوجھ برداشت کرنا پسند کرو۔ تو میں تمہیں ان جنگلوں کی سمت لے جاؤں گا۔ اور اگر تم زندہ بچ کر نکل گئے تو شاید میری بھی جان بچ جائے۔ ورنہ میں تو یہاں ان چٹانوں میں، پہاڑوں میں موت کا انتظار کر رہا تھا!"

"بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہارا پورا پورا خیال رکھیں گے۔" میں نے کہا اور وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ کتنے عرصے کے بعد میں نے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھا ہے۔ کس عجائبات کی ہے ورنہ یقین کرو میں تو اپنی زبان بھی بھولتا جا رہا تھا۔" ہمیں اس کی کیفیت کا احساس تھا۔ بہر طور ہم نے اسے سونے کے لئے کہا اور پھر ہم خود بھی لیٹ گئے۔ اس شخص کے مل جانے سے وہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ جو ہمارے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہاں سے افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخلہ بہت ہی مشکل ہے۔ تاہم مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہی تو ہم نے یہ سفر کیا تھا۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہم نیم غنودگی سے ہمکنار ہوگئے تھے لیکن سلمان جاگ رہا تھا۔ دوسرے دو جوان خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہاں اس آدمی کی موجودگی اور اس کی سنائی ہوئی کہانی کے بعد پہرے کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ پہرہ دیا جائے گا اس لئے پہلے دو مزدوروں کی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد دوسرے دو مزدوروں نے خود بخود اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

سلمان کھسکتا ہوا بالکل میرے نزدیک پہنچ گیا اور بولا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں چچا جان کہ آپ جاگ رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے ان حالات میں پرسکون نیند تو مشکل ہی سے آسکتی ہے یا پھر اس وقت جب ہم تھکن سے چور ہوگئے ہوں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"خود تمہاری کیا کیفیت ہے؟" میں نے پوچھا

"چچا جان میں بہت مطمئن ہوں۔ کوئی الجھن یا پریشانی کی بات نہیں۔ دیکھئے ایک بات عرض کروں آپ سے؟" سلمان بولا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"یہ شخص مجھے مشکوک نظر آتا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون؟" میں نے چونک کر پوچھا

"یہی ڈیگارو۔"

"کیسے؟"

"اس کی وہ کیفیت نہیں ہے جو ہونی چاہئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی بھی غلطی سے اس ویرانے میں آ جائے تو کیسے بحال رہ سکتی ہیں۔ آدمی تنہائی سے پاگل ہو جائے۔ لیکن یہ شخص ہوش و حواس میں ہے۔"

"ممکن ہے وہ بہت زیادہ مضبوط قوت ارادی کا مالک ہو ممکن ہے وہ جیسے آپ ہی نام پایا جاتا ہو۔" میں نے کہا

"ٹھیک ہے میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ لوگ زبردست قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں لیکن ہے حد مشکل ہے۔ تاہم جب تک یہ ہمارے لئے خطرناک ثابت نہ ہو ہم بلاوجہ اس کے چکر میں کیوں پڑیں۔" سلمان نے خود ہی بات ختم کر دی۔

"خدا کس طرح ثابت ہوگا، سلمان! ایک تنہا آدمی

"بھلا ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟" میں نے کہا اور سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لیٹا ہوا آسمان کو گھورتا رہا۔

"اس کے علاوہ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ لیکن اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا تو میں بھی خاموش ہو گیا۔ پھر خود وہ نوجوان تھا۔ اس کے ذہن میں بہت ساری باتیں آسکتی تھیں۔ ہو سکتا ہے جو کچھ اس نے سوچا تھا ایک طرح سے مناسب تھا۔ لیکن بظاہر مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ میں بھی سو گیا۔

اور دوسری صبح جب ہم جاگے تو سورج ہمارے سروں پر چمک رہا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ ڈیگارو بھی جاگ رہا تھا اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس سے خیریت پوچھی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"سفر کے لئے تیار ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں میں ایک مضبوط آدمی ہوں۔ خاص طور سے ان چٹانوں کے درمیان زندگی بسر کرتے کرتے تکلیف کا احساس میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔ اگر تم لوگ تھوڑی سی عنایت کرو تو چھڑی یا کسی قسم کی چیز مجھے دے دو۔ تاکہ میں اس کے سہارے چل سکوں۔"

"اگر تمہیں کوئی دقت ہے چلنے میں تو ہم تمہیں ایک اسٹریچر پر ڈال لیں گے ہمارے پاس اس کا بندوبست بھی موجود ہے۔"

"ارے نہیں نہیں اب میں اتنا نکما بھی نہیں ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ شکل و صورت سے وہ خاصا وحشی نظر آتا تھا۔ لیکن اس کا انداز گفتگو خاصا نرم تھا اس کے وحشی نظر آنے کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ ایک طویل عرصہ ان چٹانوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ اور اس کے اندر سے انسانی صفات ختم ہو گئی تھیں۔ لیکن اپنے جیسے انسانوں کے درمیان آکر اس نے پھر سے اپنی یادداشتیں بحال کر لی تھیں۔

ہلکا پھلکا سا ناشتہ ہوا اور اس کے بعد سفر شروع ہو گیا۔ ڈیگارو کو تعلیم نے سہارا دیا ہوا تھا اور ہم نے اسے ایک بیساکھی بھی مہیا کر دی تھی۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔



بالکل سیدھے چلتے ہوئے ایک ہلکی سی ڈھلان شروع ہوئی اس کے اندر بیساکھی تھی۔ لیکن اس کی چال میں کسی قسم کی گڑبڑ یا نشان کے آثار نہیں تھے اور وہ ہماری ہی رفتار سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا۔

سفر جاری رہا۔ راستے میں ڈیگارو نے بتایا کہ یہ جگہ بلندی پر ہے لیکن بلندی اور ڈھلان اس طرح کی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ سیدھا راستہ دور تک چلا گیا ہے لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ڈھلان شروع ہو جاتے ہیں اور ان ڈھلانوں میں ہی دلدلیں اور جنگل بکھرے ہوتے ہیں۔

سورج کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سفر ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے اور یہی ہوا بھی۔

سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی لیکن ہم اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب سمندر کا نام و نشان تک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی آواز بھی ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی غالباً ہم نے آٹھ یا دس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا پھر جس وقت شام ہوئی تو ہم نے ان بلندیوں کے ڈھلان دیکھے۔

یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں تھے اور ان کی دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ بائیں سمت کافی دور چلنے کے بعد سپاٹ سے میدان تھے۔ جہاں ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

یقیناً یہ دلدلیں تھیں اور دھواں چھوڑتی ہوئی دلدلیں جس قدر خوفناک ہوتی ہیں ان کا تصور بھی انسان کے لئے بہت مشکل ہے۔ ان دلدلوں کے نیچے آتش فشاں ہوتے ہیں اور بعض جگہ پر اس قدر کھولتی ہوئی ہوتی ہیں کہ کوئی بھی جاندار اگر اس میں گر پڑے تو جھلس کر رہ جائے بہرطور ہمیں دلدلوں کا رخ اختیار کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

جنگل گھنے ضرور تھے لیکن ہماری تعداد اتنی تھی کہ ان گھنے جنگلوں میں ہم اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہوئے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ سفر ہمیں مشکل نہ محسوس ہوا۔ البتہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رات کو ہم یہیں قیام کریں گے اور کل دن کی روشنی میں ان ڈھلانوں کو عبور کر کے جنگل میں داخل ہوں گے چنانچہ بہتر جگہ کا انتخاب ہونے لگا۔

یہاں دور دور تک ویسی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آرہے تھے۔ لیکن بہرصورت کہیں کہیں کھوکھلی جگہیں محسوس ہوتی تھیں۔

ہم نے ایک سطح سا گول میدان منتخب کر لیا اور اس میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آج ہمارے پاس جلانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی لیکن اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ البتہ یہ احساس دل میں ضرور تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آ سکتے ہیں۔ ڈیگارو سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا۔ تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس جنگل میں درندے موجود ہیں لیکن وہ ان ڈھلانوں کو عبور کر کے کبھی چٹانوں تک نہیں آتے۔ آج تک میں نے کسی بھی درندے کو ادھر آتے نہیں دیکھا۔"

"اس کی وجہ؟"

"خدا جانے۔ میں نہیں کہہ سکتا لیکن کوئی درندہ جنگل کو عبور کر کے ادھر تک نہیں آیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں اسے کسی جاندار کی موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہوگا۔" ڈیگارو نے جواب دیا۔

"شاید یہی بات تمہیں بھی محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈیگارو بھی مسکرانے لگا۔

"پتہ نہیں کون سی بات مجھے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

ہم لوگ آرام کرنے لگے۔ پہرے پر موجود دونوں افراد مستعد تھے۔ حسب معمول یہی طے کیا گیا تھا کہ دو گھنٹے کے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جائے گی۔ پھر وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب ایک تیز چیخ فضا میں لہرائی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔

آخری رات کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی نے ماحول کو منور کر رکھا تھا چند لمحات تو چیخ کی وجہ میری سمجھ میں نہ آسکی۔ لیکن اس کے بعد یہ احساس بھی میرے ذہن سے زائل نہ ہوا کہ میں نے کوئی آواز سنی ہے۔ دونوں کہنیاں زمین پر ٹکا کر میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی مجھے نظر نہ آئی۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ ممکن ہے یہ میری سماعت کا دھوکہ ہو۔ میں نے سوچا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

لیکن لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اور دوبارہ ذہن نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر عجیب وحشیانہ سی چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں اچھل گیا۔ لیکن اس وقت



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری گدی سے ایک ٹھنڈی چیز آ لگی۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ڈنگارو تھا جس کی بغل میں اس وقت بیساکھی نہیں تھی۔ وہ پورے اطمینان سے تنا ہوا کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگ کا زخم اچانک ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال میری گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔

میں نے ہوش و حواس قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ منظر ناقابل یقین تھا، لیکن اطراف میں دوسرے ناقابل یقین منظر بھی بکھرے ہوئے تھے۔

وہ تقریباً بارہ تیرہ افراد تھے۔ جو ڈنگارو ہی کی طرح بالکل ننگے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ سب کے سب سوتے ہوئے لوگوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اور سونے والے غالباً ان کی ٹھوکروں سے آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ درحقیقت یہ منظر خواب سا محسوس ہوتا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی موجودگی کیسے ممکن تھی۔ اس ویرانے میں ڈنگارو کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ سب ڈنگارو ہی کی نسل کے آدمی معلوم ہوتے۔ میرے عین سامنے جو شخص رائفل تانے کھڑا ہوا تھا، اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری پلکیں جھپک گئیں۔

یہ کوئی عورت تھی، لباس سے بے نیاز، اپنے آپ سے بے نیاز وحشت خیزی کا جیتا جاگتا نمونہ۔ بڑے عجیب سے انداز میں وہ کھڑی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر ذہن پر قابو پانا خاصا مشکل ہو جائے۔ لیکن اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی، وہ تو رائفل کی نال سے فرازی کے سینے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ فرازی بھی خوفزدہ سا ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہم مشرورہ بھی ان کی رائفلوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور وہ دو، جو پہرہ دے رہے تھے سب بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ان پر حملہ کر کے انہیں یا تو ہلاک یا پھر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ ورنہ وہ چیخ کی آواز تو کسی نہ کسی کی ہوتی، اور یہ رائفلیں ہمارے علاوہ کسی اور کی نہیں تھیں۔ ہمارے پستول بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ گویا وہ ہم سب پر قابو پا چکے تھے لیکن کیسے؟ آخر کیسے؟ اس ناقابل یقین منظر پر کیسے یقین کیا جا سکتا تھا۔ ننگا ڈنگارو، اور پھر اس کی کہانی اور اس کے بعد یہ سب کے سب۔

ہوش و حواس پوری طرح جاگ اٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کافی تعداد عورتوں کی بھی تھی۔ تقریباً دس گیارہ مرد تھے اور سات آٹھ عورتیں۔ مرد ان چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر آگے آ گئے تھے۔ لیکن اب بھی منظر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ دوست، کھڑے ہو جاؤ۔" ڈنگارو کی آواز ابھری۔ اس نے میری گردن پر بندوق سے ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور کھڑا ہو گیا۔ ڈنگارو ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" "اس کے بارے میں تمہیں تفصیل خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو سمجھا دو کہ اگر زندگی کھونا نہ چاہیں تو کوئی جدوجہد کرنے کی کوشش نہ کریں۔" میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تھا۔ ڈنگارو کی بات سب ہی نے سن لی تھی۔ اور مجھے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سب ہی میری طرح حیرت کا شکار تھے، یہاں تک کہ اس وقت سلمان بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہر چند کہ اس کے چہرے پر خوف کا تاثر تک نہ تھا۔ لیکن حیرت تو بہر حال اسے بھی تھی۔ جب ان لوگوں نے پوری طرح سے ہم پر قابو پا لیا تو انہوں نے دوسرا عمل کیا۔

یعنی رسیوں کے وہ ٹکڑے جو ہمارے پاس موجود تھے لے کر ہمارے ہاتھ پشت پر کس دیے گئے۔ ہاتھوں کی بندشیں اتنی سخت اور وحشیانہ سی تھیں کہ ہم جنبش بھی نہ کر سکے اور پھر ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے خنجر تھے جن سے انہوں نے رسیاں کاٹ لیں اور اس طرح ہم سب کو قید کر دیا گیا۔ وہ ان دونوں مشروروں کو بھی گھسیٹ کر اس جگہ لے آئے تھے جو تھوڑے فاصلے پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر زخمی تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے سروں کی پشت پر کوئی وزنی شے مار کر انہیں بے ہوش کیا گیا ہے۔ بہر طور ہم سب کسی آفت کا شکار ہو چکے تھے۔ اور یہ آفت کس طرح سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کا کوئی سرا ذہن میں آ ہی نہیں رہا تھا۔

ڈنگارو کی کہانی تو بڑی دلدوز تھی۔ لیکن یہ اس کے ساتھی کہاں سے آ نکلے۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ جھوٹ



بول رہا تھا۔ لیکن اس علاقے میں یہ مہذب وحشی کہاں سے آ گئے۔ ننگ دھڑنگ مرد اور ننگ دھڑنگ عورتوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا۔ اگر ڈنگارو نے باقاعدہ انگریزی زبان میں گفتگو نہ کی ہوتی تو مجھے یقین نہ آتا کہ ان کا تعلق کسی طور مہذب دنیا سے ہے۔ لیکن پھر اس کے دوسرے ساتھی بھی انگریزی زبان سے واقف ہوں۔ لیکن یہ لوگ تھے آخر کون تھے!

میں سوچتا رہا۔ ان سب نے ہمیں ایک جگہ بٹھا لیا۔ اور ہمارے گرد رائفلیں لئے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ سلمان میرے قریب تھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نہیں تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم مسکرا رہے ہو سلمان؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں چچا جان۔" سلمان نے پرسکون اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں آخر کیوں؟" میں نے متعجب انداز میں پوچھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ مجھے یہ شخص مشکوک نظر آتا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں تم نے کہا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"بس چچا جان مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی کہانی پر یا پھر آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ تو تھیں جو میری رہنمائی کر رہی تھیں مجھے اور ہوشیار کر رہی تھیں کہ اس شخص سے ہوشیار رہو لیکن آپ سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں یہ بھی نہ کہہ سکا کہ سلمان، تم اس قسم کے شک و شبہات کا شکار تھا، تو وہ مجھ سے اس کا اظہار ہی نہ کرتا۔ بلکہ اس سلسلے میں کوئی عمل کرتا ممکن تھا کہ سلمان کے اس عمل کو ہم کوئی "احمقانہ اقدام" تصور کرتے۔

رات زیادہ باقی نہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ روشنی کی کرنیں نمودار ہوئیں تو ماحول ایک دم چمک پڑا!

وحشی عورتوں کے بال لمبے لمبے تھے۔ اور ان کی کمر تک پہنچ رہے تھے باقی بدن پر لباس نام کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ ان کے جسم گرد آلود تھے۔ وہ اس طرح آزادانہ طور پر چل پھر رہی تھیں جیسے احساس ہی نہ ہو کہ وہ عورت ہیں۔ ان کے چہروں پر بھی وحشت برس رہی تھی۔ دن کی روشنی میں یہ چہرے کچھ اور وحشیانہ محسوس ہونے لگے تھے۔ پھر ڈنگارو ہی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اٹھو، تمہیں ڈھلانوں کا سفر کرنا ہے۔۔"

"جو کچھ تم کہو گے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے ڈنگارو۔ لیکن ہم نے تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا۔ کیا اس کے عوض تم اپنے بارے میں ہمیں تفصیل بھی نہیں بتاؤ گے!"

"بہت بے چین ہو تفصیل جاننے کے لئے۔ تھوڑا سا سفر طے کر لو اس کے بعد تمہیں تمام تفصیلات پتہ چل جائیں گی۔" ڈنگارو نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور رائفل سے ہمیں اشارہ کیا۔

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم نیچے کی طرف سفر کریں۔ ان سب نے ہمارا سامان اٹھا لیا تھا۔ ہمیں ایک ہی جگہ رکھا گیا تھا اور وہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے لیکن ہم ان ڈھلانوں پر سفر کرنے لگے۔ جن کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں انہیں عبور کریں گے اور پھر جنگلوں میں داخل ہوں گے۔

ڈھلانوں کو عبور کرنے میں کوئی زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ وہ ایسے تھے کہ ان پر قدم جما کر چلا جا سکتا تھا۔ اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے اختتام تک جا پہنچے۔

یہ ڈھلان کہیں کہیں کٹاؤ کی شکل میں بھی تھے۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ہم نے ایک بہت بڑا سا چوکور سوراخ دیکھا، جو یقیناً انسانی ہاتھوں سے تراشا گیا تھا۔

اس سوراخ کے سامنے ڈنگارو نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم رک گئے۔ ڈنگارو مسکرا کر اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ اس سوراخ کے دوسری طرف ایک کشادہ غار ہے اور ہم لوگ اسی غار میں محفوظ رہتے ہیں۔ تم لوگ بیٹھ جاؤ، چونکہ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔" اس نے کہا اور ہمیں وہیں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے پاس بٹھا دیا گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ غار میں داخل ہوئے اور لمبے لمبے کھونٹے نکال لائے۔ جو لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ کھونٹے زمین میں گاڑ دیے۔ ان لوگوں کے پاس اس قسم کا خاصا ساز و سامان معلوم ہوتا تھا۔

کھونٹے گاڑنے کے بعد انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کھونٹوں سے باندھ دیں۔ گویا ہم جانوروں کی طرح باندھ دیئے گئے تھے۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی ضرورت نہیں تھی، ہم سمندر کے راستے فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس طرف سمندری جہاز کبھی نہیں آتے، ہم جنگلوں کی سمت جا نہیں سکتے تھے کیونکہ اس طرف بھی ہمیں راستہ نہیں ملتا۔ اور دلدل زدہ سی ہماری زندگی کی تو ان ہی تھی جب ہم ایسی وحشیانہ زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہو گئے تھے تو پھر ہم انسانی اقدار کے پابند کیوں رہتے، ہمارے ہاں ہر عورت سب کی عورت ہے، ہر مرد ہر عورت کا مرد ہے۔ یہ عورتیں بچے جنتی ہیں، اپنے بڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے، ہاں وہ ضرور تمہیں پوری کی [illegible] ہوتی ہیں اور اس طرح ہم یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خوراک کے لئے ہم بہت زیادہ پریشان تھے، پھر جب ہم نے اپنے کاندھوں سے انسانی اقدار کا جوا اتار کر پھینک دیا تو پھر کچھ اور تبدیلیاں بھی ہم نے اپنے اندر پیدا کیں۔

مثلاً سب سے پہلی کارروائی ان ہی سیاہ فام وحشیوں کی تھی جو جنگلوں سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے، ہم نے سب سے پہلے سیاہ فاموں کا گوشت کھایا تو ہمیں اپنے بدن میں ایک خوشگوار توانائی محسوس ہوئی اور اس کے بعد سے ہمیں انسانی گوشت اور گرفت کا چسکا لگ گیا۔ چنانچہ اکثر یہاں ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سیاہ فام وحشی بھٹک کر یہاں آ نکلتے ہیں اور ہم بڑی چالاکی سے ان کا شکار کرتے ہیں یوں ہمارے لئے بہترین غذا مہیا ہو جاتی ہے۔ ہماری تعداد یہاں زیادہ نہیں رہی، زیادہ سے زیادہ چالیس یا پینتالیس افراد ہوں گے جن میں تقریباً ستو عورتیں ہیں اور باقی مرد۔ ہاں بچے بھی ہیں ہمارے پیدا، جو بچے جوان ہو کر ہماری جگہ لے لیں گے، ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی یہاں سے باہر نہیں نکل سکے گا اور ایک دن شاید اس قبیلے کا آخری فرد بھی ختم ہو جائے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ بچے پیدا ہونے کی تعداد زیادہ ہو جائے اور یہ قبیلہ پروان چڑھتا جائے۔

بہرطور ہم یہ سب اب اتنے ہی افراد باقی رہ گئے ہیں، اب جب ہم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کی لاش ضائع نہیں کرتے بلکہ کھا جاتے ہیں اور اکثر سمندر کے راستے سے بھی کبھی کبھی بھٹکے ہوئے لوگ اس طرف آ نکلتے ہیں جنہیں ہم اپنے لئے تحفہ سمجھتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں ان کو ڈھونڈنے میں [illegible] ہو جاتی ہیں اور ہمارے لئے غذا مہیا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اب ہمیں غذا کی قلت نہیں ہے، انسانی گوشت ہمارے لئے مرغوب ترین غذا ہے اور ہم اس کے شدید خواہش مند رہتے ہیں۔" ڈنگارو کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور چہرے کا رنگ [illegible] بھیڑیوں سی تھیں۔

"ہم آدم خور [illegible] کے [illegible] میں [illegible] تھے، یہ وحشی آدم خور بھی [illegible] سے تعلق رکھتے تھے، جو شخص ان سیاہ فاموں سے زیادہ [illegible]

ثابت کر رہے تھے جو جنگلوں میں آباد ہوتے ہیں اور جنہیں آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے۔"

میں سہمی ہوئی نگاہوں سے ڈنگارو کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ میری کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا، پھر میں نے اس سے کہا۔

"ڈنگارو! تم نے یہ سرخ کپڑا کیوں باندھ رکھا ہے، یہ یہاں؟"

"جہازوں کے لئے نہیں، جہازوں کے لئے اگر یہ نشان باندھا جاتا تو وہ ساحل پر ہوتا، یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو بھٹک کر اس طرف نکل آتے ہیں، وہ سرخ کپڑا دیکھ کر اس طرف چل پڑتے ہیں۔ اس طرح ہم لوگوں کو شکار کرنے کے لئے طویل سفر نہیں کرنا پڑتا۔ چٹانوں کا سفر بے حد دشوار کن ہے، اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہو چکا ہو گا۔" ڈنگارو نے جواب دیا۔ وہ مدھم لہجے میں گفتگو کر رہا تھا اور شاید یہی اس کے الفاظ کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچ رہے ہوں۔

میں نے سوچا کہ یہی اچھا ہے، کم از کم دوسرے لوگ اس ہیبت کا شکار نہیں ہوں گے کیونکہ خوف کا شکار ہونے کے بعد تمام صعوبتیں ختم ہو جاتی ہیں اور میں کسی بھی طرح بے بسی کی موت قبول نہیں کر سکتا تھا اور آخری دم تک جدوجہد جاری رکھنے کا خواہش مند تھا ہر چند کہ میں کمزوری اس قدر طاقتور اعلیٰ کارکردگی کے مالک نہیں رہے تھے جس طرح کہ کبھی تھے لیکن اس کے باوجود زندگی چونکہ نہایت فراغت سے گزاری تھی اس لئے میرے بدن میں کافی طاقت تھی۔

چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد میں نے پھر ڈنگارو کو مخاطب کیا۔

"تمہارے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہے؟"

"تمہاری آمد سے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ہے، ہم میں سے بیشتر لوگ آتشیں اسلحہ کا استعمال جانتے ہیں۔ ہر چند کہ اتنا وقت ہو چکا ہے کہ اب وہ استعمال ہمارے ذہن میں نہیں رہا، لیکن جو نہیں جانتے انہیں تربیت دی جا سکتی ہے، تم جیسا کوئی آج تک ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکا، جس کے پاس اتنے ہتھیار موجود ہوں، لیکن اب یہ تمہارے ہتھیار ہمارے کام آئیں گے۔" اس نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"ڈنگارو! ہم بہت تھکے ہوئے ہیں، کیا تم ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہیں دے سکتے؟"

"سورج ڈھل جانے کے بعد تمہاری خوراک تمہارے سامنے رکھی جائے گی، انتظار کرو، ہمیں ان چیزوں سے اب زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے، بیچاری ہمیں تھکا دیتی ہیں اور یہ مزہ معلوم ہوتی ہیں، ہاں گوشت کی چاشنی انسانی گوشت جس قدر لذیذ ہوتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی [illegible]



[illegible] آ گیا۔ [illegible] کر اس غار میں داخل ہو گیا۔

میرا ذہن چکرا [illegible] [illegible]

[illegible]

جیسے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔

"سلطان!" میں نے مدھم آواز دی، "سلطان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔"

"تم اندازہ کر چکے ہو سلطان کہ ہم کیسے حالات کا شکار ہیں؟"

"اندازہ تو سب ہی کر چکے ہیں چچا جان، کوئی خاص بات؟" سلطان نے پوچھا۔

"ہاں [illegible] ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں [illegible] اور ان لوگوں میں [illegible] گے، کیا زندگی بچانے کے لئے جدوجہد نہیں کرو گے؟"

"یقیناً کرنی چاہئے چچا جان، لیکن اس کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دے رہا ہوں سلطان جو شاید کسی بھی حالت میں نہ دے سکتا لیکن اس وقت ہم سب کی زندگیاں ایسے ہولناک خطرے سے دوچار ہیں کہ اگر ہم نے انسانی غذا کو اپنی [illegible] تو پھر ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ [illegible] اور میں کئی عورتوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تمہاری طرف دیکھتے ہوئے دیکھ چکا ہوں سلطان، اس وقت اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہے کہ تم کسی عورت کو اپنے جال میں پھانسو اور اس کے ذریعے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہ سب اشیں زبان سے [illegible] ہیں اور با آسانی ہمارا مافی الضمیر سمجھ سکتی ہیں۔"

سلطان چند لمحات مجھے حیرت سے دیکھتا رہا، ہم اس کے چہرے پر شرم کے آثار نمودار ہو گئے۔ لیکن صورت حال اسے بھی سمجھ آ رہی تھی۔ پھر اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

"چچا جان مگر [illegible]"

"سلطان ضرورت کے تحت ہمیں سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے، تم بھول جاؤ کہ اس وقت تمہارے سامنے کون کون ہے، بس ایسا [illegible] جو حکم، سلطان نے آہستہ سے کہا۔"

مجھے خود بھی اپنے اس مشورے پر ندامت تھی۔ مگر کیا کرتا، صورت حال ایسی ہی تھی۔ [illegible]

[illegible] کی [illegible] میں [illegible] کر [illegible] بولی [illegible] سے [illegible] حلوان کی [illegible] دیکھ [illegible] وہ [illegible] گئی [illegible] کر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] سنے کے نہیں [illegible] ستے

[illegible] کے ایک سابق اعلیٰ افسر اور ممتاز دانشور [illegible] ابن الدین حسن لکھتے ہیں:

میں نے جنرل ضیاء الحق سے زیادہ کسی سربراہ مملکت کو ملکی [illegible] کے معاملات میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا کبھی کبھی وہ بھی شاید [illegible] [illegible] لیے [illegible] بہت [illegible] رہتے [illegible] ایک بار [illegible] اطلاعات [illegible] غلط فہمی کی بنا پر [illegible] سے لے لی اور [illegible] شام [illegible] کا کوئی [illegible] ضیاء الحق صاحب [illegible] سیکرٹری اطلاعات نے [illegible] ہونے سے پہلے [illegible] کو فون کر کے کہا "آپ [illegible] کی نیت اس قدر پر خلوص ہے کہ ان کی ہدایت کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ انہیں [illegible] کرتے ہیں" [illegible] ہوئی پھر سیکرٹری نے حکم دیا "آپ کل [illegible] پیش کر دیں" [illegible] لیا جا سکتا تھا، اس نے کہا "میں کل [illegible] استعفیٰ دے دوں گا۔"

[illegible] کے کچھ دیر بعد سیکرٹری صاحب کو فون آیا، انہوں نے [illegible] بہت [illegible] آپ [illegible] ہوں [illegible] دیکھا [illegible] جو بھی [illegible] کیا [illegible] "جناب ابھی تو آپ [illegible] تھے [illegible] سے نکالنا چاہتے تھے، اب یہ آپ کیا [illegible] ہیں؟" [illegible] بولے "[illegible] وہ بات بھول جاؤ، [illegible] ویسے ہی کر دی تھی۔"

دراصل قصہ یہ تھا [illegible] صاحب بھی دیکھ چکے تھے۔ [illegible] انہوں نے [illegible] کی تعریف کی اور [illegible] کے [illegible] مبارک باد دیں۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہم حتی الامکان یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ سرسراہٹ بلند ہونے پائے۔

سب سے پہلے سردار ہی غار کے اندر کود گیا تھا کیونکہ وہ پہلے ہی غار کو اندر سے دیکھ چکا تھا، لیکن اس نے اس فرش پر بھی بہت اچھی طرح نظر ڈالی تھی جس طرح بلی کودتی ہے۔ اور اس کے قدموں کی ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہم سب نے اسی کے انداز میں اس کی تقلید کی۔

غار میں اندھیرا تھا لیکن سونے والوں کے خراٹے جاری و ساری ہو رہے تھے۔ ہم ان کی سمت بڑھنے لگے۔ سلطان میرے ساتھ تھا۔ ہم ابھی تک آنکھیں پھاڑتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم نے اپنے سانس تک روکے ہوئے تھے۔ چند لمحات کے بعد ہماری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو ہم نے ان جابر وحشیوں کو دیکھ لیا، جو اوندھے سیدھے پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ ہم دبے قدموں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر ہم نے اچانک اس طرح ان پر حملہ کیا کہ ان کی آوازیں بھی نہ نکل سکیں۔ ہمارا ایک ہاتھ ان کے منہ پر جا تھا، اور دوسرا گردن پر، اور ہم سب ان کی گردنوں پر اپنی قوتیں صرف کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ جاگ رہے ہوتے تو شاید ہمارے قابو میں نہ آتے کیونکہ انسانی گوشت اور اس وحشت ناک ماحول کی کھلی آب و ہوا نے ان کے جسموں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔ ان میں سے ایک نے تو نیکلس کو اٹھا کر اس زور سے اچھالا کہ نیکلس بڑے زور سے نیچے گرا، لیکن قطبی نے نیکلس کی پوری مدد کر دی تھی۔ اس نے وحشی کو کھڑے ہونے کی مہلت نہیں دی اور کوئی وزنی چیز اس کے سر پر دے ماری جو اسے غار ہی میں کہیں سے مل گئی تھی۔

وحشی کی آواز اب بھی بلند نہیں ہو سکی تھی، کیونکہ قطبی نے وہ وزنی چیز اسے مارتے ہی اس کا منہ پوری قوت سے بھینچ لیا تھا۔

آن کی آن میں ہم نے ان چاروں کو موت کے منہ میں اتار دیا تھا۔ ان کے سر زور زور سے پکڑ کر زمین سے رگڑنے اور اسی طرح کرنے میں ان کے خون سے ہمارے کپڑے بھی لت پت ہو گئے۔ اس کے باوجود ہم کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے چنانچہ ہم ان کے سروں کو زور زور سے زمین پر پٹختے رہے، جب تک کہ ان کے بھیجے نہ نکل گئے۔ ہم نے انہیں نہیں چھوڑا۔

خون بہت زیادہ بہہ رہا تھا اور [illegible] ہمارے پاؤں اس خون میں [illegible] نے یہاں بھی احتیاط رکھی [illegible] تک اس اسلحے کے پاس پہنچ گئے [illegible] اور ایک کونے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

یہ وحشی اس وحشت ناک ماحول میں شاید قتل و خون کے بھی عادی ہو گئے تھے کیونکہ اگر یہ اس اسلحے کو منتشر کر دیتے اور اسے پاس احتیاط سے رکھتے تو شاید یہ ہمارے ہاتھ اتنی آسانی سے نہ لگتا، لیکن وہ ہمیں باندھ کر اتنے مطمئن ہو گئے تھے کہ اس کے بعد انہیں کسی بات کی فکر نہیں رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سارا اسلحہ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم اسے سنبھال کر اسی احتیاط سے باہر کی جانب رینگنے لگے۔

غار سے اوپر چڑھنے کے لئے ہمیں ذرا سی جدوجہد کرنی پڑی تھی، کیونکہ سوراخ کے بعد نیچے اچھی خاصی گہرائی تھی جو پانچ چھ فٹ سے کم نہیں تھی، لیکن بہرحال ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا، جسے اوپر پہنچنے میں دقت پیش آتی۔

ہم اوپر نکلے، رائفلیں وغیرہ سنبھال کر غار کے دہانے کے پاس رکھی گئیں اور ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے۔ اب انہیں ان سرد وردوں تک پہنچانے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا گیا اور ہم ایک ایک انچ رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جب تک ہم لیے سائے تک نہ پہنچ جاتے اور رائفلیں انہیں تقسیم نہ کر دیتے، تب تک ہم خطرات سے دوچار تھے۔ چنانچہ جس قدر ممکن ہو سکتا تھا ہم نے کی اور بالآخر ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارے دل مسرت سے دھڑک رہے تھے اور ہم خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ زندگی جو موت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی، واپس لوٹ آئی۔ رائفلیں سرد وردوں کو تقسیم کر دی گئیں اور وہ بھی خوش و خرم نظر آنے لگے۔

اس کے بعد دوسرے اقدامات کا تعین کیا گیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ رکنا مناسب نہیں ہے۔ خاص طور سے اس غار کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ اگر وحشی اس غار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو پھر انہیں یہاں سے نکالنا ممکن نہیں ہوگا، اور ان میں سے کسی ایک کی زندگی بھی نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہم جیسے بے شمار لوگوں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔



ہم نے ایسی ابھری ہوئی چٹانوں کا انتخاب کیا تاکہ ان کے پیچھے ہم مورچے بنا کر وحشیوں پر فائرنگ کر سکیں اور انہیں [illegible] کہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے تھے، ہر چند [illegible] شاید انہیں [illegible] ان جانوروں سے وہ [illegible] انتظار کرنے لگے۔

ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ کہاں کہاں گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ ہم تک پہنچیں تو ہم انہیں نشانہ بنائیں [illegible] درمیان میں پھیل گئے تھے۔

[illegible]

[illegible]

لیکن اتنا مشتعل القلب نہیں تھا کہ ان بچوں کو بھی گولیوں کا نشانہ بناتا۔ بظاہر تو یہ نظر آتا تھا کہ وحشیوں کی یہ نسل [illegible] اپنے سر [illegible] کی تقلید کرتے، لیکن [illegible] خون میں نہلانا ہمارے لئے [illegible] بات نہیں تھی۔ ہم میں سے کسی نے بھی ان بچوں کو نہیں چھوا اور وہ ادھر ادھر دوڑتے رہے بلکہ [illegible] ان ڈھلانوں پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے [illegible] اوپر سے جا کر چٹانوں کی اوٹ میں پوشیدہ ہو کر [illegible] تھے۔ وہ وحشی ہمارے ہاتھوں سے بچے بھی ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ وحشی شاید سمجھ چکے تھے کہ ہم بچوں کو نشانہ نہیں بنا رہے۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہم سے اپنا انتقام لیتے۔

پھر جلد ہی جب روشنی پوری طرح پھیل گئی تو ہم نے وحشیوں کی لاشیں گنیں۔ تقریباً تیس وحشی لقمہ اجل بن چکے تھے، جن میں تیرہ عورتیں تھیں اور سترہ مرد باقی فرار ہو گئے تھے اور اب ان کی واپسی کی کوئی توقع نہیں تھی کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ ہمارے پاس آتشیں ہتھیار موجود ہیں اور ان ہتھیاروں کی موجودگی میں ان کی ایک نہیں چلے گی۔

ان آدم خور وحشیوں سے وقتی طور پر چھٹکارا پا لیا گیا تھا اور اب ان کے فوری [illegible] کوئی خدشہ نہیں تھا۔ ہر چند کہ ان کی تعداد اب بھی تشویشناک تھی لیکن بہرطور ہم وقتی طور پر ان سے محفوظ ہو گئے تھے اور اب ہمارے سامنے جنگل کی سمت کا راستہ تھا۔ دلدل کا منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اب بھی وہ ہمارے سامنے تھا۔ عجیب جگہ تھی۔ دھواں اٹھ رہا تھا اور جب یہ دھواں فضا میں منتشر ہو کر سڑی ہوئی دلدل کی [illegible] ہماری ناکوں سے ٹکراتی [illegible] کی آمیزش ہوتی تھی۔

چنانچہ اس علاقے کا رخ کرنا بھی موت کو قریب بلانے کے مترادف تھا۔ ہمارے حوصلے کشادہ تھے اور ہم نے اس طرف سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ [illegible] پانچ افراد غار کی طرف چل [illegible] اپنا سامان دوبارہ نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا جائے۔ ہم پانچوں نے اپنا وہ سامان باہر لا کر ڈھیر کر دیا جسے وحشیوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس سامان کو ترتیب سے دوبارہ اپنے شانوں سے باندھا گیا اور اس کے بعد ہم نے اس خوفناک علاقے کو خیرباد کہا اور جنگل کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں نجانے کون کون سی مصیبتیں ہماری منتظر تھیں۔

وحشیوں کی لاشوں میں [illegible] بھی [illegible] تھی چنانچہ اب یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ فوری طور پر منظم ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کا سربراہ ہی مارا گیا تھا۔ ہم تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جنگلوں میں



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

اس طرح یہ پہلی رات گزر گئی۔ [illegible]

[illegible] سفر کرنے کے بعد [illegible] سے یہ سوال کیا۔

"سلطان۔ میں [illegible] دیکھ رہا ہوں۔"

"کیسی تبدیلی [illegible]" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

[illegible]

"چچا جان میں آپ کو [illegible] کچھ حقیقتیں بتا رہا ہوں۔ [illegible]"

"کیا مطلب؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ یقین کیجئے چچا جان کہ سب کچھ میری [illegible]"

[illegible]

چچا جان، میں نے اس وقت صرف ایک بات سوچی [illegible]

[illegible]



[illegible]

"کیا مقصد ہے؟"

[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]



[illegible]

**علم الاعداد** علم دست شناسی، علم تحریر، علم قیافہ، علم نجوم، کردار شناسی ... ایجاد ہیں۔ مجموعہ ... نے بہترین دماغ کو فارغ نام کا کمپیوٹر عطا کیا ہے اس کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ کسی علم کی طرف توجہ دی جائے صرف توجہ دینے ہی سے ہر گتھی کو دو اور دو چار کی طرح سلجھایا جا سکتا ہے۔ سیکڑوں ماہرین نے ہزاروں سال تجربات کئے اور ... ان سب کے تجربات کو موجودہ صدی میں دنیا کے ... نام سے یکجا کر دیا ہے۔ (پروفیسر عالم اقبال)

**ڈاکٹروں** کا کہنا ہے اگر انسان اپنی بیماری کو جان لے تو اس کا تدارک آسان ہو جاتا ہے اور بہت معمولی معمولی دواؤں سے وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ عالی جناب ڈاکٹر پی سی گپتا نے مجرب دکھانے والی دو سو ہومیوپیتھک دوائیں اور ان کے استعمال کے طریقے "ہومیوپیتھک ڈاکٹر بنو" نامی کتاب قیمت بیس روپے میں درج کر دیئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے غریب و نادار لوگ پیسہ بچا کر بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کتاب ... والوں سے طلب کریں۔ (محمد انیس)



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے؟" وہ بولا۔ "ہم نے انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔" ہم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ آن کی آن میں وہ ٹڈی دل ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔ پھر وہ اسٹریچر کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک نوکی بیکل بوڑھا شخص روتا ہوا نوجوان سے لپٹ گیا۔ وہ اسے بری طرح چوم رہا تھا۔

ان لوگوں کے ہجوم میں ہم لوگ الگ سے دور ہو گئے۔ پھر طل سپاہی کی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ پھر نوجوان کے اسٹریچر کو دوسرے لوگوں نے سنبھال لیا اور برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ البتہ وہ بوڑھا شخص ہمارے قریب آ گیا تھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ جدید نسل جانتے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تم نے جونگا پر احسان کیا ہے۔ جونگا میرا بیٹا ہے۔ میرا نام ارونگا ہے۔ میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہے سردار تمہارے بیٹے کی جان بچ گئی!"

"کیا تم کچھ عرصے کے لئے ہمارے مہمان بن کر ہمارے اوپر احسان کرو گے؟"

"خوشی سے سردار۔" میں نے کہا اور بوڑھا اچھل اچھل کر اسی طرح چیخنے لگا جس طرح جونگا چیخا تھا۔ بہت سے افراد قریب آ گئے۔ اور ہم سے چار مسلمان چار سے اشخاص نے اٹھا کر سروں پر رکھ لیا۔ سردار کے اشارے پر ہم آگے بڑھ گئے۔

پہاڑیوں کے دوسری سمت ایک بستی آباد تھی۔ کس قدر تہذیب سے ناآشنا بستی۔ وہ لوگ درختوں کی چھالوں سے بنے ہوئے لباس پہنے ہوئے تھے۔ کچھ کے لباس کھالوں سے بنے ہوئے تھے۔ ایک مخصوص طرز کے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے۔ انہوں نے اور یہ جھونپڑے چھوٹے بڑے ہر قسم کے تھے۔ ایک بہت بڑے جھونپڑے میں ہمارے قیام کا بندوبست کیا گیا۔ ہمارا مختصر سامان وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ جھونپڑے کے سامنے بہت وسیع احاطہ تھا۔ جہاں درخت اُگے ہوئے اور درختوں کے نیچے کچھ جانور بندھے ہوئے تھے۔ جو رات کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

ہماری ضیافت پہاڑی گوشت اور دودھ سے کی گئی تھی۔

یہاں پہنچ کر بے حد سکون ہوا۔

"کیا خیال ہے چچا جان۔ آسانیوں کا دور شروع ہو گیا۔" سلمان بولا۔

"وقتی ہے سلمان۔" میں نے کہا۔

"ہاں چچا جان۔ بہر حال شدید مشکلات کے بعد یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"شاید۔" میں نے مختصراً کہا۔

"آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں شاید۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔"

"آپ دیکھئے نا۔ کشتی کی تباہی۔ پھر آدم خور وحشیوں سے ملاقات۔ اس کے بعد پُر خطر جنگل کیا یہ مشکلات نہیں تھیں؟"

"بے شک تھیں۔"

"اور اس کے بعد یہ آرام ہے؟"

"وقتی ہے سلمان۔"

"شک ہے لیکن ہے تو سہی۔" وہ بولا۔

"ہاں اس سے میں نے کب انکار کیا۔"

"ان حالات میں سکون کے جو لمحات مل جائیں۔ وہ غنیمت ہیں۔"

"ہیں۔ لیکن ان لمحات کو مستقل تو نہیں کہا جا سکتا۔"

"بہر حال ہم مطمئن ہیں۔"

"ہم بھی مطمئن ہیں سلمان۔ مسئلہ ان لوگوں کا ہے۔" میں نے دوسروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں ان کے بارے میں جب سوچتا ہوں تو مجھے واقعی پریشانی ہوتی ہے۔"

"مجھے خوف ہے سلمان کہیں ان کی قوت برداشت جواب نہ دے جائے اور وہ بد دل نہ ہو جائیں۔"

"اپنا ہی نقصان کریں گے۔"

"وہ کیسے؟"

"دیکھئے نا۔ یہ حالات ناگزیر تھے۔ ہم خود بھٹک گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے بس میں تو نہیں تھا۔"

"شاید اسی لئے یہ خاموش ہیں۔"

"خاموشی ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر یہ بد دل ہو گئے تو ہم انہیں واپسی کا حق دے دیں گے۔ بہر حال انہیں معاوضہ دیا ہے جو پہلے طے کر چکے ہیں۔ اور ان کے لئے وہ کم نہیں ہے۔" سلمان نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔



قبیلے والے ہماری بڑی خاطر کر رہے تھے۔ رات کو ہمارے لئے سالم بکرے بھون کر لائے گئے تھے۔ اور پہاڑی بکریوں کا یہ گوشت بھی بے حد لذیذ محسوس ہوا۔ وہ خادموں کو ہماری ضروریات کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا۔

خوب رات گئے بوڑھا سردار ہمارے پاس آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جونگا اب ٹھیک ہے۔ اس نے بڑی احسان مندی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"میرے قبیلے کا نام ترونگا ہے۔ جونگا ایک مشن پر قبیلہ بوکاسا گیا ہوا تھا۔ لیکن بوکاسا والوں نے بد دیانتی کی اور قاصد کو گرفتار کر کے ترونگا سے جنگ مول لے لی۔ اور اب بوکاسا ترونگا کے قہر سے نہ بچ سکے گا! بس جونگا کے صحت مند ہونے کا انتظار ہے۔" سردار کئی گھنٹے ہمارے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتا رہا تھا۔ اور ہمیں حیرت تھی۔ قطبی، فلازی اور فیکان بھی نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سلمان انہیں اس گفتگو کا ترجمہ کر کے سناتا جا رہا تھا۔ بوڑھے سردار نے بتایا۔

"ترونگا اور بوکاسا کی دشمنی ازلی ہے۔ اور یہ دشمنی ابد تک جاری رہے گی۔ یہ جادوگروں کی پیشین گوئی ہے۔ کیونکہ اس دشمنی کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ یہ بنیادیں اس وقت پڑیں جبکہ دلدلوں کی دوسری جانب زمین کی گہرائیوں میں ایک شخص پیدا ہوا۔ یہ گہرائیاں دلدلوں سے پرے آج بھی موجود ہیں۔" سردار نے بتایا۔ "اس شخص کے پاس ایک گائے تھی۔ اس سے پہلے یہاں کبھی کوئی گائے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس شخص کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ترونگا اور دوسرے کا بوکاسا تھا۔ یہ دونوں قبیلے اسی نسل سے ہیں۔ دلدل سے پیدا ہونے والے اس پہلے آدمی کے پاس ایک گائے تھی۔ جو اس گائے نے ایک بچھڑا دیا۔ اور اس شخص نے بچھڑا اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا۔ وہ بچھڑا ترونگا نے بڑے بھائی بوکاسا سے چھین لیا۔ چھوٹے بھائی کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی۔ باپ نے بوکاسا کو سمجھایا۔ وہ ترونگا کو اس کا بچھڑا واپس کر دے مگر بوکاسا کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تنگ آ کر اس نے کہا۔

"بیٹے! بوکاسا۔ بچھڑا اپنے بچھڑے کے پیچھے بھاگتا ہے۔"

قرآن مجید کے پڑھنے میں ثواب اور سمجھ کر پڑھنے میں دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان اور بامحاورہ اردو زبان میں کلام پاک کا ترجمہ **روشن چراغ** کا مطالعہ کیجئے اور خالق کائنات کے احکامات کو اپنی زبان میں سمجھ کر دین و دنیا کی برکتیں سمیٹ لیجئے —
ہدیہ صرف ۵۰ روپے۔ منگانے کے لئے دس روپے کا پیشگی منی آرڈر کریں۔

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابلیس، بہرحال صوفیا اور علما دونوں کے لیے باعث حیرت اور تعجب انگیز ہستی ہے۔ وہ ہر وقت موجود اور بے پناہ قدرت کا مالک ہے۔ جس کو آسانی سے بہکا لیتا ہے، حتیٰ کہ جنت میں آدم اور حوا کو بھی بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ شاعروں اور فلسفیوں، مفسروں، محدثوں، صوفیوں، واعظوں، عالموں، زاہدوں اور فقیہوں کو اس نے جس جس طرح اپنے دام تلبیس میں پھنسایا ہے، اس کی مکمل روداد حافظ ابوالفرج علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں لکھ دی ہے جو واقعی عالمانہ بھی ہے اور دلچسپ بھی، لیکن زیادہ دلچسپ مفسرین کی وہ تحقیقات ہیں جو انھوں نے ابلیس کے گھرانے، معاملات و حالات کے بارے میں کی ہیں۔ سورۂ کہف کی انچاسویں آیات میں ابلیس اور اولادِ ابلیس کا ذکر آیا ہے اور ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے کہ ان کی دوستی زیان و ذلت و عقوبت کا باعث ہے۔ اولاد کے ذکر پر مفسرین کو ابلیس کی بیوی کا خیال آنا لازمی تھا۔ چناں چہ بعض نے کہا کہ ابلیس کی اولاد اس کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مفسروں نے اس طرح کا تولد اولاد تسلیم نہیں کیا۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابلیس کی بیوی پرندوں کی طرح انڈے دیتی ہے اور ابلیس کے بچے انھی انڈوں سے نکلتے ہیں۔ یہ خیال انھیں اس لیے آیا کہ ابلیس اور اولاد ابلیس سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے پر قادر ہے۔ پہاڑ اور دریا اُن کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتے اور ایسا پروں کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ پرندہ قسم کی مخلوق ہیں۔

تولد از بطن کے قائل مفسرین نے ابلیس کے نو بیٹوں کے نام بھی معلوم کر لیے ہیں۔ پہلے لڑکے کا نام لاقیس ہے، دوسرے کا والہان، تیسرے کا [illegible]، چوتھے کا مرہ، پانچویں کا زلنبور، چھٹے کا ثبر، ساتویں کا اعور، آٹھویں کا مسوط اور نویں کا داسم۔ ان نو لڑکوں نے اولاد آدم آپس میں تقسیم کر لی ہے اور ہر ایک اپنے اپنے حلقے کے امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

ابلیس کی بیوی کا نام ابھی تک کوئی معلوم نہ کر سکا۔ دوسرے مفسرین اولاد ابلیس کی تعداد نو تک محدود نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں آدم کے ہر بیٹے پر ابلیس کا ایک ایک بیٹا موجود ہے جو آدم کے بیٹے کے ساتھ زندگی بھر لگا رہتا ہے اور اسے مرتے دم تک نہیں چھوڑتا۔

---

فرازی نے جو کچھ کہا تھا اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان حالات میں ہم مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ جو لوگ انھیں قیمتی تحائف دیتے تھے، سیاہ فام لوگ یقیناً ان کے لیے تو یہ تحائف اس قدر قیمتی تھے کہ وہ ان کی حفاظت کے خیال سے راتوں کو سو بھی نہیں پاتے تھے، دوسرے لوگ بھی ہمیں پاکر خوش تھے۔ بے نیاز تھے تو ہم اور سلمان کہ ہمیں ان چیزوں سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

"کیا خیال ہے فرازی، ہمیں کس طرف جانا چاہیے؟" سلمان نے کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"ابتدائی طور پر تو اس طرف کہ ان لوگوں کا رخ دوسری طرف ہے۔ اس طرح ان کے ذہن میں [illegible] نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہم نقشے کے مطابق اپنی منزل کا تعین کریں گے۔" فرازی نے جواب دیا اور پھر میری طرف دیکھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر لطیفی...؟"

"اصولی طور پر میں مسٹر فرازی سے متفق ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان جنگلوں کی [illegible] سے واقف نہیں [illegible] ہمارا کوئی خواہش ہے کہ ہم اپنی طلب میں کامیاب ہو کر جلد از جلد اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اسی طرح اس قبیلے میں ان بزرگوں کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔"

"اگر سب کی یہی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو کی گنجائش نہیں رہی۔ گویا ہم سب متفق ہو کر اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ صبح جاتے ہی یہاں سے نکل جائیں۔ اس فیصلے کے بعد میرے دل میں ایک ذرا سی خلش ضرور رہ گئی تھی۔ یہ لوگ جنگلی ہی سہی لیکن [illegible] اور اس کے باسیوں نے ہمارے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تھا۔ وہ ہمیں [illegible] کر گئے تھے کہ [illegible] لیکن بیان کی [illegible] سوچا تھی۔ [illegible] کا کہنا بھی درست تھا کہ اگر انہیں شکست ہو جاتی اور اس کے بعد ان کے دشمن ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچ جاتے تو [illegible] اس کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ وحشی جنگلی ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ ہم [illegible] شامل ہوتے جو شکست خوردہ ہو سکتے ہیں۔ جن کے ساتھ وحشی بہتر سلوک کرنے والے [illegible] اور اس



کا باپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ واپسی تک وہ مردوں کے سر اتار کر لائیں گے۔ تو کیا یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ شکست کھا جائیں اور ان کے دشمن اس قبیلے کا رخ کریں تو پھر یہاں سے وہ سر لانے [illegible] جائیں [illegible] ہمارے سر بھی شامل ہوں گے۔ یہ کہا گیا کہ آج ہی رات موقع پاکر یہاں سے دائیں سمت دریائی دلدلی علاقے کی جانب سفر کرتے ہوئے دور نکل جانا چاہیے، اتنی دور کہ یہ لوگ ہمارا پتہ نہ پا سکیں اور اس کے بعد جب ہم مناسب جگہ پہنچ جائیں تو اپنا صحیح راستہ تلاش کر لیں۔

سرِ شام ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا، فضا میں نمی پھیلی ہوئی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، لیکن ابھی تک بارش کا کوئی وجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً [illegible] بج گئے اور تاریکی گہری ہوتی چلی گئی۔ قبیلے کی عورتیں اور وہ لوگ جو ہماری خدمات پر مامور کیے گئے تھے، ہمیں رات کا کھانا دے گئے تھے، اس کے علاوہ ہمارے لیے آگ روشن کر دی گئی تھی تاکہ مچھروں وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے۔ یہاں مچھر بہت تھے، وہ کافی بڑے بڑے تھے۔ آگ ہم نے روشن رہنے دی۔ ایک بجے ہم سب تیار ہو گئے۔ بستی کے کچھ نوجوان پہرے پر مامور تھے اور [illegible] سنبھالے ہوئے ان جگہوں پر تعینات تھے جو باہر سے آنے والے راستوں کی سمت میں تھیں، لیکن ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا چنانچہ صبح [illegible] ہم سب تیار ہو کر اس راستے کی جانب چل پڑے۔ [illegible] ہم لوگ آگے بڑھے تھے کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے اور ہمارا انداز بھی اس طرح کا تھا جیسے ہم چہل قدمی کر رہے ہوں، حالانکہ رات کے اس پہر چہل قدمی کسی طور مناسب نہیں تھی لیکن بہرحال اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ بادلوں کی وجہ سے رات کا پہر کسی نے نہیں دیکھا اور ہم سب بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ہمیں جنگل کی جانب سفر کرنا تھا۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، لیکن یہی موقع ہمارے لیے بہتر بھی تھا۔ اس تاریکی سے فائدہ تھا کہ ہم جتنی دور نکل جاتے اسی میں ہمارا فائدہ تھا اور دن کی روشنی ہمارے فرار کے لیے بہتر ثابت نہ ہوتی۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ اس گھور تاریکی کی وجہ سے سفر کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ جگہ جگہ ٹھوکریں لگ رہی تھیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائے گا۔ موت اور زندگی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ جانے کہاں [illegible] کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ دلدلیں بھی [illegible] اور حشرات الارض بھی، درندوں کا بھی خطرہ تھا لیکن بہرطور ان تمام خطروں کے ساتھ ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہماری یہی کوشش تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو سکے، قبیلے سے دور نکل جائیں۔

راستہ چٹانی تھا اور شکر یہ تھا کہ ابھی جنگلوں کا راستہ نہیں شروع ہوا تھا۔ ویسے بھی اس بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جس راستے کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں، وہاں آگے چل کر ہمیں کتنے فاصلے پر جنگل ملیں گے۔ لیکن جو کچھ بھی تھا اب تو یہ سفر طے کرنا ہی تھا۔

ہم اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ساری رات یہ سفر جاری رہا۔ شکر تھا کہ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو ہمارے لیے تکلیف دہ ہوتا۔ پھر جب صبح کے اجالے پھوٹے تو ہم نے دیکھا کہ جنگل ہمارے بائیں سمت دور تک پھیلا ہوا ہے، گویا ہم جنگل کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے تھے اور جنگل بہت پیچھے آ گیا تھا۔

جنگل کے اس حصے سے جنگلی درندوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، جن پر ہم نے پہلے غور نہیں کیا تھا، ان آوازوں کو سن کر ہم کانپ کر رہ گئے۔

سلمان میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، فرازی اور ڈاکٹر فیگان نے جنگلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ! اس کا مطلب ہے کہ جنگلوں کا سلسلہ بہت دور سے شروع ہو گیا تھا۔"

"ہاں، رات اتنی تاریک تھی کہ ہم جنگلوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔"

"میرے خیال میں صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک سفر کیا ہے۔" فیگان بولا۔ اور [illegible] تھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے ڈاکٹر فیگان، ہم تو ہر لمحہ کسی نہ کسی خطرے سے دوچار رہتے ہیں۔"

"لیکن کیا اندازہ ہے، ہم کتنی دور نکل آئے؟" فرازی نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات بھر کا یہ سفر بمشکل دس بارہ میل دور لے آیا ہوگا کیونکہ سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لیے اس سے زیادہ فاصلے کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔"

"بہرطور بری طرح تھکن ہو گئی ہے۔ کیا خیال ہے، کچھ دیر آرام کیا جائے۔" ڈاکٹر فیگان نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر فیگان، اس وقت آرام قطعی مناسب نہیں



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ٹھیک ہے۔"

"تم ذرا ٹھیرو۔"

[illegible]

قلیبوس نے کہا:

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"ہر جگہ یہی سب ہے تو ہماری ہے۔" قلیبی نے کہا اور ڈاکٹر فیکان کا ہم خیال ہو گیا۔

قلیبی کا کہنا بھی درست تھا۔ ان ناسازی جنگلوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا اور خاص طور سے اس خشکی میں جب کہ اندر سے وحشی جانوروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بہرطور ہم اس کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے۔ کافی دور پہنچنے کے بعد ہمیں ایک تالاب نظر آیا۔

پانی دیکھتے ہی سب لوگ بے قابو ہو گئے لیکن قلیبی نے جلدی سے سب کو روکا۔

"کچھ پینے کی کوشش مت کرو۔ اس ویران جنگل میں تالاب کا وجود سب سے خطرناک چیز ہے۔"

"کیوں۔" فیکان چونک کر بولا۔

"اس لیے کہ یہ سنسان علاقہ ہے، یہاں درندے اور وحشی جانور بھی پانی پینے کے لیے آتے ہیں۔"

"وہ ٹھیک ہے لیکن پانی۔ میرا مطلب ہے اس وقت ہماری شدید ترین ضرورت ہے اگر ہم غسل کر لیں تو جان دار ہو سکتے ہیں۔"

"تو پھر کیا جا سکتا ہے کہ چند لوگ بندوقیں لے کر پہرہ دیں اور چند لوگ غسل کریں۔ اس کے بعد باقی لوگ بھی اسی طرح کر لیں اور اگر جنگلی جانور اس طرف آئیں تو پہرہ دینے والے فائرنگ شروع کر دیں۔"

"ٹھیک ہے ایسا کرو لیکن تالاب کے کنارے قیام کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔"

"مناسب۔"

پھر یہی ہوا۔ پہلے ہم لوگوں نے غسل کیا اور مزدور پہرہ دیتے رہے پھر وہ نہائے اور ہم پہرہ دیتے رہے لیکن اتفاق کی بات تھی کہ کوئی جانور نہیں پہنچا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ دن کا

[illegible]

آفتاب ڈھلنے لگا تھا کہ ہم ایک چٹانی میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بڑا پتھر تھا جو جتنا بلند ہو رہا تھا۔ ہم اس کی بلندی دیکھ کر سورج طلوع ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ ابھی دھوپ کی تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ بلندی پر چٹانیں تھیں جن کے نیچے کافی سایہ تھا۔ ان سایہ دار چٹانوں کے نیچے قیام کرنا ہم نے مناسب خیال کیا اور ان کے نیچے کی جگہ صاف ستھری کر کے وہاں بیٹھ گئے۔ طے یہی کیا گیا تھا کہ رات کا سفر بہرحال کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن مزدوروں نے بھی ایک دو دن آرام کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ تو پیڑوں کی ٹہنیوں کی جانب چلے گئے۔

شام کو تین چار بجے تک ہم لوگ آرام کرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے، چنانچہ سب کے سب لیٹ کر سو گئے۔ بلند سی کوئی بات نہیں تھی کہ رات بھر کا تھکا ہوا تھا، پھر جب سورج ڈھلنے لگا تو ایک ایک کر کے ہم سب جاگ گئے لیکن جن سوئے ہوئے مزدوروں کی نظر نہیں آ رہے تھے، غالباً وہ ہم سے پہلے جاگ کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ قلیبی، مزدور، فیکان، میں اور سلطان اٹھ بیٹھے اور مسکراتی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر فیکان کہنے لگا۔

"ہاں اس سلسلے میں گفتگو کی جا چکی ہے، لیکن مزدور یہ پچھلے دنوں سے تھکے ہوئے تھے۔ انسان بڑی عجیب و غریب خصوصیات کا حامل ہے، اعلیٰ ترین بستر پر بھی اسے اسی طرح نیند نصیب ہوتی ہے اور ان پتھریلی چٹانوں پر بھی۔ مگر یہ مزدور ان کی آوازیں قریب سے نہیں آ رہی ہیں، کہاں گئے یہ سارے کے سارے، کہیں واپس تالاب پر تو نہیں پہنچ گئے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ سب آخر کہاں گئے؟" یہ سب ہم نے چونک کر دیکھا اور پھر بلندی پر پہنچ گیا۔ ایک چٹان کے اوپر کھڑے ہو کر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ مزدوروں کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ دفعتاً مجھے ایک خیال آیا کہ کہیں وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گئے۔ میں نے سوچا اور نیچے اتر آیا۔ میرے ساتھیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ جس نے بھی اس سلسلے



کا وزن تو ہم نے یکسر فراموش کر دیا تھا اور ہم کو کچھ یاد نہ تھا کہ ہم چلتے جا رہے ہیں۔ بہرحال ہم چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ [illegible]

"نہیں ۔۔۔ بہر حال یہ سوال بھی اپنی جگہ رکھنے کا۔"

"خیر یہ کیا بات ہے؟"

قلیبی مزدوروں کو آوازیں دے کر پکارتے ہوئے گئے۔

"کیا ۔۔۔" قلیبی نے خوفزدہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ان کی کیفیت سب سے زیادہ مختلف نہیں ہو گی۔ اندر میں کے بعد تو بڑی افراتفری مچ گئی۔ سب چاروں طرف مزدوروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ سامان اور فرنیچر کا کافی وزن ان کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ لیکن یوں لگ رہا تھا کہ مزدور رہ رہ کر سوتے ہی فرار ہو گئے تھے، ان کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ دفعتاً قلیبی کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"آہ ۔۔۔ آہ ۔۔۔ ان لوگوں نے ہماری اس بے ہوشی کی نیند سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔"

"کیا مطلب ۔۔۔؟"

"اپنی اپنی جیبیں دیکھو کیا تمہارے پاس وہ تمام اشیا موجود ہیں جو ہم نے جیبوں میں رکھی تھیں۔"

قلیبی کی بات نے ایک بار پھر سب کو سراسیمہ کر دیا۔ میں اور سلطان چونک کر اپنی جیبیں دیکھنے لگے، وہ چیزیں اور قیمتی اشیا غائب تھیں جو جیب میں رکھی تھیں اور جو ہم نے جیبوں میں رکھ لی تھیں، مزدوروں نے ہماری جیبیں تک صاف کر دی تھیں۔ سلطان کے منہ سے بے اختیار ایک قہقہہ نکل گیا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"ان لوگوں نے سر چاک کرنے کو کچھ مل گیا ہے اسے ہی غنیمت سمجھ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فیکان، معاملہ گھمبیر ہے ایک المناک حادثہ ہے۔" فرازی بولا۔

"ہنسنے کی بات ہی ہے۔ تم دیکھنا وہ ہم سب سے زیادہ بھولے نکلے۔"

"مگر یہ کمبخت گئے کہاں، اور کدھر جائیں گے ۔۔۔؟"

"کتے کی موت مریں گے، کمبخت ساری کی ساری کتنی لے گئے۔" فیکان دانت پیس کر بولا۔

"اب تو انہیں گالیاں اور کوسنے دینے کے علاوہ اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا۔ ظاہر ہے ہم انہیں تلاش کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے۔"

"میں تو بہت بد دل ہو گیا ہوں اس سفر سے۔ تقریباً سارا سامان لے گئے، کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ کی اور ان تھیلوں میں تھا سب نکال لے گئے۔"

"دیکھو، گھبرا جانے سے کچھ نہیں ہوگا۔" قلیبی بولا اور سب تھیلے کھول ڈالے گئے۔ مزدوروں نے نہایت صفائی سے کام لیا تھا۔ انھوں نے ان تھیلوں سے چیزیں نکالی تھیں اور ہمارے تھیلے لے کر فرار ہو گئے تھے گویا وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔

ہم لوگ دیر تک اس واقعہ پر رنج و غم کا اظہار کرتے رہے۔ قلیبی، فیکان اور فرازی بری طرح دانت پیس رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ مزدوروں میں جائیں تو وہ انہیں گولیوں سے بھون ڈالتے، یاں کو گرفتار کر لیتے۔ لیکن بے بسی تھی۔ ظاہر ہے واپس نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ابھی راستہ ایسا نہیں تھا جس کے بارے میں صحیح طور سے فیصلہ کیا جا سکتا کہ اس راستے سے گزرنے کے بعد ہم کسی مناسب جگہ پہنچ جائیں گے۔

اس واقعہ کے بعد ہم لوگوں میں خاصی بد دلی سی پھیل گئی حالانکہ شام ہو چکی تھی اور تھکن بھی دور ہو چکی تھی لیکن ہمارے ساتھیوں کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ ابھی آگے سفر کا ارادہ نہ رکھتے ہوں، تھوڑی دیر کے بعد قلیبی نے اس کا اعلان بھی کر دیا۔

"ہم لوگ اس وقت سفر نہیں کریں گے، بلکہ رات یہیں گزاری جائے گی اور ہم لوگ کل صبح سے اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔"

ہم نے یا سلطان نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا، ہم ان کے مکمل طور پر شرکت کا اظہار کر رہے تھے، وہ بھی یہ حقیقت تھی کہ ان مزدوروں کے بھاگ جانے سے ہمیں بھی تھوڑی سی الجھن ہو گئی تھی۔ ابھی تو ہم شدت سے ان کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

شام کے بعد اس وقت تک جب تک رات نہ ہو گئی، خاموشی کا دور دورہ رہا، سب اپنے طور پر خاموش تھے، کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی، پھر میں نے ہی قلیبی کو مخاطب کیا۔

"ہمیں اس چھوٹی سی بات پر اس طرح سے بد دل نہیں ہونا چاہیے مسٹر قلیبی، ابھی تو ہمارے سامنے بہت سے مراحل ہیں۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن ان کم بختوں نے



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابھی اُمید نہیں تھی۔"

"کسی بات نہیں ہے" تھلبی اتم ایسی معمولی باتوں کو سنا سوم، تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ کسی راہنما کے بغیر ہی اس کا سفر طے کر لیں گے۔!"

"میرے خیال میں ناممکن ہے۔ اس ان کم بخت گنتوں کا مرجانا ہی بہتر ہو گا اگر مجھے اتنا سے کوئی نظر آ جائے" اسد مجبور ہو کر دیکھ رہا تھا۔ ہمیں تھکاوٹ کا شکار ہو تیں۔ دو گھوڑیاں تو اس کے پیچھے میں آ گئے تھے، ہماں کی مدد نہیں کر سکتی۔

"ٹھیک کہتے ہو قلبی، لیکن اب کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ رک کے جانا ہے تھی اتنی جلدی کیوں مایوس ہو گئے، حالانکہ ابھی تک ایسا کوئی ایسا خطرناک واقعہ پیش نہیں آیا جس میں زندگی کے ختم ہو جانے سے ہم کو آگے کے حالات اور خطرناک ہو سکتے ہیں"

"دیسے مسٹر قلبی، مسٹر فرازی اور ذیشان، اب ہم اپنا آگے افراد رہ گئے ہیں۔ اور یہاں کسی جس انجانے ایک بار پھر حالات سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، اچھی طرح سوچ سمجھ کے بعد فیصلہ کریں کہ آپ لوگ اپنے طور پر جنگلیں گے تو نہیں، ابھی اتنا تو کبھی ہو جائیں گے۔ سفر میں اب مشکلات کا آغاز ہو چکا ہے، جب یہاں اور زندگی اور موت سے ہمکنار ہو سکتا ہے، اس وقت آپ لوگ بے راستہ کر وہ شدید قرار تو نہیں رہیں گے کیونکہ کامیابی اور ناکامی میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ اسد جو سفر جو پیش کش کی ہے اور اس رکھنا ان جنگلوں میں بھی برقرار ہے۔ اگر آپ لوگ اس وقت بھی اس کا پسند کریں تو واپس جا سکتے ہیں پیش کش آپ کے پاس محفوظ ہے اور آپ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھا۔

"نہیں مجھے دوست، ہم بہت سے خطرناک مراحل سے گزر چکے تھے، ابھی بات یہ الفاظ اور سے بیلے مناسب نہیں ہیں۔ ہم کہاں سے ڈرتے تھے، بھاگ گئے۔ میں اپنے ان الفاظ کی تصدیق اپنے دوست ڈھان اور فرازی سے بھی چاہتا ہوں، میں مثلاً اس صلح کے لوگ کوئی جنہ ابزی۔"

"نہیں مسٹر قلبی" ڈاکٹر ذیشان نے کہا "ہم نے ابھی وہ ایک فیصلہ کر لیا ہے" ہم ہمارا کوئی بات کا تصور بھی نہیں ہے کہ شاید ہم کو جان دیں کا انتخاب بھی غلطی کی گئی۔

"مزدوروں کا انتخاب میں نے کیا تھا، اگر ہم ہوشیاری سے کام لیتے اور وہ بھی نکل گئے تو تم دیکھو گے کہ کیا ان

کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں، لیکن بہرطور ہم سب انسان ہیں اور ہمیں کسی مرحلے پر کسی سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ قلبی نے نرم انداز میں کہا اور اس کے لہجے کی نرمی نے فرازی اور ذیشان کو ٹھنڈا کر دیا۔

"اس تم ٹھیک کہتے ہو، اس میں کوئی شک نہیں" انہوں نے بالآخر کہا۔ اس کے بعد بات ختم ہو گئی اور ہم نے آگے چلنا شروع کر دیا۔ لیکن اب طبیعت میں پہلی جیسی بشاشت اور چونچالی نہیں رہی تھی۔ سارا دن سفر کیا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں پیش آیا۔ سوائے اس کے کہ علاقہ بدل جانے سے موسم کی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن سے ٹکرانے لگے تھے اور یوں لگتا تھا کہ آگے موسم بتدریج سرد ہوتا چلا جائے گا۔

قلبی نے اس بدلتے ہوئے موسم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یوں لگتا ہے جیسے آگے کا علاقہ برفانی ہو۔"

"اتنے مختصر سفر میں اتنا بدلا ہوا موسم مل سکتا ہے۔ کیا حیرت انگیز بات نہیں ہے۔" فرازی بولا۔

"سرزمین افریقہ۔ حیرتوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کسی بات پر حیرت حماقت کے مترادف ہے، نہ جانے کیسے کیسے حالات سے واسطہ پڑے۔" قلبی نے جواب دیا۔ سفر جاری رہا۔ اندازہ درست تھا۔ جنگل ختم ہونے جا رہے تھے اور وسیع میدان نظر آنے لگے تھے۔ پہاڑی ٹیلے تا حد نگاہ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے اختتام پر برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس لیے سفر کی ساتویں رات ہم ایک برفانی علاقے میں گزار رہے تھے۔

ڈاکٹر ذیشان سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اس رات اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، ایک ٹیلے کے دامن میں خیمے لگا دیئے، ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ قلبی نے کہا:

"ابھی تک ہم اپنی منزل کی علامات نہیں پا سکے۔ یہ اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے کہ ہم صحیح سمت سفر کر رہے ہیں یا منزل سے بھٹک رہے ہیں۔ بحر اوقیانوس مختصر نہیں ہے کہ گھوم پھر کر اس جگہ پہنچ جائیں گے جہاں ہمیں مطلوب ہے۔"

"ہم صحیح راستے پر ہیں۔" سلمان نے سکون سے کہا، وہ بے اختیار بول پڑا تھا۔

"تم کیسے یہ بات کہہ رہے ہو؟" قلبی نے سوال کیا لیکن سلمان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "میں نے تم سے سوال کیا ہے سلمان۔"

"اوہ۔" سلمان چونک پڑا۔



"تم اس وثوق سے یہ بات کیسے کہہ رہے ہو؟"

"کون سی بات۔" سلمان حیرت سے بولا۔

"یہی کہ ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

"اوہ۔ میرے منہ سے نکل گئی ہے یہ بات۔" سلمان تذبذب سے ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔ میں اچانک بولا تھا۔ سلمان کی کیفیت سے آپ تھا۔ وہ الجھا ہوا محسوس کرنے لگا تھا لیکن وہ سب لوگ تو اس کیفیت سے واقف نہیں تھے۔

"کیا تم نے کبھی یہ جگہ نہیں دیکھی!"

"مجھے علم نہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

قلبی فرازی اور ذیشان عجیب سی نگاہوں سے سلمان کو دیکھنے لگے، پھر قلبی نے کہا۔

"اگر تم مذاق کر رہے ہو بیٹے تو میرا خیال ہے یہ وقت مذاق کے لیے موزوں نہیں ہے، ہم لوگ اتنے عجیب و غریب حالات کا شکار ہیں کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ یہاں سے واپسی کا تصور بھی بڑا پریشان کن ہے۔ اگر ہم تینوں تمہارا ساتھ چھوڑ نا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لیے ممکن نہیں، لیکن اگر صورت حال یہی رہی اور ہم اندھا سفر کرتے رہے تو پھر شاید ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہم اپنی منزل نہیں پا سکیں گے۔" قلبی نے کہا۔

"آپ مسٹر قلبی، الجھنے کی ضرورت نہیں، یہاں تک کے بعد ہمیں اپنی تمام حالات سے دوچار ہونا تھا، ظاہر ہے کہ بحر اعظم کا سفر معمولی بات نہیں تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن صورت حال اب ہمارے لیے کچھ عجیب سی ہو گئی ہے۔ آپ لوگ جس اطمینان اور سکون کے ساتھ سفر کر رہے ہیں، وہ بھی حیرت انگیز ہے جبکہ منزل کا کوئی تعین نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے مسٹر قلبی؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، میں سب سے پہلے اس بات کا یقین چاہتا ہوں کہ ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔"

"میں نے کہا تھا ہم صحیح راستے کی سمت سفر کر رہے ہیں۔" سلمان پھر بول اٹھا اور قلبی اسے گھورتے رہ گئے۔

"ابھی تم نے اس بات کی تردید کی تھی۔"

"لیکن اب میں کہتا ہوں کہ ہماری سمت درست ہے" سلمان نے کہا۔

"کیا نقشے کے مطابق تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو کہ ہماری سمت درست ہے۔" قلبی نے دونوں ہاتھ سامنے پھیلا کر



پچھلے چند سالوں سے اردو زبان میں ٹیکنیکل کتابوں کا قحط پڑ گیا تھا۔ اگر کوئی کتاب ملتی بھی تھی تو بہت پرانی تکنیک پر ہوتی تھی جو آج کے دور میں کسی کام نہیں آ سکتی تھی۔ ہم اظہر حسین راہی کے بے حد ممنون و شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمارے اصرار پر موجودہ دور کی ضرورت کو پورا کرنے والی ٹیکنیکل کتابیں چھاپنے کا بیڑہ اٹھایا۔ خدا کے فضل اور کرم سے وہ اب تک ذیل کی کتابیں چھاپ چکے ہیں:

(۱) جدید الیکٹرک گائیڈ (۲) جدید الیکٹرک وائرنگ (۳) جدید ریڈیو گائیڈ (۴) جدید موٹر وائنڈنگ (۵) جدید الیکٹرک و گیس ویلڈنگ (۶) کیمسٹری گائیڈ (۷) جدید صابن سازی (۸) پریکٹیکل ٹرانسفارمر گائیڈ (۹) جدید گھڑی سازی (۱۰) پریکٹیکل ایمپلی فائر گائیڈ (۱۱) ڈیزل انجن گائیڈ (۱۲) پیٹرول انجن گائیڈ (۱۳) T.V. ریپئرنگ گائیڈ (۱۴) کلر T.V. گائیڈ (۱۵) موم بتی و کھلونے بنانا (۱۶) آئینہ سازی (۱۷) V.C.R سروس گائیڈ اور (۱۸) ٹیپ ریکارڈر گائیڈ۔

یہ تمام کتابیں قابل اور سند یافتہ حضرات نے لکھی ہیں۔ ان کتابوں کی مدد سے .I.T.I کورس کرنے والے اور کم پڑھے لکھے بیروزگار نوجوان پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہر لحاظ سے مکمل، انتہائی آسانی سے سمجھائے گئے طریقے۔ نیز آفسیٹ پر چھاپی گئی ہیں۔ ہم ان نوجوانوں سے اپیل کریں گے جو بے روزگار ہیں کہ ادھر ادھر وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ کتابوں کی مدد سے کسی بھی ہنر کو اپنا کر روزی پیدا کریں۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہا جو ہم لوگوں نے ترتیب دیا تھا۔
"ہاں، ہم جنوبی کی ترائیوں میں سفر کر رہے ہیں۔ آگے چل کر پہاڑ ایک دیوار کی مانند ہو گا جس کے دوسری طرف جانے کے راستے مفقود ہوں گے۔ لیکن ان میں راستے ہیں اور ابھی بستی سے گزر کر ہم اس پہاڑی دیوار کے دوسری طرف جا سکیں گے اور اس طرف پہنچ کر شاید اس طرف پہنچ کر —" سلمان بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا اور میری حالت خراب تھی۔ وہ لوگ اس سلسلے میں سوال کر سکتے تھے جن کا میرے یا سلمان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔
"لیکن نقشے میں تو اس دیوار کی کوئی نشاندہی نہیں ہے۔"
"یہ میں جو کہہ رہا ہوں۔" سلمان نے کہا۔
"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو یہ بات —"
"بس جو میں نے کہا اور جو آپ لوگوں نے سنا وہ مکمل ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں۔" سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی سفاکی تھی۔ قطبی، فرازی اور نیکلسن اسے دیکھتے رہ گئے لیکن ان کے چہروں کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔
"یہ منطق انسانی ہم میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔" قطبی نے کہا۔
"دانستہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" سلمان نے بڑا سا منہ بنا کر کہا اور ہمارے پاس سے ہٹ گیا۔
"مسٹر بابر صاحب آپ سلمان کے اس رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔" قطبی نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر قطبی کو خاموش رہنے کے لیے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔
"اس وقت خون ہے، اس پہاڑی کو توجہ مت دو۔"
"توجہ دینا ضروری ہے۔ آپ خود سوچیں مسٹر بابر زندگی اتنی معمولی چیز تو نہیں ہے جسے مفروضات پر قربان کر دیا جائے۔"
"مگر مسٹر قطبی ان تمام باتوں کے بارے میں تو آپ پہلے بھی سوچ چکے تھے —" "یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔" میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔
"ہاں مگر ہمیں ایسے حالات کا علم نہیں تھا۔"
"ہمیں بھی نہیں تھا۔"
"اگر معمولی دلیلوں کے معاملے میں اتنے پُرسکون ہیں تو ہمیں مطمئن کرنے کے لیے بھی کچھ کہیں۔"
"میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔"
"یہ کچھ عجیب سی بات ہوئی۔" قطبی نے ہونٹ بھینچ کے کر کے کہا۔
"ممکن ہے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہو۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے۔ میری گزارش ہے کہ آپ پُرسکون رہیں۔" میں نے کہا۔ قطبی چند لمحات میری صورت دیکھتا رہا پھر … ہو گیا۔ … اس کے چہرے سے صاف محسوس ہو رہا تھا۔
اس رات کے قیام میں بیٹھنے کے موقع پر سلمان سے گفتگو کی: "مجھے تمہارے رویے پر اعتراض ہے سلمان۔" اور سلمان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔
"میں نہیں سمجھا بابا جان۔"
"حقیقت سے صرف میں اور تم واقف ہیں جبکہ دوسرے لوگوں کو ہم ایک جھوٹی کہانی سنا کر لائے ہیں۔"
"ہاں — یہ درست ہے۔"
"ان لوگوں کا اطمینان بھی ضروری ہے۔"
"مجھے عرض کرنے دیجئے بابا جان، آپ برا تو نہیں مانیں گے۔"
"کہو۔"
"ان لوگوں کی موجودگی اب مجھے گراں گزرنے لگی ہے۔ بہتر ہوتا کہ ہم اپنی اس مہم کا آغاز کسی اور طرح کرتے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ان لوگوں کا ساتھ صرف اس حد تک ہوتا کہ یہ ہمیں معقول معاوضے کے بعد یہاں پہنچا دیتے اور اس کے بعد ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہ رہتا۔ مجھے ان کے سوالات گراں گزرتے ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے سلمان، لیکن یہ ممکن نہ ہوتا۔ اس طرح کوئی ہمارے ساتھ یہاں تک نہ آتا۔"
"ان لوگوں کو اور بڑے معاوضے کی پیشکش کر دی جاتی۔"
"خیر اب یہ بعد از وقت کی باتیں ہیں۔ ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی موجودگی غنیمت ہے۔"
"ہاں اس شکل میں خواہ مخواہ کے سوالات کر کے ذہن کو پریشان نہ کریں۔"
"تم ایک ایسی مہم پر نکلے ہو سلمان جو تمہارے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ تمہیں دماغ ٹھنڈا رکھنا ہو گا۔ ان لوگوں کو یہاں تک لے آئے ہو تو برداشت کرو۔ کوئی ایسی بات مت کرو جو ان کے لیے شبہ کا باعث ہو۔"
"آپ یقین کریں میں جان بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کرتا۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتی تو میری زبان خود بخود کھل پڑتی ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔



"تمہارے خیال میں کیا ہم صحیح راستے پر ہیں۔"
"وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو —"
"یہ بات آپ جانتے ہیں بابا جان۔ … کی جانب سے بہت سی نادیدہ قوتیں میری ہمسفر ہیں۔ یہ میرے بزرگوں کی روحیں ہیں جن کی نگاہ مجھ پر ہے۔"
میں خاموش ہو گیا۔ اس طلسمی حقیقت سے کم از کم میں انحراف نہیں کر سکتا تھا۔
صحراؤں کا سفر دوسرے روز ختم ہو گیا۔ پہاڑ، جنگل، دلدلیں، خوفناک وحشی جنگلی جانور۔ اس وقت ہم نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں بڑی بڑی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ … کہیں کہیں درخت اُگے ہوئے تھے۔
رات ہو گئی تھی۔ ہم آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ قطبی، فرازی اور نیکلسن کا رویہ اب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بددل ہو گئے تھے۔ تینوں نے ہم سے دور آرام کے لیے جگہ بنائی تھی۔
دفعتاً فرازی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی — "وہ — وہ کیا ہے۔" مطلب کوئی نہیں تھا۔ لیکن ہم سب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ بہت دور … ہم نے ایک خوفناک روشنی دیکھی تھی۔ آگ کے شعلے رات کی تاریکی میں چمک رہے تھے اور ان سے سفید دھواں بلند ہو رہا تھا۔ قطبی، فرازی اور نیکلسن نے ایک دوسرے سے … کوئی گفتگو نہیں کی تھی اور سلمان بھی کھڑے ہوئے آگ کو دیکھتے رہے۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"ممکن ہے مقامی لوگ ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سیاحوں کی کوئی پارٹی ہو۔" میری اس بات کا سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قطبی، فرازی اور نیکلسن آپس میں کچھ گفتگو کرتے رہے پھر قطبی نے میری طرف رخ کر کے کہا۔
"کیا خیال ہے مسٹر بابر — کیا وہاں چل کے دیکھا جائے۔"
"مناسب تو نہیں ہے۔ اگر یہ مقامی لوگ ہوں تو ہم ان کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ کس قسم کے لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔"
"اور اگر غیر مقامی ہوئے تو —؟" قطبی نے سوال کیا۔
"تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔"
"ہم یہ خطرہ مول لینا چاہتے ہیں۔" قطبی بولا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہم تینوں اس طرف جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ کون ہیں اور وہاں کیا کر رہے ہیں —؟"
"اصولی طور پر یہ مناسب نہیں ہو گا، مسٹر قطبی —"
"میں کسی اصول کو نہیں مانتا۔ نیکلسن اور فرازی بھی اس سلسلے میں میرے ساتھ ہیں۔ اصول کی بات آپ نے توڑ دی ہے مسٹر بابر۔ یوں سمجھیے کہ اب ہمارے درمیان کوئی مفاہمت نہیں رہی۔ جواب سے کچھ … نہیں تھی —"
"اس کی وجہ جان سکتا ہوں — مسٹر قطبی؟"
"تعجب ہے آپ سمجھدار انسان ہو کر یہ بات کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں صرف سیاہ فام غلاموں کی حیثیت دے دی جائے تو کیا ہم میں سے کوئی اسے قبول کرے گا —" قطبی بولا۔
"نہیں — یہ بات نہیں ہے۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سیاہ فام غلاموں کی حیثیت کچھ اور ہے، آپ ہمارے دست و بازو ہیں —"
"نہیں مسٹر بابر۔ سلمان صاحب کا رویہ اس بات کا مظہر ہے کہ وہ ہمیں اپنا غلام ہی سمجھتے ہیں۔"
"بہر حال میں آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مناسب الفاظ نہیں پاتا۔ لیکن میری رائے ہے کہ کم از کم رات کی تاریکی میں آپ وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں۔"
"یہ صرف رائے ہے یا حکم —" قطبی نے پوچھا۔
"میں نے کہا نا۔ صرف رائے —" میں نے بھی کسی قدر خشک لہجے میں جواب دیا۔ قطبی کے رویے سے میں خود بھی جھنجھلا سا گیا تھا۔
"تو ٹھیک ہے رائے ماننا یا نہ ماننا ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ہم تینوں جا رہے ہیں، دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے۔ آپ اگر چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں ورنہ جیسا آپ پسند کریں۔"
"جب آپ فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں آپ کو روکنے کا حق نہیں رکھتا —"
"ہم یہ ہتھیار ساتھ لیے جا رہے ہیں ممکن ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش آ جائے۔"
"ٹھیک ہے — جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" میں نے زیرِ لب کہا اور وہ تینوں اپنے ہتھیار اٹھا کر روشنی کی طرف چل پڑے۔ سلمان خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔
"کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے … جانے دیا جائے۔" میں نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے … کے عالم میں بول رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا —



www.paksociety.com

"وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، جانے دو، انہیں خود ہی واپس آجانا ہے۔" میں نے جواب دیا اور سلمان خاموش ہو گیا۔

قطبی، فرازی اور ریکان تاریکی میں گم ہو گئے۔ شعلے اب بھی نظر آ رہے تھے لیکن ان کے اطراف میں کیا تھا، اس کا اندازہ وہاں سے نہیں ہو رہا تھا۔ میں تشویش زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھ رہا۔ سلمان بھی میرے پاس ہی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر گزر گئی۔ بظاہر ایسا تھا کہ اب تک وہ لوگ اسے طے کر چکے ہوں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ لوگ کہاں رک گئے۔ اگر قطبی، فرازی اور ریکان کا یہ انداز دیکھتا تو شاید میں خود بھی ان کے ساتھ اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا لیکن وہ لوگ بیوقوفی اختیار کر رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ذہن میں یہی خیال آیا کہ میں کیوں نہ ان کے ساتھ جاؤں، یہی زیادہ مناسب سمجھوں گا۔ ہم لوگ انتظار کرتے رہے۔ رات گزرتی رہی لیکن قطبی، فرازی اور ریکان واپس نہیں آئے۔ پھر نا جانے کتنی رات گزر گئی۔ دہشت زدہ لوگوں کی آوازیں اور گھنٹیاں وغیرہ کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ رات کو سناٹے میں اگر چیخنے چلانے کی آوازیں پیدا ہوتیں تو یہاں تک پہنچ جاتیں۔ بہرحال میں نہیں آ سکا کہ کیا ہوا لیکن اب اس سے زیادہ جاگنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سلمان سے سونے کے لیے کہا اور وہ اطمینان سے لیٹ گیا۔ وہ بے فکر نوجوان تھا اور اسے کسی چیز کی فکر نہیں تھی۔ رات گزرتی رہی اور بیٹھے بیٹھے میں بھی نیند کی لپیٹ میں آ گیا۔

صبح کو اس وقت آنکھ کھلی جب قطبی میرا شانہ جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے اطراف میں چند دوسرے افراد کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب جدید لباس میں ملبوس تھے۔ البتہ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ لباس بھی ان کے میلے کچیلے اور بوسیدہ ہو گئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ طویل عرصے سے صحرائے اعظم کا سفر کر رہے ہیں اور خاصی پریشان حالی کے عالم میں سرگرداں رہے ہیں۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں، بال الجھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے کسی قدر وحشت اور تھکن نمایاں تھی لیکن ہوش و حواس میں سب ہی تھے۔ ان میں سے ایک چوڑے شانوں والے شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایلڈرک کہتے ہیں۔ پروفیسر وان ایلڈرک، جرمن محقق اور سیاحوں کی حیثیت سے صحرائے اعظم میں آیا تھا۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر ایلڈرک۔" میں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد سلمان نے بھی ان سب سے مصافحہ کیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جب سے ہم لوگوں کو کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔

"مسٹر قطبی نے آپ کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ یقیناً آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ایلڈرک نے کہا۔

"شکریہ، شکریہ۔"

"دراصل میں اس ٹیم کا سربراہ ہوں اور میری ہی سربراہی میں یہ تمام لوگ صحرائے اعظم کے سفر پر نکلے تھے۔ ہم لوگ ذہنی دولت کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہمارے علم میں تھیں۔ ذہنی دولت ہمیں ابھی خاصی مقدار میں مل گئی ہے لیکن اس کی باربرداری ہمارے لیے بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ بڑا سست سفر ہو رہا ہے ہمارا۔ اس سفر میں خاصی مشکلات پیش آئیں۔ زیادہ آدمیوں کی ضرورت تھی تاکہ ہماری افرادی قوت بڑھ سکے۔"

"ان میں یقیناً دیکھئے کتنی مقدار میں ذہنی دولت آپ نے حاصل کر لی ہے۔"

"بہت کافی ہے۔ ہم نے صرف اتنا اپنے ساتھ لیا جتنا بار کر سکتے تھے۔ ہاں ایک بہت بڑا ذخیرہ ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس قسم کی چیزوں کو ترک کر کے جانا ایک بہت بڑا خسارہ ہے لیکن آپ نے اس بارے میں پہلے نہیں سوچا تھا؟"

"سوچا تھا اور بہت سارے انتظامات کر کے چلے تھے لیکن صحرائے اعظم کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے اور ہماری وہ سواریاں ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں جن کو ہم پورے اعتماد سے اپنے ساتھ لائے تھے اور اس کے بعد بالآخر ان ہی دو پیروں پر تکیہ کرنا پڑا۔"

ایلڈرک نے کہا۔ خوش اخلاق اور منکسر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ یہی گفتگو کر رہا تھا۔ قطبی، ریکان اور فرازی بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ یعنی اب ان کے چہرے پر وہ کیفیت نہیں تھی جو پہلے تھی۔ اور یہی بات مجھے شبے میں مبتلا کر رہی تھی۔ میں نے ان تمام افراد کو دیکھا۔ کچھ جرمن تھے اور کچھ یورپ اور دوسرے علاقوں کے باشندے۔ ایک چوڑے شانوں والا پستہ قد بوڑھا شخص تھا جس کے خدوخال سے کسی قدر شائستگی ظاہر ہوتی تھی لیکن بہرطور وہ بھی یورپی ہی معلوم ہوتا تھا۔ نیلی آنکھوں اور مخصوص رنگ کی وجہ سے اسے یورپین ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دبلی چھوٹی سی عمر کا نوجوان آدمی تھا جس کے بال لمبے لمبے اور اخروٹی تھے اور بری طرح بکھرے ہوئے تھے لیکن اس کا چہرہ نرم اور حلیم تھا۔ بدن پر بہت سارے لباس لادے ہوئے تھا۔ غالباً وہ سردی کا مریض تھا۔ ناک کا نچلا حصہ سرخ ہو رہا تھا لیکن خدوخال میں بے حد جاذبیت اور کشش تھی۔ یہ تمام افراد ہماری جانب نگراں تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور مسکراتے ہوئے کہا۔



"ہم نہیں جانتے کہ آپ کے پاس رسد کے کیا انتظامات ہیں لیکن جائے پانی پر کچھ دیر جب ہم قطبی، مہمان نوازی کا آپ کو موقع میں مل جائیں کیسی؟"

"اگر ہاتھ پر رکھ دیا ہے تو ہم اس کا ذائقہ بھی بھول گئے ہیں۔" ایلڈرک نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے گردن ہلا دی۔

"اس سلسلے میں فرازی، قطبی اور ریکان ہی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور ریکان نے گردن ہلائی اور دوستانہ انداز میں کافی تیار کرنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ ان کا موڈ اچانک کیسے بدل گیا ہے۔ اس سے قبل وہ مکمل عدم تعاون پر آمادہ تھے لیکن سب لوگوں کے ساتھ ان کے رویے میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ کوئی تھا جس نے ان کو خوشگوار فضا میں بدل دیا تھا۔

ایلڈرک نے سوال کیا: "ہم اپنے پیچھے مشکل کا ایک بنی نوع چھوڑ آئے ہیں لیکن ہم نے مہمانوں کی مدد میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ ان لوگوں نے بڑی سخت مدد کی ہے کہا جا سکتا ہے اور میرے دل میں خوشی سے اتار پیدا ہو رہے تھے، انکے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ اگر وہ ان کا ساتھ رہا تو دو تین دن کے بعد یہ لوگ بھوکے پیاسے نکلیں گے اور ان کے جسم ویران جنگلوں پر بلند ہو جائیں گے۔ اس بار کسی مرتبہ لیکن بہرطور کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ البتہ قطبی، فرازی اور ریکان کا انداز میرے لیے اب بھی پریشان کن تھا۔ میں ان لوگوں کے اچانک بدل جانے والے رویے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

میں نے اس سلسلے میں ابھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کا پتا مزید کیا ہے۔ تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ایلڈرک میرے نزدیک بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"آپ کے دوست نے مجھے اپنی مہم کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کے ساتھی مزدور فرار ہو گئے اور آپ کا کافی سامان لے گئے۔ بہرطور صحرائے اعظم میں ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہم لوگوں نے پہلے بھی ایک طویل عرصہ ان جنگلوں میں گزارا ہے۔ کیسے کیسے ہیبت ناک واقعات سے دوچار ہوئے ہیں۔ بہرطور میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں مسٹر...!"

"ہاں ہاں فرمائیے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا تصور ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے تو کیا آپ کو اپنے ساتھیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ میرا مطلب ہے اگر ذرا دنیا کی جگہ جو ذرا ہو گئی ہیں!"

"اگر میں اس بات کا اقرار کر لوں تو پھر؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم آپ کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہیں، مالی فوائد کی حیثیت سے بھی اور بہتر ساتھیوں کی حیثیت سے بھی۔"

"لیکن آپ کا اپنا مشن تو پورا ہو چکا ہے مسٹر ایلڈرک۔"

"نہیں، جب تک یہ ہمیں، آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ زیادہ بہتر ہے لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ مزید کچھ حاصل کر لیں۔"

"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن مسٹر ایلڈرک دولت کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ ویسے میں تقریباً اکیلا ہوں، لہٰذا آپ لوگوں کا ساتھ میرے لیے بہتر ہو گا۔"

"اگر یہ بات ہے تو آئیے پہلے اپنی جگہ چھوڑ دیں اور وہاں چلیے جہاں ہم نے ذہنی دولت ذخیرہ کر رکھی ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا۔ سلمان اس دوران کچھ خاموش رہا تھا۔ وہ بہت کم میرے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ ایسے میں جانتا تھا کہ اگر اسے مداخلت کرنی ہوتی تو وہ ضرور بولتا۔ چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ قطبی، فرازی اور ریکان ان کے ساتھ تھے۔ ہم سب نے ایک طویل سفر طے کیا اور آخر کار اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہم نے دیکھا کہ واقعی ذہنی دولت کا ذخیرہ موجود تھا۔ یہ ذہنی دولت تھا۔ یقینی طور پر ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ بیوپاری ہوں گے۔ سونے کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنائی گئی تھیں اور یقیناً وہ ان ڈھیریوں کو اپنے شانوں پر لاد کر چلتے ہوں گے۔

"دیکھئے یہ ہے وہ ذخیرہ جس کی قیمت مہذب دنیا میں کافی زیادہ ہے۔ لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم اسے اپنی زندگی پر تقسیم کر سکیں۔ ہمیں یہاں سے کوئی بھی ایسی چیز حاصل نہیں کرنی کہ جس کے بعد مہذب دنیا میں پہنچیں تو ہمارا اپنا ایک الگ مقام بن جائے۔ ہم اپنے اس سفر کو مکمل سمجھتے ہیں۔ سفر بھرا اچھا رہا۔ اگر آپ کی مدد سے یہ سفر مکمل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو گی۔"

"لیکن آپ لوگ کیا مزید صعوبتیں اٹھانے کے لیے تیار ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ یہ جو سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اسے دوبارہ طے کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟"

"یقیناً، ظاہر ہے ہمارا مقصد یہ تھا اور یہ تو ساتھ ہے کہ اگر کوئی کام... نہ ہو تو وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ہم سب تیار ہیں۔"

"آپ کے تمام ساتھی اس کے لیے تیار ہیں؟"

"سو فیصدی۔ ہم میں سے کوئی بھی اس سے منحرف نہیں ہے۔"

"مگر اس ذخیرے کا کیا کیا جائے گا؟"

"اسے ہم کہیں کسی پہاڑی غار میں پوشیدہ کر دیں گے اور اگر ہم کوئی ایسی جگہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اس ذخیرے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو تو پھر اس طرف کا رخ نہیں کریں گے بلکہ وہاں سے دوبارہ اس کا بندوبست کر لیں گے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو سکا تو پھر اس کو...

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]



www.paksociety.com

[illegible] کے خزانے کے نزدیک [illegible] بھی کسی شخص کا وجود
نہیں ہے۔ اگر یہ تم لوگ [illegible] تو تم بھی باہر جا سکتے ہو ورنہ اگر یہ تم
[illegible] تمام چیزوں کا علم ہے تو
[illegible] ساتھیوں سے کوئی [illegible] ہو سکتی [illegible]
[illegible] آہستہ آہستہ [illegible] ختم ہو جائے گا۔"

"سوال یہ ہے [illegible] کہ اب یہ پہنچا کیسے ہے [illegible] اس
میں کوئی شک نہیں ہے [illegible] میرے دوست [illegible] منصوبہ کیا ہے؟"

"منصوبہ یہ ہے کہ یہاں سے تم لوگ [illegible] کسی مناسب
جگہ [illegible] وہ تمہارے ساتھیوں سے خوفزدہ ہیں۔
[illegible] ہیں کہ تم دونوں طاقت ور اور بہترین ذہانت کے مالک ہو اس
لیے وہ تمہیں [illegible] قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کے پاس
ہتھیار نہیں ہیں۔ [illegible] تمام لوگ براعظم [illegible] پہنچ چکے ہیں۔
[illegible]

جب تمہارے ساتھی [illegible] کے سامنے [illegible] ممکن ہو سکے
تو وہ ان کا ساتھ دیں اور خزانہ حاصل کرنے میں ان کی مدد کریں۔ خزانہ
حاصل ہو جائے تو [illegible] دونوں کو قتل کر دیا جائے اور وہ سب آپس
میں یہ خزانہ تقسیم کر لیں۔ تمہارے ساتھیوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ
[illegible] واپس جانا چاہتے ہیں۔ وہ [illegible] براعظم میں خزانے
کی تلاش [illegible] مشکل کام نہیں ہے اور وہ خود بھی یہ سب کچھ کر
سکتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] کے پاس [illegible] بھی ہے۔ [illegible]
[illegible] رکھا ہے۔ جب وہ خزانے کے
لیے تیار ہو گئے تو تمہارے ساتھیوں نے انہیں پیش کش کی کہ وہ
[illegible] کے ساتھ [illegible] جانا چاہتے ہیں [illegible] ایک بڑی
دولت [illegible] حاصل کرنے کے بعد آپس میں تقسیم کر
لیں گے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دونوں کو قتل کر دیا جائے۔
اور تم واپس [illegible] نہ پہنچ سکو۔

ہمارے ساتھی ان لوگوں کی اس بات پر رضامند ہو گئے ہیں اور
انہوں نے ان لوگوں سے گٹھ جوڑ کر لیا اور فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے
واپس جاتے وقت تم دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ [illegible]
[illegible] لوگ تمہاری اس دولت کی [illegible] ہو سکتے
[illegible] کے عالم میں رہ گئے تھے
[illegible] بھی [illegible] نہیں تھی۔
اگر [illegible] ان لوگوں کے سامنے [illegible] سلام [illegible]
سلطان نے [illegible] میں کہا: "وہ لوگ [illegible]
کا مطلب [illegible]"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔
"انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے منصوبے [illegible]
سلطان [illegible]۔
"خود کو قابو میں رکھو سلطان، یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔"
"تو پھر ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔"
"نہیں یہ بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ تم چوہے نہیں۔ اگر یہ بات
[illegible] تو تم آسانی سے ان کے شکار نہیں بن سکتے تھے۔
[illegible] آگے کر پر جائے۔"
"کیا ایسے غداروں کو سزا دینا مناسب نہیں ہے؟" سلطان کو غصہ
کم نہیں ہوا تھا۔
"نہیں ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی نقصان پہنچانے کا حق نہیں
رکھتے۔ دنیا کا قانون یہاں نافذ نہیں ہے لیکن انسانیت کا قانون ہر
جگہ انسان کے رگ و پے میں بستا ہے۔"
"یہ قانون انہوں نے توڑا ہے۔"
"وہ ان کا فعل تھا۔ ہمارا ضمیر ہمیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔"
لیکن اس بات پر مجھے بھی غصہ آ گیا۔
"ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد نہیں جو کچھ کرنا ہے خود کریں گے۔
میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔" میں نے کہا اور سلطان چونک پڑا۔ وہ
چند لمحات خاموش رہا پھر [illegible] ہو۔
"سیورس چچا جان۔"
"ہاں دوست اب تم بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟"
"ہیرلڈ ہرسٹ۔"
"تم ہم سے کیا چاہتے ہو اور یہ قیمتی اطلاع تم نے ہمیں کیوں
دی ہے؟"
"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے اور پروفیسر بارازی کو
اپنی پناہ میں لے لیں۔"
"پروفیسر بارازی کون ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ بزرگ جاپانی ہیں، میں ان کی کہانی بعد میں سناؤں گا۔"
"کہاں ہیں وہ؟" میں نے پوچھا۔
"اس طرف ہیں۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں اسی وقت انہیں
بلا لوں گا۔"
"تمہارا نام ہیرلڈ ہرسٹ ہے، جب کہ پروفیسر بارازی کسی ایشیائی
ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمہارا آپس میں کیا تعلق ہے؟" میں نے
پوچھا۔
"کوئی تعلق نہیں۔ صرف انسانی رشتوں کی بات کر دادا سی
انسانی رشتے کی بنیاد پر پروفیسر بارازی میرے لیے بہت زیادہ اہمیت



رکھتے ہیں۔ کیونکہ میں تقریباً سو لرسال سے ان کے ساتھ ہوں۔"
"سو لرسال سے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں۔"
"گویا۔ گویا پروفیسر بارازی تمہارے ہم وطن ہیں۔ میرا مطلب
ہے وہ تمہارے ساتھ ہی پہنچے تھے؟"
"نہیں، یہ بات نہیں۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"شاید تم اس پر یقین نہ کرو۔"
"ایسی کیا بات ہے جو یقین کے قابل نہیں ہے۔ میں جن حالات
سے گزر رہا ہوں ان کے تحت لگتا ہے ہر ناممکن بات پر بھی یقین آ جاتا ہے۔"
میں نے کہا۔
"تو سنو، میں سولہ سال سے براعظم افریقہ میں گزار چکا ہوں۔"
ہیرلڈ ہرسٹ نے جواب دیا۔
"سولہ سال براعظم افریقہ میں۔ تمہاری عمر کیا ہے؟"
"تقریباً بائیس سال۔"
"گویا تم چھ سال کے تھے جب تم افریقہ میں آ گئے۔"
"ہاں۔ اور یہاں عجیب و غریب حالات کا شکار رہا۔
تم میری کہانی سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"
"تو کیا تم یہاں اکیلے تھے؟"
"نہیں۔ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ تھا۔ میرا مطلب ہے
میرے والد، والدہ اور دو بھائی۔ یہ بھی میرے ساتھ تھے لیکن وہ
سب آہستہ آہستہ لقمۂ اجل ہو گئے۔ صرف میں بچ گیا۔"
"تب تو تمہیں براعظم افریقہ کے بارے میں بہت سی معلومات
حاصل ہوں گی۔"
"یہ ساری باتیں تم کبھی کرنا۔ یہ دلچسپ ہیں، وقت آنے پر
میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لو۔"
"ہیرلڈ ہرسٹ کیا پروفیسر بارازی ان لوگوں سے بدلہ لینے
کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ انہیں چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں۔"
"ہاں۔ میں نے کہا نا۔ وہ خود بھی بہت اچھے انسان ہیں اور
کسی بھی طور تمہارے ساتھ ہونے والی غداری کو پسند نہیں کریں گے۔
اگر ہم انہیں صورت حال بتائیں تو وہ سو فیصدی ہمارا ہی ساتھ دیں گے
اور پھر پروفیسر بارازی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔"
"مگر ایک سوال کا جواب اور دے دو ہیرلڈ۔"
"یہ چھوڑو، پوچھو کیا پوچھو۔" ہیرلڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم اس ٹولی میں کیسے شامل ہوئے؟"
"تقدیر دیکھو، ان لوگوں نے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔

ہم ان کے لیے بار بار [illegible] کے نزدیک [illegible] ہیں۔ ایک
طرف سے [illegible] ان کے حالات کے تحت ان کے کسی بھی کام
کے لیے انکار نہیں کیا کیونکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ہم
ان کی کسی بات سے انحراف کریں گے تو یہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ ہم
نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح ہم بھی مہذب دنیا میں پہنچنے کی کوشش
کریں گے لیکن اب جب ہمیں یہ موقع مل رہا ہے تو ہم ایسے لوگوں
کا ساتھ کیوں دیں۔"
"گویا تم لوگ مہذب دنیا میں نہیں جانا چاہتے؟"
"یہ بات بھی نہیں ہے لیکن مجھ سے کیا کہا جا سکتا ہے کہ
یہ لوگ ہمیں مہذب دنیا تک لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں؟ نہیں!"
"ہاں یہ تو ٹھیک ہے! ایسے تو خود ہماری منہ بولی بات
ہے کہ ہم ایسے [illegible] مہذب دنیا تک پہنچ جاؤ۔"
"ہاں بلاشبہ [illegible] میں تو اس سلسلے میں سوچ
رہا تھا۔"
"ہوں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ تم نے چھ سال کی عمر سے
براعظم افریقہ میں زندگی بسر کی ہے۔ اور اس کے باوجود تم کافی
مہذب ہو۔"
"میں نے کہا نا، میری کہانی بہت عجیب ہے۔ سنو گے تو دنگ
رہ جاؤ گے۔ میں اپنے والدین سے کوئی واقف ہوں [illegible] مہذب
ادب جانتا ہوں۔"
"واقعی حیرت انگیز بات ہے۔ بہرطور ہیرلڈ، ہم تمہاری دنیا
پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"
"سب سے پہلے یہاں سے دور نکلنے کی کوشش۔ ان لوگوں
سے دور نکل جانے کا بندوبست۔" ہیرلڈ نے جواب دیا۔ سلطان نے
ادھر ادھر دیکھا اور ساتھ کر چل دیا۔ لیکن میں نے اسے بیٹھنے کا
اشارہ کیا۔ خود ہیرلڈ بھی اس بات پر متفق تھا کہ سلطان بیٹھے رہیں۔
"پہلے کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد ہم اس پر عمل
کریں گے۔ اس سے قبل ان لوگوں کو ہوشیار کر نا موت کو دعوت
دینے کے مترادف ہوگا۔"
"میں کچھ اور چاہتا ہوں چچا جان۔" سلطان نے کہا۔
"وہ کیا؟"
"یہ سب کے سب بے خبر سو رہے ہیں۔ کیوں نہ ان کے ہتھیار
ہم اپنے قبضے میں لے لیں۔"
"سلطان میاں اتنا آسان نہیں ہوگا۔ بہرطور وہ خود بھی بچے
نہیں ہیں۔"
"ٹھیک ہے لیکن اگر اس سلسلے میں کوئی لائحہ عمل ہو تو پھر ہم

تو آپ کے علم میں آ گیا ہے۔ جب وہ لوگ شکاری ہی ٹھہرے تو ہمیں انہیں چوک کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے؟"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے، احتیاط کی بات کریں گے۔ پہلے تم پھیلا کر رکھو، کیا رکھا ہے۔"

"جب آپ اتنی باتیں نہیں کر رہے [illegible] ترکیب [illegible] ہے کہ ہم ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں لے لیں اور یہاں سے نکل چلیں۔ مسٹر ہیزل کا ساتھ [illegible] اور پروفیسر رازی کو [illegible] میں مسٹر ہیزل نے آ بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہاں سے کتنی دور جاؤ گے۔ میرا خیال ہے یہ لوگ [illegible] بہت زیادہ لمبا سفر نہیں کر سکتے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" ہیزل نے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"پہلے سے بہت زیادہ [illegible] جائیں گے ہم لوگ جس جگہ ہم نے قیام کیا تھا وہاں سے [illegible] بہت [illegible] ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے [illegible] میں [illegible] کسی غار میں [illegible] کے بجائے ہم [illegible] نشانات چھوڑ دیں گے [illegible] کہ ہم اس سمت نکل گئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان غاروں میں پناہ لیں گے اور انتظار کریں گے کہ یہ لوگ یہاں سے دور نکل جائیں۔"

"ہیزل کی تجویز کافی حد تک درست ہے۔ میرے خیال میں اب یہ تجویز [illegible]" میں نے کہا۔ [illegible] ان لوگوں کو قتل کرنے کے لیے [illegible] اگر ہم بے گناہ لوگوں کو [illegible] سمجھا جاتا تھا [illegible] ہم [illegible] سے [illegible] لیکن [illegible] تھا کہ ہم ان کی یہ حرکت برداشت کر لیتے۔ [illegible] کے لیے نکل سکتے ہیں [illegible] نہیں تھا [illegible] کے لیے [illegible] تھا [illegible] بہت زیادہ [illegible] تھا کہ ان لوگوں نے [illegible] کو [illegible] سازش کی ہے۔

پھر [illegible] ایک [illegible] بیکار رہتا [illegible] اور [illegible] پر [illegible] کا [illegible] کر لینا ہی ہتھیار حاصل کرنے کی [illegible] سے [illegible] یا [illegible] کو [illegible] تو [illegible] ہم [illegible] سے نکل چلیں [illegible] کام کرنے چلا گیا۔

[illegible] مجھے پروفیسر [illegible] کے [illegible] آتے ہی [illegible] پروفیسر رازی آہستہ [illegible] کی [illegible] بیٹھا ہوا تھا [illegible]

چٹان کے پاس پہنچ گیا اور پروفیسر رازی کے نزدیک لیٹ گیا جیسے ہی لیٹے آہستہ آہستہ میجر زادہ نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر کسی قدر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"کوئی نئی بات ہے؟"

"پروفیسر رازی برائے کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔ میں خود کو سنبھالے ہوئے ہوں۔ پہلے نیند کے عالم میں تھا لیکن اب جاگ گیا ہوں۔"

"پروفیسر رازی آپ ہیزل پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟"

"ہیزل۔ ہاں ہاں کیوں نہیں، کیوں نہیں، کیا ہو گیا ہے؟" پروفیسر رازی کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کا تجزیہ ہے کہ ہم سب لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ میرا مقصد ہے میں سلطان آپ اور ہیزل کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اوہ ہیزل نے تمہیں تفصیلات بتا دی ہیں۔ چلو اچھا ہی کیا۔ میں نے اسے یہی مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس سے یہی کہا تھا۔"

"ہاں ہیزل نے مجھے بتا دیا ہے۔"

"تو تم ہیزل کی بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں۔ نہ صرف یہ بلکہ مقصد یہ ہے پروفیسر! اگر ممکن ہو تو ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے لیکن میں قتل و غارت گری پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے بیٹے وہ سخت لوگ ہیں اور اگر ہم ان کو دشمن سے دوستی نکل گئے تو یہ ہمیں فوراً ہلاک کر دیں گے۔ تم جلدی سے تیاری کرو کہ یہاں سے نکل چلیں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔

"ہاں ہاں یہاں سے نکلنے کی تیاری کیجیے ہم لوگ۔ میرے بیٹے مجھے بتاؤ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" پروفیسر رازی بولا۔

"کچھ نہیں آپ تیار رہیں۔ بس تھوڑی دیر کے بعد ہم یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" پروفیسر رازی نے جواب دیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جہاں سلطان اور ہیزل اپنا کام انجام دینے کے لیے گئے تھے۔ میں نے انہیں ایک عمارت کے ساتھ ٹیلے پر نظریں جمائے ہوئے دیکھا۔ اب مرزا ہیزل وہ گئے تھے جو ان لوگوں کے پاس موجود تھے۔ پھر کھڑ کی [illegible] کے پاس جو بیٹھے تھے۔ یہ اچھی جگہ تھی کہ اصل چیز [illegible] جو کہ کارتوسوں کی پیٹیاں اور بندوقیں ان کے پاس تھیں رکھی ہوئی تھیں۔ سلطان اور ہیزل بڑی احتیاط سے اٹھا لائے۔ اور انہوں نے وہ ہیزل کے حوالے کر کے ساتھ رکھ دیا۔



پروفیسر رازی کی نگاہ اٹھی [illegible] وہ لوگ ابھی بھی گہری نیند سو رہے تھے۔ سلطان بھی میرے ساتھ تھا۔

[illegible] کے پاس پستول رہ گئے ہیں اگر ہیں پستول ان کے پاس سے نکالنے کی کوشش کی تو یقینی طور پر وہ جاگ جاتے۔ بتا ہیزل اب اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

"کوئی حرج نہیں ہے پستول ان کے پاس رہنے دو۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی ہم کوشش کریں گے کہ دور جا کر نزدیک نہ پہنچیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میرے خیال میں اب یہاں رکنا مناسب نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ پہلا قدم یہ کرو کہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس جگہ سے نیچے اتر چلو۔ پھر ہم وہاں سے اس جگہ پہنچ جائیں گے جس کی نشاندہی تم نے کی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ضروریات کا سامان؟"

"وہ سامان بھی ہم لے لیتے ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ وہی سامان ہم لے سکیں گے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ باقی ان کے تو سامان ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا اٹھانا بھی اس طرح مشکل ہے جیسے طرح پستول حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پہلے ہم لوگ ان کے ساتھ چلیں یا پہلے وہ نشانات بنا دوں جن سے وہ لوگ غلط راستوں پر چل پڑیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے یہ نشانات بنا لیتے ہیں۔ اس کے بعد گھومتے ہوئے اس جگہ پہنچ جائیں گے۔" ہیزل نے مشورہ دیا اور میں نے اس مشورے سے بھی اتفاق کیا۔ اس کے بعد ہم نے سامان کے تھیلے اپنے جسموں سے باندھے اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے نیچے ڈھلوانوں میں اترنے لگے۔ ہم احتیاط سے قدم اٹھا رہے تھے کہ کہیں ہمارے پاؤں کے نیچے سے کوئی پتھر لڑھک کر نیچے نہ جائے اور یہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں۔ [illegible] کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں تھا جیسے میں نے ہیزل اور پروفیسر رازی کو بتایا۔ ایک پستول اور کارتوسوں کی پیٹی مجھے دی گئی تھی۔ ایک پستول ہمارے پاس پہلے ہی تھا جسے سلطان نے اپنے دوسرے شانے سے لٹکایا ہوا تھا۔

ہم لوگ نیچے اترتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اتنے فاصلے پر پہنچ گئے کہ وہاں سے ہماری باتوں کی آواز وہاں تک نہیں جا سکتی تھی۔ اس کے بعد سلطان نے سب سے پہلے کچھ چیزیں وہیں گرا دیں۔ اس کے بعد کچھ فاصلے پر جا کر ایک آدھ چیز اور نیچے گرا دی۔ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ اسی راستے پر چل پڑیں اور یہ سوچیں کہ ہم نے اسی جگہ سے سفر کیا ہے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں کہ ان کے بغیر ہمارا گزارہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم انہیں یہاں چھوڑ کر آگے چلے۔ کافی دور تک ہم ایسا ہی کرتے رہے اور نشانات چھوڑتے چلے گئے۔ جوتے پہن کے نشانات بھی بنائے۔ ہم اس پر چلتے رہے۔

بس۔ مختلف جگہ ایک دو دو کا ایک ڈھیر چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ دو دو کے فاصلے سے دو دو گز رکھے اور ہم لوگ اسی سمت گئے ہیں۔

جب وہ دور کا پورا شو بنا لیا تو ہم نے واپسی کا سفر طے کر دیا۔ اور پہاڑی احتیاط سے ایک لمبا چکر کاٹ کر ہیزل کے بتائے ہوئے راستے پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہاڑیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت بڑی چٹان کی آڑ میں ہیزل نے ایک غار کی جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

"یہ غار اتفاق سے میں نے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو اس کے بارے میں نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہم لوگوں کو اپنا تمام سامان اس میں منتقل کر دینا چاہیے۔ یہاں اور بھی چند غار ہیں۔"

"مگر ان لوگوں کے ساتھ تم تو۔ تمہیں ان غاروں کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟"

"میں یہاں تنہا آیا تھا۔ پہاڑوں میں یونہی آوارہ گردی کے لیے نکل پڑا تھا۔ تب میں نے یہاں غار دیکھے تھے لیکن میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"کیوں؟"

"بس یہ بتانے میں کوئی بات نہیں تھی۔ تعلق نہیں تھا کیا ذکر کرتا ان سے۔"

"گویا اتفاقات خیال میں یہ محفوظ ہیں؟"

"یقیناً میرا دعویٰ ہے کہ ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل گئے ہیں۔ انہیں اس بات کا شاید تو پتہ چل جائے گا کہ ہم نے انہیں ہوشیار کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ میں اور پروفیسر رازی دونوں یہ سمجھ لیں گے کہ ہم صورتحال سے آگاہ ہو گئے ہوں گے۔ اس کے بعد خود وہ ہماری تلاش میں دوڑ پڑیں گے یا پھر اپنا راستہ اختیار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنا سامان اس غار میں منتقل کر دیا۔ چٹانوں میں چھوٹے چھوٹے اور بھی غار تھے۔ چنانچہ میں اور پروفیسر رازی ایک غار میں چلے گئے۔ ہیزل اور سلطان دوسرے غار میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔ پھر ہم رات گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پروفیسر رازی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ چونکہ ہم جاگ رہے تھے۔ اس لیے میں نے پروفیسر سے سلسلہ گفتگو شروع کر دیا۔

"پروفیسر رازی آپ بھی وہ داستان سن چکے ہیں جو ہیزل نے مجھے سنائی ہے؟"

"یقیناً اس نے تمہیں اس سازش کے بارے میں بتایا ہوگا جو قبیلے کے آدمی ہمارے خلاف کر رہے تھے۔"

"ہاں۔ ویسے پروفیسر رازی اس دوران میں کسی پر بھروسہ کرنا بڑا

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

ہم تمہارا کام اس علاقے میں قربان کر دیں گے؟"

"میرے دل کی بات تم نے زبان سے کہہ دی۔ نہایت مناسب خیال ہے۔ یہ جگہ ہونے سے محفوظ ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "بہرکیف خاص بات یہ ہوئی کہ [illegible] کی مدد کر دی تھی۔ اس نے زیادہ وقت [illegible] تھا۔ رات کو اس نے ایک [illegible] منتخب کیا۔ [illegible] ہوا تھا۔ وہ [illegible] کی دنیا کا انسان نہیں تھا۔ اس لیے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

[illegible] ایک [illegible] بھی تھے۔ [illegible] وقت ہم نے عراق میں [illegible] بھی [illegible] کسی انسان کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس سے ہم نے [illegible] کر دو لوگ تو [illegible] اور اب ان کی اس طرف واپسی ممکن نہیں تھی۔ رات کو پروفیسر رازی سے اس موضوع پر دیر تک گفتگو ہوئی۔

"آپ نے جادو کی وجہ سے یہ [illegible] پروفیسر، اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"میں نے تم سے کہا [illegible] اگر تم ساتھ جانا چاہو تو [illegible] یہیں [illegible] ہوں۔"

"اس کی روشنی میں تم [illegible] پروفیسر، ہماری خوش بختی ہوگی کہ تم ہماری رہنمائی کرو۔"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں دوست۔"

"ہاں کہو۔"

"عراق کے [illegible] کی بستی ہے۔ [illegible] مزید ہوسکے ہیں۔ لیکن ان کا حصول آسان نہیں ہے۔ بہت [illegible] نہیں رہتیں [illegible] کے حصول کے بعد [illegible] سے فائدہ اٹھا کر [illegible] کی کہانیاں [illegible] سکتے ہیں۔"

"ان کے بارے میں پروفیسر؟ ابھی اپنا [illegible] ہے۔"

"ان علاقوں کا [illegible] جانتے ہو؟" پروفیسر نے پوچھا۔ اور مجھے تفصیل بتانے لگا۔ پروفیسر ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ جب [illegible] خاموش ہو گیا تو اس نے کہا۔

"یقیناً اس جگہ کے بارے میں تمہیں معلوم ہوا؟"

"ہاں ایک [illegible] پروفیسر۔"

"تم تو جیسا [illegible] نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اس [illegible] کی کہانی [illegible] ہے۔ اگر یہ سب [illegible] سے فائدہ اٹھا سکو تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس [illegible] میں قسمت نے [illegible] کر دیا ہے۔ [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] ہوں۔ وہ الہسرا کی سلطنت۔ اس کی حکومت [illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible] سکتی۔"

پروفیسر کی زبان سے الہسرا کا نام سن کر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ خاص طور سے سلطان کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے اسے [illegible] کے سامنے [illegible] پایا۔ [illegible]

"الہسرا۔ کیا بات ہے؟" میں نے [illegible] کر پوچھا۔

"عراق کے اعظم کی ایک [illegible] جس کی حکومت [illegible] علاقوں پر ہے۔ وہ ایک [illegible] سے [illegible] ہزاروں سال سے [illegible] زندہ ہے۔ ان کی حکومت کے [illegible] کے تمام علاقوں میں [illegible] ان کی حکومت کا ایک [illegible] ہے۔"

"کہانی؟"

"[illegible] جہاں میں نے زندگی گزاری ہے۔ جہاں [illegible] خاندان کی حکومت ہے۔ [illegible] الہسرا کی حکومت [illegible] ہے اور اس کے [illegible] چھوٹے چھوٹے علاقوں کے حکمران ہیں۔ ان کا حقیقی [illegible] ہے۔ [illegible] ہزاروں سال سے زندہ ہے اور اس کا حکم ان علاقوں پر مسلط ہے۔ [illegible] کے علاقوں میں [illegible] ان کے [illegible] سے پوجتے ہیں۔ وہ ان کے [illegible] چاہے کوئی کیسی ہی [illegible] سے انحراف نہیں کرتا۔ [illegible] ہے۔ ان علاقوں میں اگر کوئی اس سے منحرف ہے تو [illegible] کا [illegible] اپنی [illegible] کی [illegible] بڑا جادوگر ہے اور [illegible] قبضے میں [illegible] تم [illegible] الہسرا کا زور نہیں چلتا۔ [illegible] نہیں کر سکتا۔ [illegible] سے نفرت کرتے ہیں۔ اور وہ [illegible] رہتا ہے۔"

میں حیرت اور دلچسپی سے پروفیسر رازی کے انکشافات سن رہا تھا۔ سلطان کی آنکھوں میں بھی حیرت کے آثار تھے۔ رازی خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"[illegible] کہاں ہے؟"

"[illegible] کوئی مقرر جگہ نہیں ہے اس کی۔"

"اگر کوئی اسے تلاش کرنا چاہے تو؟"

"ممکن ہے۔ اتفاق سے کسی کو نظر آ جائے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہارا علم [illegible] ہے پروفیسر۔ کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ الہسرا ہزاروں سال سے زندہ ہے؟"

رازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر [illegible] "زندگی کا ایک [illegible] ہے جس کے عالم میں [illegible] یہ بات پہلے تسلیم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن میرے دوست وقت [illegible] پہلے اس کے



"سوار [illegible] ہیں۔ یہ جادوگری ہے کسی [illegible] عجیب [illegible] دنیا پھیل [illegible] تم مجھے اس [illegible]"

"تم نے اس کی [illegible] ہو؟"

"ہاں [illegible] حقیقت ہے۔"

"تم [illegible] پروفیسر؟"

"صرف ایک بات۔ اگر حقیقت پسند ہو تو [illegible]۔"

"کیوں؟"

"[illegible] بے مثال ہے۔ [illegible] اگر کوئی انسانی [illegible] ہے۔ [illegible] کا وجود [illegible] مشکل ہے۔ [illegible] ایک [illegible] میں نے خود [illegible] دیکھا۔"

"اب ایک [illegible] سوال پروفیسر صاحب۔ [illegible] کا [illegible] ہونا چاہیے؟"

"[illegible] دیکھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ایک روایت [illegible] ہزاروں سال سے [illegible] ہے کہ [illegible] سے قبل ان علاقوں پر اس کی حکومت تھی جو الہسرا نے چھین لی۔"

"یعنی میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ہزاروں سال سے زندہ ہے؟"

"اس کے بارے میں [illegible] نہیں ہیں۔ [illegible] ہے کہ [illegible] حاصل کرنے کے [illegible] ہیں۔ [illegible] کہتے ہیں کہ [illegible] کا ایک نسل ہے۔ [illegible] نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔"

"وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"الہسرا کا زوال۔"

"کیوں کامیاب نہیں ہو سکا وہ؟"

"کبھی نہیں۔ [illegible] دوسرے جادوگر [illegible] چلے۔"

"مگر [illegible] ایک نسل ہے تو وہ نسل کبھی [illegible] ہوگی؟"

"نہیں۔ [illegible] زندگی [illegible] ہے۔ وہ اپنے [illegible] ہے۔" رازی نے بتایا۔ "میں [illegible] تمہیں اس داستان سے بہت دلچسپی ہو رہی ہے؟"

"ہاں پروفیسر، یہ داستان [illegible] دلکش ہے۔ [illegible] کبھی [illegible] کو دیکھا ہے؟"

"کبھی نہیں۔ یہ کہانیاں سنی ہیں۔"

"تم نے [illegible] نہیں کی پروفیسر؟"

"نہیں۔ [illegible] کے [illegible] سے [illegible] نہیں ملا

"مگر [illegible] زندگی کا [illegible] دلچسپی میں اپنا تعلق [illegible] جستجو [illegible] رہتی۔"

"لیکن پروفیسر [illegible] تو تمہیں آپ کو۔" میں نے کہا اور پروفیسر [illegible] اٹھا کر [illegible] لیے تھا۔

"میں کیا کہتی۔ [illegible]"

"آپ [illegible] تحقیقات کرتے رہے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اور [illegible] میں آپ [illegible] کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہوگا۔"

"ہاں بہت کچھ۔ [illegible] یقین نہ آ سکے۔"

"مثلاً؟" میں نے سوال کیا۔

"[illegible] اور قدرت نے [illegible] وہ عقل [illegible] ہے۔ [illegible] ہیں جو سمجھا [illegible] ہیں۔ لیکن [illegible] مفہوم [illegible] قدرت [illegible] ہے۔ [illegible] آتا ہے۔ [illegible] ہیں۔ وہ [illegible] کی تلاش کے لیے ہیں۔ [illegible] ہے۔ [illegible] انسان [illegible] لیکن قدرت نے یہ راز [illegible] ہیں۔ [illegible] وسعت ہے۔ [illegible] سے [illegible] برداشت [illegible] کا معاملہ [illegible] ہے کہ [illegible] نہیں ہو سکتی۔ [illegible] ہے کہ تم اس کا [illegible] کر سکتے۔ [illegible] سامنے ہونے کے [illegible] سکتے ہیں۔" پروفیسر رازی [illegible] کر میری شکل دیکھنے لگا۔ [illegible] اس کے چہرے پر [illegible] گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہارا [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] راز نہیں پوچھوں گا۔ [illegible] ہے۔ یہ [illegible] کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" اب پروفیسر رازی کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"کوئی مطلب نہیں پروفیسر جس طرح تمہاری زندگی [illegible] ہیں۔ [illegible] پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو [illegible] ہیں۔ [illegible] ہونے کے [illegible] کا جواب مت دینا۔"

"یہ تو عجیب بات ہے۔ اس کے بعد تم کہنے جو کر [illegible] کی تلاش میں آئے ہو۔"

"ہاں۔"

"تو پھر یہ دوست اور وہ مال کس کام آئیں گے؟"

"میں یہ خزانہ و مال کہ سنا ہے ... پروفیسر بالکل مختلف ہے۔ سمجھانے لگی ہے"

"نہیں، صاحب نہیں ہے۔" میں نے سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے گھبرائیے نہیں، اگر آپ مجھے ان کے بارے میں ذرا سی تفصیلات بتا دیں ... تو میں کوئی خاص کمی نہیں کروں گا۔"

"ہم ضرور وہ جانا ... ہیرے جواہرات کی حقیقت کیا ہیں، اور ہم دوبارہ انہیں چاہتے کیا ہیں؟"

"یہ ہمارا معاملہ ہے۔ ہمیں دولت سے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نہیں سر چاہئیے، ہم اس کی ایک ... کو کھو نہیں کر سکتے ... اتنا بتاتا ہوں آسانی سے یہاں سے جا سکو گے ... اگر اصل ... تم ہم سے نہیں بچ سکتے ... ہم اپنے ساتھ ... اگر ہم چاہیں تو بخوشی پہنچا کر دولت کو کیا ... تم یہ بہ خواہش پہنچا کر دو گے۔"

"نہیں پروفیسر ہرگز نہیں۔" میرے بجائے سلمان بول اٹھا اور پروفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہمیں دولت سب کچھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ مگر اسے ... ہمیں ایک بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ ہم اس مقصد کے حصول کے لیے یہاں آئے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہمیں اس سمت بتا دو، جہاں سے گزر کر ہم انجیرا کے علاقوں میں داخل ہو جائیں۔"

"مگر ... اس کا مقصد ہے کہ کوئی خزانہ حاصل کرنا تمہارا مقصد نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہے، میرے عزیز، تو مجھے کچھ بتاؤ تاکہ میں خلوص دل سے تمہاری مدد کر سکوں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔

"تم مدد نہیں کر سکو گے ہماری پروفیسر۔" کیا بات ہے ان باتوں سے۔"

"تمہارا کیا ... میں تو ... بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہاں کیسے آئے، کیا کرو گے؟"

"اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا سفر ایک ایسے سفر سے تعلق رکھتا ہے جس کی کامیابی یا ناکامی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم مقصد کے لیے کچھ کر گئے تو وہ بڑا عجیب ہے۔ لیکن تم سے ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ تم ہماری مدد کرو۔"

"ٹھیک ہے، مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

"کیا مطلب؟" سلمان نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب ... کچھ کہ تمہاری حیثیت ... ہے۔ مجھے کم از کم

اتنا موقع دو کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کر سکوں۔ میں یہاں کوئی مہذب دنیا تک پہنچنا چاہتا ہوں، جہاں ان کمبخت غاروں میں میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر یہ دولت تمہارے لیے ... ہے تو مجھے یہ ذمہ داری سونپ جاؤ، ... میں ان دولت کو ... مہذب دنیا میں ... کر دوں گا۔ اگر تم دولت چاہتے ہو تو میں ... ساتھ واپس جاؤں۔ اگر تم دولت چاہتے ہو تو میں نہیں سمجھا سکتا ہوں۔"

"نہیں پروفیسر، ہمارا دولت ہمارا مقصد نہیں ہے، میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔"

"ہوں، اس کا مقصد ہے کہ تم ابھی مہذب دنیا میں واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن میں خود واقف ہوں کہ کوئی ایسا مشن یہاں کا انجام دے سکتے ہو جو تم کہا ہو۔"

"ہم کوشش کریں گے۔"

"پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ یہ بتاؤ کیا میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے پروفیسر، اگر آپ چاہیں تو ہیروں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔"

"اب ... بھی ممکن نہیں رہا۔ اپنی فطرت کو کیا کروں، اب تو میں اس پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں کہ تم ایسی کوئی انوکھی بات سوچ کر نہ آئے ہو۔ جیسا انجام ... اور ... سے ہم کنار ہو جاؤ۔"

"ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے پروفیسر۔" سلمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے نہیں نہیں تو کیا ہو لیکن تو ہے۔ تم جوان آدمی ہو، لیکن یہ شریف النفس آدمی بھی تو تمہارے ساتھ ہے۔ جس کے چہرے سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ ... کا پکا اور قول کا پکا ہے۔ لیکن کاش میں تمہارے ذہنوں تک رسائی حاصل کر سکتا۔ کاش میں انہیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکتا۔ نہیں بتا سکتا کہ میں تمہارے مشن سے منحرف نہیں ہوں گا، خواہ میرے جسم کی بوٹی بوٹی کاٹ دی جائے۔"

سلمان نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ میں بھی سلمان کو دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر رازی کے بارے میں ہم اس بات سے متفق ہوں گے کہ ... کہ ہم اسے اپنی حقیقت سے آگاہ کر دیں، لیکن پھر سلمان نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر آنکھیں کھول کر بولا۔

"مجھے اجازت مل گئی ہے پروفیسر کہ تمہیں اپنا شریک راز بنا لوں۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر رازی نے چونک کر پوچھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکا لی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ اجازت سلمان کو کہاں سے ملی ہے۔

"مطلب یہ پروفیسر کہ ہمارا تعلق انہی انجیرا سے ہے جن کے حق



"بلکہ اسے جادوگر ... کہا جاتا ہے، تم سنا چکے ہو۔ وہی جنہیں انجیرا کہتے ہیں ... ہے، ہم ان کے پاس جانا چاہتے ہیں۔"

"انجیرا؟" پروفیسر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں وہی جادوگر ... جن سے تمہارا ... ہے۔ میں اس ... ملنا چاہتا ہوں۔"

"مطلب ... وہ سب کچھ جو ... کام ہم حل کر لیں گے۔"

"اب ... پروفیسر، میں ان سے ملنے کے لیے اتنا طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔"

"انجیرا کو قتل کرنے کے لیے؟" پروفیسر کے لہجے میں خوف کی آمیزش تھی۔

"انہیں قتل کرنے کے لیے اور تم اس بات سے اندازہ لگا کر ... کس قدر ناقابل یقین ہے۔ جہاں لاکھوں وحشی قبیلوں کے درمیان میں اپنے مشن کی تکمیل کرنے کے لیے تنہا آیا ہوں۔ صرف میرے کرم فرما میرے ساتھ ہیں۔ تم لوگ کس قدر تنہا ہو، اس کا اندازہ بھی لگایا جائے گا۔ لیکن ... سب ہی برحق ہے۔ اس کا اندازہ آپ کیا یہ بات ... بھی ... نہیں لگا سکتے۔ محترم پروفیسر، چنانچہ آپ اس بات سے آئندہ اقدامات کا تعین کر لیں۔ ہمارا آپ کا ساتھ کس طرح مناسب ہے، یہ سوچ لیں اور اس کے بعد فیصلہ کر لیں۔"

"مگر تم ان کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو، اور یہ سودا تمہارے دماغ میں کیسے سمایا؟"

"یہ داستان آپ کو میرے محترم بتا سکیں گے۔" سلمان نے کہا۔ اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "میں نے اجازت حاصل کر لی ہے جناب۔ مجھے علم ہے کہ آپ اس شخص کو اپنا شریک راز بنا کر بالکل درست قدم اٹھائیں گے۔ چنانچہ اگر آپ بہتر سمجھیں تو انہیں وہ کہانی سنا دیں۔ لیکن خبردار! اس کی رسوائی مناسب نہیں۔ اسے صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس ... کو نہیں پا سکے گی۔" سلمان نے کہا۔

میں گہری نگاہوں سے سلمان کو دیکھ رہا تھا، پھر میں نے جھکے جھکے انداز میں پروفیسر رازی کو دیکھا اور گردن ہلاتے ہوئے سلمان سے بولا۔

"ٹھیک ہے، میں پروفیسر رازی کو اس سب صورت حال سے آگاہ کر دوں گا۔" جادوگر ... سلمان نے گردن ہلائی اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ پروفیسر ... تصویر حیرت بنا میرے پاس بیٹھا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ہاں، وہ بھی ایک سنائی ہے ... تم نے مجھے ایک عجیب سا ساتھی نوجوان درحقیقت ... مجھے پراسرار نظر آتا ہے۔ اتنا حسین اتنا جمیل کہ نوجوانوں میں اس کی مثال مشکل ہے۔ یہ شخص آخر انجیرا سے کیوں بیک لگا ... انہیں ... سمجھ نظر نہیں آتا۔ مہذب دنیا کا ایک مہذب نوجوان اتنا طویل سفر طے کر کے ایک جادوگر ... کو قتل کرنے آیا ہے۔ آخر

کیوں۔ آخر کیوں؟ میں چند لمحات خاموش رہا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میرا خیال ہے پروفیسر کہ آپ کا تعلق بھی دہلی ... جہاں کا میں باشندہ ہوں۔ میرا تعلق بھی ہندوستان سے ہے۔"

"اوہ! ... تو میرا خیال درست ہی تھا۔ واقعی مسٹر بار بار مجھے آپ کے نقش و نگار پر شک ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے آپ کو تعلق بھی ایشیا سے ہو۔ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے، لیکن سلمان؟"

"وہ مصری ہے۔"

"ہاں اس کے خدوخال مصری ہیں۔"

"اس کا تعلق فراعنہ کی نسل سے ہے اور صدیوں پہلے اس کے خاندان کی ... جادوگر ... سے دشمنی چل گئی تھی۔ یہ دشمنی پشت در پشت منتقل ہوتی گئی اور اب انجیرا کو قتل کرنا سلمان کی ذمہ داری ہے۔"

"خدا کی پناہ، خوفناک ... جذبہ انتقام کے تحت وہ یہاں آیا ہے۔" پروفیسر رازی نے کہیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں پروفیسر۔"

"بے حد احمقانہ ہے۔ ... ایسی داستانیں قابل یقین ہو سکتی ہیں ... اس کے پاس ایسی کون سی قوت ہے آخر، وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے، میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور تم ... تم خود بھی اس کے ساتھ چلے آئے، کیا یہ ہوش کی بات ہے؟"

"تم کچھ بھی کہو پروفیسر، میری کہانی ہے جو اس داستان سے منسلک ہو گئی ہے لیکن اب میں بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے ... سے بچنا ... اور واپس لوٹ جاؤ۔ انسان سے دشمنی کی جا سکتی ہے، کسی غیر انسانی قوت سے نہیں۔"

"وہ کہانی کی منزل سے نکل چکا ہے۔"

"اور وہ خزانہ؟"

"صرف ایک سفر ... تھا۔" میں نے جواب دیا۔ پروفیسر رازی سوچ میں گم ہو گیا تھا، پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"میں عجیب مخمصے میں پھنس گیا ہوں، کیا کروں کیا نہ کروں۔ میں ... کی وجہ سے مہذب آبادیوں میں جانا چاہتا تھا تاکہ ... کر ایک بہتر مستقبل ... سکوں، لیکن موجودہ حالات بہتری دلچسپیاں رکھتے ہیں۔ اب تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میرا مخلصانہ مشورہ ہے پروفیسر ... ان چکروں میں نہ پڑو۔ تم اپنے مشن کی تکمیل کرو۔ ہمارے معاملے کوئی ... نہیں ہے۔ تم ... کر کے ... کیا ... کئے ہیں۔ اور آئندہ کے لیے بھی کوئی ... نہیں ہے۔"

"گویا موت زندگی کو ... ہو۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

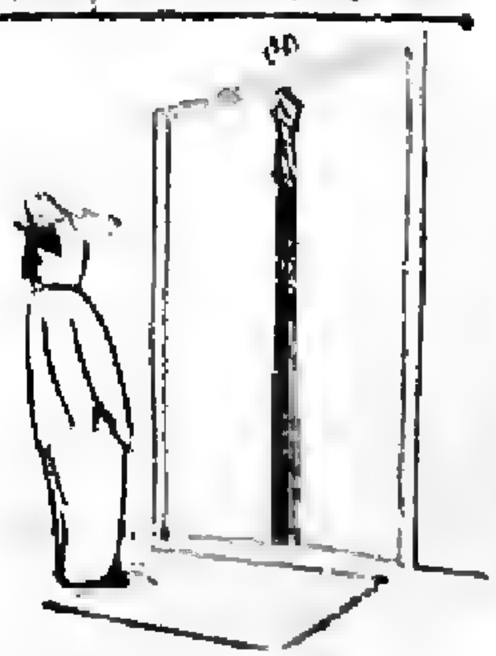





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے ادھر سے جلدی سے آگے بڑھ کر پروفیسر
رازی کو اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا دل
تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ اور اس وقت اس کی کیفیت
معصوم بچوں کی سی تھی۔
"پروفیسر! پروفیسر! ہوش میں آئیے کیا ہوا، کیا بات ہے
ان کس کو لے گیا؟" میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا
"وہ۔۔ وہ۔۔ وہ میری بچی کو لے گیا۔ تم لوگ نہیں جانتے
وہ کون تھی۔ تم لوگ نہیں جانتے وہ میری زندگی کا کیا تھی
میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس کے سوا دنیا میں
میرا ہی کون؟ وہ۔۔ وہ۔۔"
"ہیزل کی بات کر رہے ہیں پروفیسر؟"
"ہاں، میری بچی۔" پروفیسر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
اس کی پروقار شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔
"کون تھا وہ پروفیسر؟"
"کوئی جنگلی شیطان، کوئی بدروح جانوروں کی کھال اپنے
جسم پر لپیٹے ہوئے تھا سر پر سینگ سے۔ وہ۔۔ وہ بڑی بیدردی
سے ہیزل کو اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے گیا۔ نہ جانے، نہ جانے اب
وہ میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"
"حوصلہ رکھیں پروفیسر، حوصلہ رکھیں۔ ان جنگلوں میں
رہیں ہر حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ آپ حوصلہ چھوڑ دیجیے تو
پھر کیسے کام چلے گا؟"
"مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے کوئی حرج نہیں ہے۔ میں
مر بھی جاؤں مجھے پروا نہیں ہوگی لیکن۔۔ لیکن۔۔"
"مل جائے گی ہیزل۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔ ہم اسے
ضرور تلاش کرلیں گے۔ بس آپ اس کا حلیہ ذہن میں رکھیں۔"
پروفیسر نے گردن جھکالی۔ اس کی سسکیاں اب بھی جاری
تھیں۔ باقی رات اسی طرح گزر گئی۔
دوسری صبح چائے کے لیے ناشتہ آیا۔ تازہ ہرن کا گوشت اور
دودھ تھا۔ بمشکل تمام پروفیسر کو کچھ کھلایا پلایا۔ وہ دو عورتیں
جو چائے کے لیے ناشتہ لائی تھیں خیمے کے باہر موجود تھیں۔
پروفیسر نے ان میں سے ایک کو اندر بلایا۔ وہ اندر آگئی۔
"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔
"سبول۔"
"وہ عورت کون تھی جس کا بچہ بیمار تھا؟"
"سبوتا، سردار جوزبا کی بیوی۔"

"ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے سول سے کہا اور
وہ گردن جھکا کر چلی گئی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سبوتا وہاں
آگئی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی کے آثار تھے۔
وہ پروفیسر کے سامنے آئی۔ جھک کر زمین سے مٹی اٹھائی
اور اسے ماتھے سے لگایا۔ "تو نے میری بچی کی بیماری دور
کر دی ساحر! میرا بچہ اب بالکل ٹھیک ہے۔"
"لیکن تیرا محسن تیرے قبیلے میں ظلم کا شکار ہو گیا سبوتا!"
"کیوں، کیا ہوا، کیا بات ہے؟" سبوتا اچک کر بولی۔
اس کی حیران آنکھیں ہم سب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ چونک
کر بولی۔ "آہ، تم میں سے ایک کم ہے۔ کہاں ہے وہ؟"
"پروفیسر کی بیٹی، اس ساحر کی بیٹی رات کو اس سے چھین
لی گئی ہے۔" میں نے کہا۔
"چھین لی گئی ہے۔ کہاں سے، کون لے گیا اسے۔ آہ میں
کچھ نہیں جانتی۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا؟"
"اسے ایک شخص زبردستی لے گیا ہے؟"
"ناممکن، کس کی مجال ہے؟" وہ غرائی۔
"ایسا ہوا ہے سبوتا! تم خود دیکھ لو وہ یہاں نہیں
ہے۔"
"مگر کون تھا وہ؟ قبیلے میں کوئی جوان نہیں ہے۔ کسے
اس کی جرأت ہوئی؟"
"ہم نہیں جانتے۔"
"کسی نے اسے دیکھا تھا؟"
"ہاں، میں نے دیکھا تھا۔" پروفیسر رازی نے کہا اور
سبوتا کو اس کا حلیہ بتانے لگا۔ سبوتا کی آنکھوں میں گہری سوچ
کے آثار تھے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ وہ کچھ سوچ
رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے
ہوئے کہا۔
"نہیں، اس قبیلے میں اس حلیے کا کوئی بھی جوان نہیں۔
اول تو یہاں ایک بھی جوان نہیں ہے۔ سارے جوان جنگ پر
گئے ہوئے ہیں۔ اور صرف ایسے کمزور اور لاغر بوڑھے یہاں پر
رہ گئے ہیں، جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان میں سے
کوئی ایسا جوان کوئی ایسا تندرست مرد نہیں ہے جو کسی لڑکی کو
اس طرح اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے جائے۔"
"پھر وہ کون ہو سکتا ہے سبوتا! جو تمہارے قبیلے میں داخل
ہو کر ہمارے ساتھ یہ ظلم کر گیا ہے؟"



تب اس کا پتہ [illegible] اور احساس کیا
[illegible] اس کو [illegible] یہ نہیں ہو سکتا
[illegible] تھا کہ اس سے ہو، وہ کسی بڑے کی
سبوتا [illegible] کوئی زبردستی ظلم کرنے
والا نہیں ہے۔"
"سو خطا کون ہے؟" میں نے سوال کیا اور سبوتا کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"اس قبیلے کی سب سے بڑی جادوگرنی جو بہت علم رکھتی
ہے۔ اس کو تمہارے قبیلے کے [illegible] آدم کی بات ہر شخص ہے تم اسے
ہو۔ سو خطا ضرور تمہاری مدد کرے گی۔"
"تو پھر ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ تم نہیں جانتی ہو کہ یہاں
کے لیے کس قدر پریشان ہیں۔ تم اچھے تیمار تھا تب احساس ہوگا
کہ اس کا دکھ کس طرح تمہارے سینے میں جاگزیں تھا۔ وہ میری بچی
ہے، میری بیٹی ہے، میری لخت جگر ہے۔" رازی کی آواز
رندھ گئی۔ تب سبوتا نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ
رکھا اور بولی۔
"میرا احسان کرنے والوں کو ہم نہیں بھولتے۔ تم نے
میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے۔ تمہاری بچی کو واپس لانا میری
ذمہ داری ہے۔ اٹھو آؤ۔ میں تمہیں سو خطا کے پاس لے چلوں۔"
عورت تیار ہو گئی۔ وہ خونخوار تاثرات اب اس کے چہرے
سے مفقود ہو گئے تھے جو پہلی بار ہم نے دیکھے تھے۔ درحقیقت
وہ دوستوں کا سا انداز اختیار کرچکی تھی۔
ہم تینوں اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سبوتا نے اپنے
ساتھ چار عورتوں کو بھی لے لیا جو بڑی تندرست و توانا تھیں
ہاتھوں میں لیے لیے
نیزے لیے ہوئے تھیں۔ ان کے کسے ہوئے جسموں سے لگتا
تھا کہ اگر کوئی مرد ان کے مقابل آجائے تو چاہے چیر کر رکھ دیں
گی۔ تندرست و توانا عورتوں کا یہ قافلہ بستی کے درمیان سے
گزرتا ہوا بستی کے شمالی سرے کی جانب جارہی تھیں اور ہم
ان کے ہمراہ تھے۔
میں پروفیسر رازی سے دلی ہمدردی محسوس کر رہا تھا جس طرح
وہ بلک بلک کر رو رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہیزل
کو کس طرح چاہتا ہے۔ حالانکہ دونوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔
وہ دونوں غیر مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن محبتوں کا کوئی
مذہب نہیں ہوتا۔ وہ کسی کے بھی دل میں جاگزیں ہو سکتی

ہے۔ مجھے اور [illegible] کو پروفیسر رازی سے بہت ہمدردی تھی۔
فاصلہ طویل سفر طے کرنا پڑا لیکن سفر کے دوران ہم نے اس
بستی کو بھی دیکھ لیا۔ پوری بستی حالت جنگ میں تھی۔ جگہ جگہ
ہتھیاروں کے ذخیرے ہوتے تھے۔ گو یہ ہتھیار سادہ سے تھے
[illegible] کے بنے ہوئے تھے جو کلہاڑوں، تلواروں اور نیزوں پر
مشتمل تھے۔ لیکن بہرصورت ان کا وجود سے پتہ چلتا تھا کہ اگر
قبیلے والوں کو شکست ہو جائے اور دشمن اس طرف بڑھ آئے تو یہ عورتیں
آخری وقت تک جنگ کریں گی۔
آخر کار ہم اس بستی سے نکل آئے اور پھر پہاڑی ٹیلوں
کے درمیان چلنے لگے۔ سو خطا غالباً ان ٹیلوں میں کہیں رہتی تھی
کافی سفر طے کرنے کے بعد ہم ایک پہاڑی ٹیلے کے دامن
میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک غار کا بڑا دہانہ نظر آرہا تھا۔ دہانے
کے اندر سے عجیب عجیب سی خوشبوئیں ابھر رہی تھیں اور یہ
خوشبوئیں باہر بھی پھیل رہی تھیں گو ہوا ان کو منتشر کر دیتی تھی
لیکن دہانے کے بالکل قریب پہنچنے سے یہ خوشبوئیں خاصی
تیز لگتی تھیں۔
سبوتا نے دروازے پر پڑے ہوئے ایک گول پتھر
کو گھٹنوں کے بل جھک کر بوسہ دیا اور پھر خوشامدانہ انداز میں بولی۔
"معزز سو خطا! میں سبوتا ہوں۔ کچھ مہمان آئے ہیں۔
کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"
"آجاؤ۔ اور اپنے ساتھ اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بھی
لے آؤ جو مصیبت کا شکار ہیں۔" اندر سے ایک بوڑھی
آواز ابھری اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پروفیسر
رازی بھی متحیر نظر آرہا تھا۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی
شکلیں دیکھیں۔ سبوتا مسکرا کر ہماری طرف پلٹی اور پھر ہمیں اندر
آنے کا اشارہ کرکے خود اس غار کے دہانے سے اندر داخل
ہو گئی۔
غار بہت کشادہ تھا۔ بڑے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔
کشادہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روشن بھی تھا اور اندر
ذرا بھی گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ صاف ستھرے غار میں
ایک طرف پیال کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے نزدیک
ہی کھانے پینے کی چیزوں کے برتن بڑے قرینے سے رکھے
ہوئے تھے۔ ایک بوسیدہ لباس میں ملبوس بوڑھی عورت
غار کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی
کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کھوپڑیوں کی تعداد [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور جن کے درمیان ہوگی۔ یہ نہیں کسی جانور کی کھوپڑی تھی۔ یا انسانی کھوپڑی تھی لیکن غور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کھوپڑیاں کی کھوپڑیاں نہیں تھیں کسی اور جانور کی۔ دو چند روسا کی کھوپڑیاں تھیں۔ ان کھوپڑیوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی ہڈیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب سا ماحول پیدا ہوا تھا۔ ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں کو سیوتا دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔

"تو جانتی ہے سوتھا! تیرا علم بتاتا ہے کہ ہم کس لیے آئے ہیں۔ ہماری یہ بات ایسے دلوں کے ساتھ تیرے کتنی ہوں گی تجھے علم ہے کیونکہ تو نے میرے ساتھ تنے راتوں کی صحیح تعداد بتائی تھی۔" سوتھا نے پلک جھپکائے بغیر تینوں کو دیکھا اور پھر سیوتا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"ہاں، مجھے ان کی آمد کا علم تھا۔ میں جانتی تھی کہ اجنبی ہمارے قبیلے میں آنے ہیں۔"

"اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگا سوتھا کہ یہ تین نہیں چار تھے۔"

"نہیں مجھے یہ معلوم نہ تھا۔" سوتھا نے جواب دیا۔

"تو سن سوتھا! یہ چار تھے۔ تین مرد اور ایک عورت۔ لیکن عورت ان کے درمیان سے غائب کر دی گئی۔ رات کو کوئی اسے اٹھا لے گیا۔" سیوتا نے بتایا اور بوڑھی عورت کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کھوپڑیوں اور ہڈیوں کی جگہ میں تبدیلی شروع کر دی۔

جانے ایک کھوپڑی اٹھا کر اس کی جگہ بدل رہی تھی اور ہڈیاں اس کے درمیان رکھتی جا رہی تھی۔ پھر وہ پتلی پتلی ہڈیاں ان کھوپڑیوں کو بجانے لگی۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کبھی مدھم اور کبھی کھنک دار۔ وہ ان کھوپڑیوں کے درمیان تبدیلیاں کرتی رہی اور کافی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی۔

"اوہ! اوہ یہ کیا وہ جیرسینے کی کھال میں ملبوس تھا؟" اس نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ یہ بات بھی اس کے علم کو ظاہر کرتی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر رازی ہی اسے صحیح بات بتا سکتا ہے۔

"ہاں، وہ کسی کھال ہی میں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون سے جانور کی کھال ہے۔"

"کیا اس کے سر پر دو سینگ ابھرے ہوئے تھے؟"

"ہاں، ہاں۔ تیرا علم درست کہتا ہے سوتھا۔"

"تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"جو آدمی تیری جیسی کرے گا۔ وہ بڑا آدمی نہیں ہے جانتا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟"

"کیا نام ہے سوتھا؟" سیوتا نے پوچھا۔

"ماکازونگا۔ ان جنگلوں کا سب سے بڑا جادوگر۔ ہر مقابل آنے والا اس کا دشمن۔" سوتھا نے بتایا اور ہم سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سیوتا بھی گھبراہٹ کے عالم میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ماکازونگا! لیکن۔۔ لیکن وہ۔۔ لیکن وہ۔۔"

"یہ تو وہی بتا سکے گا۔ اس نے اپنے گرد جو خول چڑھا رکھا ہے۔ اس کے پار دیکھنا ناممکن ہے۔ کیا ہے اس کے دل میں یہ وہی جانے۔ ہاں یہ وہی جانے۔ ہاں یہ وہی جانے۔" بوڑھی گردان کرنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تب سیوتا نے ہماری طرف دیکھا اور گردن ہلانے لگی۔

"یہ حقیقت ہے کہ ماکازونگا برا آدمی نہیں ہے۔ وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا مشن صرف اپنے کے لیے ہے۔ جانے کیوں اس نے یہ حرکت کی۔"

"لیکن۔۔ لیکن ہمارے ساتھ یہ سب کچھ تمہارے قبیلے میں ہوا ہے سیوتا۔ میں اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو اچھی بات نہیں کہ وہ ہم میں سے کسی کو اٹھا کر لے گیا۔ ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ یقیناً اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ کیوں سوتھا؟ کیا تو بتا سکتی ہے کہ ماکازونگا اسے لے کر کہاں گیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سفید جھیل اس کا مسکن ہے۔ اور ان دنوں وہ وہیں مقیم ہے۔ تم اگر چاہو تو اسے وہاں تلاش کر سکتے ہو۔ بس میری بات ختم۔" سوتھا نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ سیوتا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب سوتھا کچھ نہ بتا سکے گی جو کچھ اسے بتانا تھا بتا چکی۔" ہم سب سیوتا کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سب ہی کے چہروں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ پھر میں نے پوچھا۔

"سفید جھیل کہاں ہے سیوتا؟"

"بستی سے مغرب کی سمت چلے جاؤ تو ہموار راستوں اور پہاڑی دروں سے گزرنے کے بعد تمہیں ایک نخلستان ملے گا۔ یہ نخلستان سفید جھیل ہی کا ہے۔ اور ماکازونگا اس کے آس پاس



ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم اس کے علاقے میں پہنچ جاؤ گے تو وہ یقیناً تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن مجھے تعجب ہے مجھے حیرت ہے۔" میں نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھا اور رازی جلدی سے بولا۔

"میں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ میں تم دونوں کو پریشان نہیں کروں گا۔ ایک بار پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ میری الجھنوں میں مت پھنسو۔ تمہارا اپنا مسئلہ الگ ہے۔ میں اپنی بیٹی کو تلاش کر لوں گا۔ میں ان جنگلوں کی خاک چھانوں گا۔ کہیں بھی نکل جانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن۔۔ لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ میری زندگی ہے۔"

"نہیں پروفیسر ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ چلیں گے۔" میں نے سلیمان کی بات کی تردید نہیں کی تھی۔ پروفیسر خاموش ہو گیا۔ سیوتا کہنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا اسلم! تم نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہیں بس تمہارا شکریہ۔"

"پھر بھی، میرا خیال ہے تم یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لے جاؤ۔ ان ہتھیاروں میں سے جو چاہو لے لو۔ ویسے تمہارے پاس آتشیں ہتھیار ہیں۔ ان کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور موثر۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" رازی نے کہا۔

اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے۔ سیوتا نے ہمیں بستی کی سرحد تک چھوڑا تھا اور اس کے بعد ہم وہاں سے آگے نکل گئے۔

صحرائے اعظم کا ایک اور ویران حصہ ہمارے سامنے تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس بستی میں کچھ عرصہ رک کر حالات کا جائزہ لیں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ اب ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ لیکن یہ نئی افتاد آپڑی تھی اور پروفیسر رازی کا رونا پیٹنا بھی حق بجانب تھا۔ اس نے درحقیقت اپنی زندگی لڑکی کے لیے ختم کر لی تھی۔ چنانچہ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ سفر جاری رہا۔ صبح سے شام ہو گئی اور پھر رات کو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم ابھی تک اپنی سمت سے نہیں بھٹکے تھے۔

دوسرے روز صبح ہی صبح ہم نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا تھا اور جب دوپہر ہوئی تو ناہموار دروں اور گھاٹیوں کا یہ سلسلہ ایک نخلستان پر ختم ہو گیا۔ نخلستان کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے بھی پھیلے ہوئے تھے اور یہ ٹیلے عجیب سی

سفیدی اختیار کیے ہوئے تھے۔ درختوں کے تنوں میں بھی عجیب طرح کی سفیدی نظر آ رہی تھی اور شاید یہ سفیدی اس گھاس کی تھی۔ اس رنگ کی گھاس ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بہر طور اس گھاس کے درمیان ایک جھیل بھی موجود تھی لیکن وہاں کسی رہائش گاہ نہیں بنی ہوئی تھی۔ بہرطور ہم جھیل کے نزدیک پہنچ گئے۔ شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ اطراف میں مکمل سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

درختوں پر پرندے بھی خاموش تھے کبھی کبھی ان کے اڑنے سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دیتی اور ہم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔

"یہاں تو کسی کا وجود نہیں ہے۔" پروفیسر رازی کی غمناک آواز ابھری۔

"نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے۔" ایک آواز ابھری۔ یہ آواز ایک بہت بڑے درخت کے تنے میں سے آئی تھی۔ اور پھر درخت کے کھوکھلے تنے سے ایک آدمی باہر نکل آیا۔ یہ عجیب الخلقت آدمی تھا۔ پورے جسم پر جانوروں کی کھال منڈی ہوئی تھی۔ سر پر ایک کنٹوپ سا پہنا ہوا تھا جس میں جانور کے سینگ ابھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس کنٹوپ کے نیچے جو چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑا ہی حیرت خیز تھا۔ یقیناً یہ کسی یورپین نسل کا ہی باشندہ تھا۔ گہری سبز آنکھیں دمکتا ہوا لمبا چہرہ۔ پر اعتماد پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور ایک عجیب سی متانت چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ دراز قامت تھا اور چست و چالاک نظر آتا تھا۔ بدن نہایت سڈول تھا۔ اگر وہ یہ جنگلی قسم کا لباس اتار دیتا تو بڑا اسمارٹ اور خوبصورت جوان نظر آتا۔ پروفیسر کے حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

"یہی تھا۔ آہ یہی تھا۔ یقیناً یہی تھا۔" آنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہاں، میں ہی تھا وہ میں ہی تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ میں گہری نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"تم رازی کی لڑکی کو اٹھا لانے والے ہو؟"

"ہاں۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرا نام ماکازو ونگا ہے۔ میں اس لڑکی کو ایک خاص مقصد کے تحت اٹھا کر لایا ہوں۔ تم یقین کرو کہ مجھے اس کی از حد ضرورت تھی۔ اب تم یہاں آ ہی گئے ہو تو دوستوں کی طرح گفتگو کرو نہ کہ مجھے دیکھو جو ہمارے اور تمہارے درمیان فرق کا باعث بنیں۔"

"لیکن تم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ میں اس کے لیے مجبور تھا۔"

"کیا مجبوری تھی؟"

"اوہ۔ اتنی جلدی یہ سب کچھ تمہیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ اذن دو میں تمہارے قیام کا بندوبست کر دوں۔ یہاں تمہارے لیے کچھ دیر ٹھہرنا ضروری ہے۔" اس نے کہا اور پھر سلمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی، اس کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ دو قدم آگے بڑھ گیا اور سلمان کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بغور سلمان کو دیکھا اور پھر اس کے حلق سے ذرا سی آواز ابھری۔

"نہیں۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"کس سے؟" سلمان کے بجائے میں نے اس سے سوال کیا لیکن ماکازو ونگا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کے حلق سے ہذیانی انداز میں نکل رہا تھا پھر وہ دوزانو بیٹھ گیا اور اس کی گردن سلمان کے قدموں میں جھک گئی۔

"مجھے معاف کر دے شہنشاہوں کے شہنشاہ، راداپیر کے دست راست مجھے معاف کر دے۔ مجھے معاف کر دے۔ صحرا کے فرمانروا مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔"

اب ہماری حیران ہونے کی باری تھی۔ ماکازو ونگا نے سلمان کو عجیب سے انداز میں پکارا۔ نجانے سلمان کو کیا ہوا وہ جھکا اور اس نے اپنا ہاتھ ماکازو ونگا کے سر پر رکھ دیا۔

"کھڑا ہو جا۔ کھڑا ہو جا۔ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

ماکازو ونگا نے گردن اٹھائی اور پھر مؤدب انداز میں کھڑا ہوا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ مجھے تو تیرا انتظار تھا۔ تو ہی تو ہے جو ان خطوں کی تقدیر بدلے گا۔ تو ہی تو ہے جو میرا معاون ثابت ہوگا۔ ہاں ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔" میں اور رازی تعجب خیز نگاہوں سے ماکازو ونگا کو دیکھ رہے تھے۔ تب سلمان نے پوچھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے آقا۔ اندر موجود ہے۔ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کوئی ضرر نہیں پہنچایا میں نے اسے، وہ سکون سے ہے۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہو؟"

"تو جانتا ہے آقا، یہ کہانی کوئی اور نہیں جانتا لیکن تو جان سکتا ہے۔ دیکھ میری آنکھوں میں دیکھ، میرے چہرے پر دیکھ اور اندازہ لگا کہ میں اسے یہاں کیوں اٹھا لایا ہوں۔" سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔"

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سلمان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ چونک پڑا۔ اس نے عجیب سی آنکھوں سے مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"نہیں چچا جان نہیں۔ اس کا یہ اقدام ضروری تھا، درست تھا۔ اس کی بقا کے لیے یہ ضروری تھا۔ بلاشبہ یہ ضروری تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ، میری بچی کو اٹھا لائے ہو اور ابھی اپنی ہانک رہے ہو۔ میں کہتا ہوں فوراً میری بچی مجھے واپس کر دو۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر ماکازو ونگا کا لباس پکڑ لیا اور اس نے گردن جھکا دی۔

"میں کچھ نہ کہوں گا تم لوگ اب میرے لیے بہت محترم ہو گئے ہو۔ میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ میرا ترجمان میرا آقا ہے۔ میرا مالک میرا ترجمان ہے۔" اس نے کہا اور سلمان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

"چچا جان! چچا جان تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ کسی طرح اس معاملے کو سنبھال لیجیے۔ یہ ضروری تھا کہ ماکازو ونگا ہیزل کو اٹھا لاتے۔ یہ بہت ضروری تھا چچا جان۔ میں آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم پروفیسر رازی کو اس کے لیے کس طرح تیار کر سکتے ہیں؟"



بھی گفتگو کر رہے ہو تم لوگ مجھے بھی بتاؤ۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہو گئی۔ تم تو میرے ساتھی تھے۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ آدمی۔ یہ آدمی اس نے میری ہیزل کو اغوا کیا ہے!"

"ماکازو ونگا! ہیزل کو بلاؤ۔" میں نے کہا اور اس نے ایک بار پھر گردن جھکا دی پھر وہ درخت کے اسی کھوکھلے تنے کی طرف رخ کر کے بولا۔

"سوبالا، سوبالا باہر آؤ۔"

ہم نے اس نئے نام پر چونک کر درخت کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن چند ہی لمحات کے بعد ہیزل درخت کے کھوکھلے تنے سے برآمد ہوئی۔ وہ انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی جس میں جگہ جگہ باریک پتھر ٹکے ہوئے تھے۔ سر پر ایک عجیب سا تاج پہنے ہوئی تھی جس میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر ایک عجیب سی شگفتگی۔ وہ بڑے کروفر سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ رازی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ نہیں ناممکن۔ ناممکن۔ یہ اتنی مطمئن ہے، کیسے آخر کیسے؟" وہ متحیرانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔ ہیزل اسی پروقار انداز میں چلتی ہوئی پروفیسر رازی کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی۔

"ہیزل۔ ہیزل تو ٹھیک ہے، تو ٹھیک ہے بیٹی، میری بچی تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں بابا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لیکن۔ لیکن کیا تو۔ کیا تو اس شخص کو جانتی ہے؟"

"جانتی نہیں تھی لیکن اب جانتی ہوں۔"

"کیسے کیسے؟ میرا مطلب ہے تو۔ تو یہاں خوش ہے؟" رازی نے عجیب انداز میں اپنا سوال دوہرایا تھا۔ ہیزل نے ماکازو ونگا کی جانب دیکھا۔ ماکازو ونگا نے گردن جھکا دی۔

"سوبالا! اگر تو میرے ساتھ مطمئن ہے اگر تو میرے مقصد سے متفق ہے تو ان لوگوں کو اطمینان دلانا تیرا کام ہے۔ لیکن ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اس کھلی جگہ کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔ آؤ میرے معزز مہمانو۔ میرے ساتھ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" ماکازو ونگا نے کہا اور رازی پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ تو جادوگر ہے تو نے اس پر بھی جادو کر دیا ہے ہم تیرے ساتھ کہیں بھی نہیں جائیں گے۔ بس میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔ میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔"

"سنو! معزز بزرگ۔ تم ضرور اسے لے جا سکتے ہو لیکن یہ اب تمہارے لیے عذاب بن جائے گی۔ یہ میرے بغیر اب ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ میری ہے۔ مجھے چاہتی ہے۔ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں یہ صرف تیرا جادو ہے جس نے اسے مسحور کر دیا ہے۔"

"اگر یہ بھی ہے تو پھر تم یہ سمجھ لو کہ تم اسے دنیا کے کسی خطے میں بھی لے جاؤ گے لیکن یہ میری ہی جانب بھاگے گی۔ تم اسے پکڑتے مر جاؤ گے لیکن یہ مجھ سے دور نہیں رہے گی۔ اس کوشش میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔" رازی نڈھال لہجے میں بولا۔ میں نے رازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر اگر ہیزل خوش ہے تو پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی زندگی کے لیے یوں لگتا ہے یہی سب کچھ ضروری ہے۔"

"کیا ہو گیا یہ۔ کیا ہو گیا؟ اس کا مقصد ہے کہ ہیزل انہی پہاڑوں میں بھٹکتی رہے گی اور اسی طرح اس کی زندگی ختم ہو جائے گی؟"

"نہیں۔ میرا علم کہتا ہے ایسا نہیں ہوگا۔ تم آؤ تو سہی۔" ماکازو ونگا نے کہا اور ہم سب درخت کے اسی کھوکھلے تنے کی جانب بڑھ گئے۔ تنا اتنا وسیع بھی نہیں تھا کہ ہم سب اس میں سما سکتے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے! لیکن تنے میں داخل ہوتے ہی ہمیں ایک اور حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ تنے کے سوراخ کے بعد سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہم ان سے اترتے ہوئے بالآخر ایک بہت ہی کشادہ جگہ میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہال کی شکل تھی، پتھر کو ہال تھا۔ دیواریں پتھریلی تھیں اور یہ یقیناً انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ اس کمرے میں دنیا جہان کی آسائش تھی۔

عمدہ قسم کے پیالوں کے ڈھیر، کھانے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لیے پتھروں کو تراشا گیا تھا اور ان پر جانوروں کی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا اس ویران علاقے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماکازو ونگا نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا اور ہم سب بیٹھ گئے۔ تب وہ سلمان کی طرف رخ کر کے بولا۔

"میرے آقا! میرے مالک! آپ ہی میرے مقصد کی تشریح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے سرپرست ہیں آپ



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر یہاں سے گزرتے ہیں اس لیے میرے لیے جس قدر بھی قابل احترام ہوں کم ہے۔ لیکن اب میرا مشن آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپ ہی انہیں مطمئن کیجیے۔" سلمان ہماری طرف رخ کر کے بولا۔

"ساکازونگا سرزمین مصر سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ وہ نیس اور راباک کے خاص غلاموں میں اس کا خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ اس وقت جب کہ ہمارے اجداد کی کہانی شروع ہوئی۔ ساکازونگا ہمارے ساتھ ہی صحرائے اعظم میں آیا۔ یہاں کچھ لٹیرے قزاقوں نے قید کر لیا۔ قزاقوں سے اس کے لیے چلے گیا کہ یہ صحرائے اعظم ہی میں رہے گا اور اپسرا پر نگاہ رکھے گا۔ سو یہی ہوا یہ یہاں آ رہا لیکن اسے قائم رہنے کے لیے کچھ اور مراعات بھی درکار تھے۔ اپنی نسل نہیں بڑھا سکتا تھا۔ اس کے لیے اسے صحرائے اعظم سے باہر کی عورت سے شادی کی ——— ضرورت تھی۔ سو یوں ہوا کہ ایک مینی سوداگر اس جانب سے گزرا۔ صحرائے اعظم اور ریت میں بھٹکتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں ساکازونگا کا قیام تھا۔ یہاں حالات نے اتنی سنگین شکل اختیار کی کہ اس نے اپنی بیٹی ساکازونگا کے حوالے کر دی اور ساکازونگا نے اس سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ساکازونگا کا جانشین تھا۔ ہاں یہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ان کی زندگی ایک مخصوص مدت تک ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد ایک عام آدمی کی طرح اس کی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن باپ کا علم بیٹے کے سینے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے طور پر وہی سب کچھ محسوس کرتا ہے اور بن جاتا ہے۔ جو اس کا باپ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ قدیم ساکازونگا کی نسل کا آخری آدمی ہے۔ اور ابھی تک

یہ اپنا ساتھی منتخب نہیں کر سکا تھا کیونکہ اسے بیرونی دنیا ہی سے آنا تھا۔ ہیزل اس شخص کو نظر آئی اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔"

"لیکن۔ لیکن اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی کی مرضی کے بغیر اس کی بیٹی پر قبضہ کر سکے۔" رازی نے کہا۔

"محترم! اول تو ہیزل آپ کی بیٹی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ ہیزل کا مقدر تھا۔ تقدیر اسے اس سمت لانے والی تھی۔

ہیزل سے پوچھیے۔ اس نے تو حقیقت پا لی

ہے۔ اور اب اس بات سے قطعی انکار نہ ہو گا کہ ساکازونگا کی زوجہ کہلائے۔ آپ یہ سوال ہیزل سے کر سکتے ہیں۔"

"ہاں بابا! ساکازونگا کے بغیر میری زندگی نامکمل ہو گی۔ آپ کا جہاں دل چاہے چلے جائیے۔ آپ کی دنیا آپ کو مبارک۔ میں نے اپنی منزل پا لی ہے۔" ہیزل نے جواب دیا۔ اور پروفیسر رازی اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر کسی کرب کا شکار نہیں تھی۔ میں بھی بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ سلمان مجھ سے اس پریشانی کا اظہار کر چکا تھا کہ ہیزل اس پر فریفتہ ہے۔ اس طرح سلمان کی جان بھی چھوٹ گئی تھی۔ لیکن پروفیسر رازی تذبذب کے عالم میں تھا۔ وہ بار بار ہیزل کی شکل دیکھنے لگا۔ دفعتاً ساکازونگا نے کہا۔

"سو بالا اپنے عزیزوں کا خیر مقدم کرو۔ ان کی خاطر مدارات کا بندوبست کرو یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ بہت تھوڑا وقت ہے۔ جب یہ میرا مقصد سمجھ لیں گے اور مجھ سے تعاون کریں گے۔" ہیزل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اس خیمے کی طرف چلی گئی۔ جہاں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے چند چیزوں کا انتخاب کیا۔ اور انہیں ہمارے سامنے سجا دیا۔ تمام چیزیں تر و تازہ تھیں۔ عمدہ قسم کا پھل۔ خشک میوے اور ایسی ہی چیزیں اور خیمے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جانے ساکازونگا نے یہ سب کہاں سے مہیا کیا تھا۔ صحرائے اعظم کے اسی خطے میں ان تمام چیزوں کا وجود تعجب خیز تھا لیکن تعجب خیز تو خود ساکازونگا کی اپنی ذات بھی تھی۔ شکل و صورت سے یورپین نظر آنے والا یہ شخص بڑے شستہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے پروفیسر رازی کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ان چیزوں میں سے کچھ کھائے۔

○

بہت عرصے بعد ہمیں ایسے لوازمات مہیا ہوئے تھے۔ میرے کہنے سننے سے پروفیسر رازی بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ ساکازونگا سلمان کی وجہ سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ ویسے میرے لیے یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ قدرت نے جو کچھ کیا بہتر کیا۔ مجھے اور سلمان کو تو ہیزل سے بس اسی قدر دلچسپی تھی کہ وہ پروفیسر رازی کے ساتھ تھی اور ہمیں شامل ہو گئی تھی۔ پروفیسر رازی کا مسئلہ بھی کسی حد تک جائز تھا انہوں نے



باقاعدہ ہیزل کو اپنی بیٹی کی حیثیت سے پرورش کیا تھا اور اس کے مستقبل کے لیے انہوں نے صحرائے اعظم میں اپنی طویل زندگی وقف کر دی تھی اور بڑے آرام سے ایک قبیلے میں ایک معزز آدمی کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ شاید اس کی زندگی گزر جاتی لیکن اس نے شاید آپ کو ہیزل کے لیے مہذب دنیا میں لے جانے کے لیے آمادہ کیا تھا۔

اب اگر ان کے سامنے یہ بات آئی تھی کہ اس وحشی دنیا کا ہی ایک فرد ہیزل پر اپنا تسلط بنا کر اسے یہیں محصور رکھنا چاہتا ہے تو یہ کافی حد تک پریشان کن بات تھی۔ لیکن موجودہ صورت حال کو کیا کیا جاتا۔

یہاں کچھ پُراسرار دنیا کی پُراسرار کہانیاں ہماری سمجھ سے باہر تھیں لیکن بہرطور ان کی ایک حقیقت تھی۔ خاص طور سے میں سلمان کے مسئلے میں ایک بار پھر تحیر زدہ رہ گیا تھا۔

ساکازونگا جیسا جادوگر سلمان کو اپنا آقا کہہ رہا تھا۔ اور سلمان نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ پتہ نہیں سلمان کا یہ جھگڑا کہاں تک طول اختیار کرے۔ بہرطور میں تو اس میں ملوث تھا ہی۔ خود میری اپنی زندگی کیا تھی۔ اپنی تمام معاملات میں ملوث ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا اپنا تمام مسئلہ بھی تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اور جس طرح پروفیسر رازی کو ہیزل سے دلچسپی تھی۔ اسی طرح مجھے سلمان سے محبت تھی۔ میں سلمان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں تھا ہی کیا؟

بہرطور اس عجیب و غریب کمین گاہ میں رات ہو گئی۔ ہیزل نے سب کو ان چلنے لیے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہیزل اس غار کے تمام رازوں سے باخبر ہو۔ اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ یہ شخص جو یورپین جیسی شکل رکھتا تھا بے حد پُراسرار معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز چمک رات کی تاریکیوں میں اتنی گہری ہو گئی کہ ہم اس سے نگاہیں نہ ملا پائے۔ ہیزل البتہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں آ کر بے حد خوش اور مطمئن ہو۔

رات کے گہرے ہونے کے ساتھ ساتھ ساکازونگا میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔

"معزز دوستو! میں اپنے آقا کے ساتھ تعاون پر آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سو بالا مجھے آپ ہی کے ذریعے ملی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ میری زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔

ممکن ہے آپ لوگ اس طویل کہانی سے واقف ہوں۔ اگر نہیں ہیں تب بھی میری یہ جرأت نہیں کہ میں یہ کہانی آپ لوگوں کو سنانے کی کوشش کروں کیونکہ میرا آقا سب جانتا ہے۔ میرے عظیم آقا نے میرے پشت کی تیسری نسل کو شاید یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ اپسرا کے خلاف اپنے آقا کی مدد کرے لیکن بدنصیبی میری پشت کے آخری نسل کے شخص کو کامرانی عطا نہ کر سکی۔ وہ علم میرے سینے میں منتقل ہو گیا جس کے تحت مجھے کام کرنا تھا۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد کی کاوشوں کا جائزہ لیا۔ اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اپسرا کے خلاف براہ راست کوششیں اب تک ناکام ہوتی رہی ہیں۔ تیرہ منصب کی وہ دیوی بے پناہ پُراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اس کا جادو عظیم ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور صحرائے اعظم میں اس کے مقابل کوئی جادوگرنی موجود نہیں ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور شاید ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لیے اس کے تجربات بے حد وسیع ہیں۔ اور اس کی نسبت ہم لوگ بے حد کم تجربے کے حامل ہیں۔ براہ راست کوششوں سے وہ واقف ہو جاتی ہے۔ اور اپنا بندوبست کر لیتی ہے۔ میرے علم نے مجھے میرے آقا کے بارے میں بتایا اور کہا کہ بہت جلد شاید میری زندگی میں ہی وہ مجھ تک پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ طویل عرصے سے میں نے اپسرا کے خلاف صف آرائی شروع کر دی تھی۔ میں نے قریب و جوار کے قبیلوں میں بے چینی پیدا کی۔ ان کا انتخاب کیا۔ اور ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اس بے چینی کے نتیجے میں اپسرا کے خلاف صف آرا ہو سکتے تھے۔ ایسے اکثر قبیلے میرے بتائے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔ اور یہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہی نہیں بلکہ میرے لیے ایک خوش خبری ہے کہ اس دور میں ان قبیلوں کا جنگ کیا جب میرا آقا مجھ تک پہنچا۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں آقا کہ وقت کتنا بھی لگ جائے۔ لیکن اس کا اختتام بالآخر میرے آقا کے ہی ہاتھوں ہو گا جو اسے موت کی اس منزل میں...



www.urdusoftbooks.com
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہنچائے گا جسے وہ بھول چکی ہے اور جس کے بارے میں نے
یقین ہے کہ وہ لوٹ کبھی نہیں آئے گی۔ ہاں، میرا علم کہتا ہے
کہ صدیوں پرانا انتقام کی اس کہانی کو انتقام پر آمادہ کر دے
گا۔" ماکازونگا وجد کے عالم میں بول رہا تھا۔ اور سلمان کی
آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔
ان آنکھوں میں خون کی سرخی ابھر آئی تھی اور اس کے
چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔
سلمان نے لہرا کے کہا تھا کہ وہ پُراسرار قوتیں اس کا ساتھ
چھوڑ چکی ہیں جو اب تک اس کی رہنمائی کرتی رہی ہیں۔
اس کی یہ بات سن کر میں کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔
کہ سلمان کو ملنے والی مدد ختم ہو چکی ہے اور اب وہ کہیں
مشکلات کا شکار نہ ہو جائے گا۔
لیکن ماکازونگا جیسے آدمی کو دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان
ہو گیا تھا۔ عجیب و غریب انسان تھا یہ، ٹھوس صلاحیتوں کا مالک
ہے۔ یقیناً سلمان کا بہترین دست راست ثابت ہو سکتا ہے۔
پھر ماکازونگا نے کہا۔
"وہ وا تو قبیلے، جو میری وجہ سے ایسار کے شدید خلاف
ہو گئے ہیں، جنگ کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور ایسار کے
علاقوں کے قریب ویرانے میں پھیلے ہوئے قبائل پر حملہ بازی کی
نگاہ سے ہیں۔ نیز کیا ہوگا، میں اس کا علم نہیں رکھتا، کیونکہ
یہ ساری چیزیں قبیلوں کی اور ان کے لڑنے والے جنگجوؤں کی
صلاحیتوں پر منحصر ہیں۔ لیکن آقا میں نے ایسار کو شدید ذہنی انتشار
کا شکار کر رکھا ہے۔ اس نے آج تک یہی جال پھیلایا ہوا تھا
کہ اپنی جادوئی قوتوں کو بڑھانے کا، اور کچھ قبائل کو مراعات بخش
دی تھیں اور کچھ کو اس نے پسماندہ بنا دیا تھا۔ جن قبائل کو
اس نے مراعات بخش دی تھیں، وہ پسماندہ قبیلوں پر حاوی
تھے اور پسماندہ قبیلے ان کے ظلم و ستم کے بوجھ تلے سسک
رہے تھے۔
میں نے ان پسماندہ قبیلوں کو ابھارا اور انہیں ان قبیلوں
کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اب یہ جنگ دور
دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے میں ایسار کی وہ طاقت
توڑنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے آج تک کوئی کامیابی نصیب
نہ ہو سکی...
ہاں، تو... کی اپنی طاقت۔ تو اس کی بہت بڑی طاقت
… اب وقت ہے کہ ہم اس تک
پہنچ سکیں۔"
سلمان بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ "میں اس تک پہنچنا چاہتا
ہوں ماکازونگا! وہ اب تک میری پہنچ سے دور ہے۔"
"آقا! میں نے تو کہا کہ آپ … تب کریں
اور وہ وقت دور نہیں۔ جب میں آپ کو … کے پاس روانہ
کر دوں گا۔"
میں اور پروفیسر رازی ان دونوں کے درمیان ہونے
والی گفتگو کو سن رہے تھے۔ پھر ماکازونگا نے کہا۔
"اس کا علم بہت ہے۔ وہ یقیناً اپنے علم کی قوتوں سے
یہ پتہ چلا لے گی کہ تو کون ہے اور اس کے بعد وہ تیرے خلاف
صف آرا ہو گی۔ لیکن آقا اس کی فکر نہ کرنا۔ صدیوں سے عظیم
زمین تیری محافظ ہے۔ اور وہ تجھے تنہا نہ چھوڑے گی۔
ماکازونگا کا علم تیرے ساتھ ہے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز دوں گا
جس سے تو … وہ پہلے بھی …
بھی تجھ پر پوری طرح اثر نہیں کرے گا۔ وہ چیزیں پہلے
بے استعمال نہیں کر سکتا تھا آقا! کیونکہ مجھے اس کی اجازت نہ
تھی۔ وہ صرف تیری ملکیت ہے اور تیرے لیے محفوظ رکھی تھی۔"
رات کو جب سب لوگ سو گئے۔ تو رازی نے میرے
کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے تو یہ آدمی غلط معلوم ہوتا ہے۔"
"کیوں رازی؟" میں نے پوچھا۔
"بس اس کی حرکتیں کچھ مشتبہ نظر آتی ہیں۔ سلمان جوان ہے
اور اس کے ذہن و دل میں انتقام کا سودا سمایا ہوا ہے۔ کوئی
بھی عالم شخص اپنی قوتوں سے کام لے کر کسی بھی شخص کے
بارے میں معلوم کر سکتا ہے جس طرح سو تفانے ہمارے بارے میں
معلوم کر لیا تھا۔ ماکازونگا چونکہ خود بھی ایسار سے دشمنی رکھتا
ہے۔ اس لیے اگر جادو کے زور سے اس نے سلمان کا مقصد
معلوم کر لیا تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو گی۔ ایسی صورت
میں تم سوچ لو کہ کہیں تمہارا یہ ساتھی نوجوان کسی مصیبت کا شکار
نہ ہو جائے۔"
"نہیں پروفیسر رازی، میں صرف اس کا دست راست
ہوں۔ اسے ہدایت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے جو
کچھ دیکھا ہے اس کے تحت میں اسے روک نہیں سکتا۔ وہ جو کچھ
کر رہا ہے وہ بہتر ہے۔ آگے اس کی تقدیر۔ البتہ تمہارے لیے
میری پیشکش ابھی تک برقرار ہے۔"



"جادوگرنی کی باتیں مت کرو۔ مجھے بار بار یہ کہہ کر دکھ مت
دو۔ زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ میں نے اپنی ایک
ایک سانس کو ہیزل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اور صرف اس کی
بہتری کے لیے میں مہذب دنیا کو چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن ہیزل
… بھول گئی۔ اب میں کیا کروں گا۔ کس طرح جیوں گا۔ مہذب
دنیا … واپس نہیں جا سکتا۔
اپنے … چکا ہوں۔" پروفیسر رازی نے افسردہ لہجے میں کہا۔
"تو پھر؟"
"میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جس کے لیے جیتا تھا، وہ
مجھ سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ اب کیا کروں گا؟ یہ بات
… ہے۔"
"حالات ہم لوگوں کو جس سمت لیے جا رہے ہیں پروفیسر،
میری دلی خواہش ہے کہ تم بھی اسی کا ساتھ دو۔" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے بابر! میں اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں؟"
پروفیسر رازی بولا۔
دوسری صبح حسب معمول بے حد خوشگوار تھی، ماکازونگا
اور ہیزل ہمارے ساتھ غار میں نہیں تھے۔ وہ کہیں باہر
نکل گئے تھے۔ پروفیسر رازی جب جاگا، تب ہی اسے معلوم ہوا
کہ ہیزل غار میں نہیں ہے۔
وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر
کے بعد وہ ہیزل کے ساتھ واپس آیا تھا۔ ہیزل مسکراتی ہوئی آ
رہی تھی اور پروفیسر رازی کسی قدر مطمئن تھا۔ اس نے بدلے ہوئے
انداز میں مجھ سے کہا۔
"یہ لڑکی … یہ لڑکی تو بہت آگے بڑھ گئی ہے مسٹر بابر
داؤد خان!"
"کیوں کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"سوچو تو سہی، اب وہ ماکازونگا کا دم بھرتی ہے۔
جب کہ اس سے قبل اس کی نگاہ میں میرے علاوہ اور کوئی
نہیں تھا۔"
"نہیں بابا! اب بھی تمہارا ہی مقام میرے ذہن میں
ہے۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ یہی میری منزل تھی۔ شاید
تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میں نے کتنی بار خوابوں میں ایک شخص
کو دیکھا ہے۔ بابا! میں نے اسے عجیب انداز میں دیکھا ہے۔
… کچھ نہیں سمجھ سکی کہ میں اسے چاہنے لگی ہوں یا وہ صرف میرا
خواب ہے۔ لیکن میں اسے دیکھتی رہی ہوں۔ میں نے اس کے
ساتھ ساتھ بہت سے جہانوں کی سیر کی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ
وہ دنیا دیکھی ہے جو تمہاری دنیا ہے اور مجھے اس کے بارے
میں بڑی عجیب عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"
"تو کیا؟" پروفیسر رازی نے پوچھا۔
"بابا! وہ دنیا میرے لیے بڑی انوکھی ہو گی۔ میں جانتی
ہوں، میں اسے ہضم نہیں کر سکوں گی۔ اور مجھے اتنی عجیب لگے گی
کہ شاید میں پاگل ہی ہو جاؤں۔ لیکن بہرطور مجھے اس دنیا کو دیکھنے
کا شوق تھا اور اگر وہ دنیا مجھے دیکھنے کو مل جائے تو میں اپنے
آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھوں گی۔ تم بے سبب فکر مند مت
ہو بابا! میں سمجھتی ہوں کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے اور یہی
میرے لیے صحیح ہے۔"
"اور اگر تو واقعی خوش ہے تو پھر بھلا بوڑھے پروفیسر کو
اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو خدا کا شکر گزار ہوں۔
لیکن بہرطور میری بچی مجھے خود سے جدا مت کرنا۔ جتنی بھی میری
عمر رہ گئی ہے وہ میں تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"
"بابا! ہم اس زندگی میں جدا نہیں ہوں گے۔ تم بے فکر
رہو۔" ہیزل نے جواب دیا۔
پروفیسر رازی اب اچھا خاصا بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔
ماکازونگا کو بھی اس نے عزت کی نگاہ سے دیکھا جب کہ اس
سے قبل ہمیشہ وہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
آج کا دن کل کی بہ نسبت خوش گوار رہا۔ شام کو حسب
معمول کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ماکازونگا نے
اپنی اسکیم کا دوسرا حصہ ہمیں بتایا۔
"کل صبح سویرے سلمان اور عظیم جنگجو تم ایسار کی رہائش گاہ
کی جانب روانہ ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں جو کچھ
بتاؤں گا اسے ذہن نشین کر لینا۔ جن وادیوں اور راستوں سے
گزر کر تم جاؤ گے وہ پُر پیچ اور دشوار گزار ہیں۔ لیکن تمہاری
رہنمائی قدم قدم پر ہو گی اور پُراسرار قوتیں ہمیشہ تمہارا تحفظ کرتی
رہیں گی۔ چنانچہ کسی بھی مرحلے پر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ
پیش آئے گا، وہ حالات کے تحت ہو گا۔
میں عظیم آقا کو یہ انگوٹھی تمہیں دیتا ہوں۔ سمندر کے … 
والی یہ انگوٹھی قبیلے کے آباؤ اجداد کی امانت ہے، جو مجھ تک
پہنچی تھی۔ اس کے ذریعے تم پر بہت سے رازہائے پنہاں
منکشف ہو جائیں گے اور اس کے ذریعے تمہیں بہت مدد ملے گی۔"
ماکازونگا نے ایک انگوٹھی نکال کر سلمان کو دے دی۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کسی قسم کی لکڑی یا ایسی ہی کسی مضبوط چیز سے تراشی ہوئی تھی۔ یعنی اس کا تیر اور اس پر بنا ہوا سر، لکڑی کے ایک ہی ٹکڑے سے تراشا گیا تھا۔ اور اتنا خوبصورت اور باریک کام سے منقش تھا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔

ایک نگاہ دیکھنے سے اس پُراسرار انگوٹھی کی حیثیت معلوم ہو جاتی تھی۔ سلمان نے اسے بڑے احترام سے لے کر اپنے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہن لیا اور ماکازونگا مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم کل صبح روانگی کے لیے تیار رہنا۔ میں، ہیرل یا ہیرل کے علاوہ پروفیسر رازی تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تم غور کرو گے۔ حالات بھی یہی کہتے ہیں اور ضرورت بھی اسی بات کی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم خود بھی اپنے مشن پر تنہا ہی نکلے تھے۔ ماکازونگا! چند افراد ہم نے ساتھ لیے تھے اور انہیں دھوکا دے کر یہاں لے آئے تھے۔ حالانکہ ہم نے انہیں ان کی کاوشوں کا مناسب معاوضہ دیا تھا لیکن بہرطور وہ بے ایمان تھے۔ انہوں نے ہمارے خلاف سازشیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے ہم نے انہیں چھوڑ دیا لیکن بہرطور ہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمیں آخری منزل تنہا ہی طے کرنا ہوگی۔ اور اس کے لیے میں مکمل طور سے تیار ہوں۔" سلمان نے جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو میرے آقا۔ تمہارے ساتھ ایک نورج ہوگی۔ قوت اور طاقت کی ایک لہر جو بہرطور تمہیں نقصان نہ پہنچنے دے گی۔ اب تم آرام کرو۔ تاکہ کل صبح سفر کی تیاریوں کے لیے چاق و چوبند ہو۔" ماکازونگا نے کہا اور حسب معمول ہیرل کو لے کر باہر چلا گیا۔

پروفیسر رازی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ سلمان اپنی سوچوں میں گم تھا۔ پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا پھر جب ہم نے محسوس کیا تو وہ سو چکا تھا۔

بہرطور پروفیسر رازی کو ہم نے بہت سے راستے دیئے اور کہا۔

"پروفیسر! میری تو منزل یہی تھی۔ اگر وہ محسوس کر سکے کہ ہم لوگ سائے جا چکے ہیں اور اس کو تنہا ہی یہاں رکنا ہو رہا ہے۔ تو وہ اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانے میں آزاد ہوگا۔" میں نے کہا۔

پروفیسر رازی خوفناک آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہوا اپنی آرام گاہ میں واپس چلا گیا تھا۔

علی الصبح ہم لوگ جب اٹھے تو رازی، ہیرل اور ماکازونگا بھی جاگ چکے تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے راستے میں سفر میں باندھ دیا اور پھر ہم روانگی کے لیے بالکل تیار تھے۔ نقشے کی تمام سمتیں اس نے مجھے اور سلیمان کو سمجھا دی تھیں۔ اور بالآخر ہم اس عجیب و غریب غار سے جبل کی شمالی سمت میں چل پڑے۔ گویا اب ہمارا سفر اپسرا کی وادی کی جانب تھا۔

سلمان بہت مطمئن تھا اور چونکہ یہاں رہ کر ہم بہت چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ اور ہمارے پاس خوراک کا بہترین ذخیرہ موجود تھا اس لیے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی۔

دو آدمیوں کا یہ قافلہ گھنٹہ بھر میں اس پہاڑی علاقے سے باہر نکلا اور دوسری پہاڑی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ تقریباً نو یا دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آئی تھی جس پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اور اس کی شعاعیں دلدل کو چاندی کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اس کے گرد میلوں تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

دوپہر کو ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں کھانا کھایا اور پھر اسی دلدل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو یہ راستہ بہت خوبصورت نظر آتا رہا لیکن آگے بڑھ کر اس میں کچھ دشواریاں پیدا ہوئیں۔ گو یہ دشواریاں بہت زیادہ پریشان کن نہ تھیں مثلاً بعض جگہوں پر دلدل نرم تھی اور اس پر سفر کرنا ذرا مشکل تھا لیکن ہم نے احتیاط برتی۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔

لیکن ابھی تک یہ سفر سخت یا ناخوشگوار نہیں محسوس ہوا تھا۔ جیسے جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ یا تو یہی دلدل تھی یا پھر بڑے بڑے مینڈک اچھلتے ہوئے نظر آتے تھے یا پھر وہ چڑیاں جو کبھی کبھی اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں بلکہ ایک طرح سے یہ کہا جائے کہ یہ چڑیاں پتلی دلدل کی رہنما تھیں تو غلط نہ ہوگا۔

کہیں کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن کئی میل چل کر جو پریشان کن چیز ہمیں ملی وہ دلدل سے اٹھنے والے زہریلے ابخارات تھے جو مسلسل ہم پر یلغار کر رہے تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک سطح زمین ملی۔ اس علاقے میں کافی گرمی تھی۔ مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے ہم اسے آرام دہ جگہ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن دلدل کے پریشان کن سفر کے بعد یہ قدرتی فرش ہمیں بہت غنیمت محسوس ہوا۔ یہاں ہم نے



رات کا کھانا کھایا۔

سلمان حسب معمول مطمئن تھا لیکن رات کو اسے سردی لگی اور بخار ہو گیا۔

میں نے جانوروں کی کھالیں جو ماکازونگا نے ہمارے سپرد کر دی تھیں، سلمان پر ڈال دیں۔ اس کے چہرے پر زردی پیدا ہو گئی تھی۔

بہرطور رات کو میں نے اس کی تیمارداری کی۔ پروفیسر رازی نے ہمیں کچھ بوٹیاں بھی دی تھیں۔ جن کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ بوقت ضرورت کام آئیں گی۔ انہی میں سے ایک بوٹی اس نے بخار کی بھی دی تھی۔ میں نے یہی بوٹی سلمان کو استعمال کرا دی۔

آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے اور زمین پر خاموشی کا تسلط تھا۔ سلمان سو گیا تھا۔ میں بہت دیر تک ستاروں سے آنکھیں لڑاتا رہا۔

دلدل زیادہ دور نہیں تھی، وہاں سے اٹھنے والے ابخارات اڑ اڑ کر ہمارے گرد و پیش رقصاں تھے۔ خدا خدا کر کے نیند آئی اور ان پریشان خیالات کا خاتمہ ہوا۔

صبح کو آنکھ کھلی، سورج نکل آیا تھا۔ میری نگاہ بے اختیار سلمان کی طرف اٹھ گئی۔ سلمان بیٹھا ہوا قرب و جوار کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اور شکل سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا گویا حکیم رازی نے جو دوا دی تھی وہ بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"میں ٹھیک ہوں، لیکن عجیب بخار تھا۔ ذرا سی دیر میں زبردست کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے تھوڑا سا آگے بڑھیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں۔ جہاں تم مکمل طور پر آرام کر سکو۔ سفر ایک آدھ دن میں شروع ہو جائے گا۔"

"نہیں چچا جان! یہ مناسب نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ اس معمولی سے بخار سے تھک کر بیٹھ جاؤں۔"

"لیکن سلمان! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں مزید بخار آ لے۔ یہ علاقہ ویسے ہی کچھ ناخوشگوار سا ہے۔"

"نہیں چچا جان! ہم سفر کریں گے۔ میں جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

سلمان نے مجھے مجبور کر دیا۔ بہرطور ہم آگے چل پڑے۔ تین گھنٹے تک کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ہم اس دلدلی علاقے سے دور نکل آئے۔ گویا اب اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

اب راستہ پھر کسی قدر خوشگوار ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر سے پہلے ہم ایک انتہائی پُرفضا مقام پر پہنچ گئے۔ کوسوں تک سبزہ زار پھیلا ہوا تھا جس میں جابجا پھول بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے حسین اور ایسے دلکش کہ بس نگاہ نہ ہٹے۔ پھولوں کے تختے اس طرح نظر آ رہے تھے، جیسے انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہوں۔

سامنے کی سمت ایک پہاڑ تھا، جو حسین سبزہ زاروں سے لدا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر چھوٹے چھوٹے درخت ابھرے ہوئے تھے۔ شاید کوئی پندرہ سو فٹ کی بلندی پر قلعے کی سی فصیل نظر آتی تھی۔ جو اندازاً بارہ تیرہ سو فٹ بلند ہوگی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ فصیل نہیں تھی۔ بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار قائم کر دی تھی۔

بے پناہ حسین خطہ تھا یہ، یہاں آ کر طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہم پہاڑ کی جانب چل پڑے۔

سامنے ہی ایک سڑک نظر آ رہی تھی جو سیدھی پہاڑ پر جاتی تھی۔ لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارے بنے ہوئے تھے۔ جو جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے تھے۔

اس سڑک کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اگر یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہے تو پھر ان پہاڑوں کو توڑنے کا ذریعہ کیا ہوا ہوگا۔ زمانہ قدیم میں ڈائنامیٹ وغیرہ کا بھی وجود نہیں تھا۔ اور اس کے بغیر پہاڑوں کو اس طرح کاٹ کر ہموار کر دینا ناقابل یقین سی بات تھی۔ لیکن یہ منظر ہمارے سامنے تھا۔ قرب و جوار میں وہی سبزہ زار حسین ترین نظارے پیش کر رہا تھا۔ دل ان نظاروں کو دیکھ کر جھوم جھوم جاتا تھا۔ کہیں کہیں سبز چمن کے درخت اور کہیں لمبے لمبے کھجوروں کے درخت تھے۔ جو سو فٹ سے کم اونچے نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک درخت پر شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔

خرگوش، بارہ سنگھے اور ہرن اس طرح نظر آتے تھے۔ جیسے یہ علاقہ بلا شرکت غیرے ان کی ملکیت ہے۔ اس طرح گھومتے پھرتے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اتنا شکار دیکھ کر ہم دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سلمان فوراً نشانہ لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے گولی چلائی۔ نشانہ ایک بارہ سنگھے کا تھا۔ گولی بارہ سنگھے کا کندھا توڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔ بارہ سنگھے کو ذبح کیا۔ اس کو دیکھتے ہی طبیعت میں ایک جولانی سی آگئی تھی۔ اور ہم لوگ بے حد خوش تھے۔ بارہ سنگھے کا گوشت بھوننے میں کافی وقت لگ گیا۔ اور اس کے بعد مزے لے لے کر ہم نے لذیذ گوشت کھایا اور اس کے بعد ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے ہم اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ کچھ اور آگے بڑھے کہ شام کی سیاہی نے اطراف پھیلا کر اس ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت ہم ایک ایسے راستے میں تھے جو ایک پہاڑ کو درمیان سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

بہر طور ان تمام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر اسیری کی پُراسرار رُتوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ہم یقیناً اس کی سرحد پر پہنچ گئے تھے۔

اس کا اندازہ ہمیں دوسری صبح ہو گیا جب جاگے تو سورج چہروں پر چمکا ہوا تھا۔ لیکن سورج کی روشنی میں ہم نے جن زنجیروں کو دیکھا، انہیں دیکھ کر ہم بھونچکا رہ گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بے اختیار اپنے ہتھیاروں کی جانب بڑھے لیکن پھر دوسرے لمحے مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گئے۔ ہمارے تمام ہتھیار ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔

نظر آنے والے تقریباً پچاس افراد تھے جو مختلف جتھوں میں کھڑے چمکدار بھالے ہاتھوں میں لیے ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے بدنوں پر مخصوص قسم کے لباس تھے۔ غالباً بھیڑوں کی کھالوں کے عبا نما لبادے جو دیکھنے میں کافی خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ سروں پر بھی انہی کھالوں کا بنا ہوا خود سا پہنا ہوا تھا ان سب نے۔

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور سلمان آہستہ سے بولا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ گویا ہم اسیرا کے قیدی بن گئے۔"

"کیا کیا جا سکتا ہے؟ بہر طور میرا خیال ہے اتنے لوگوں سے ٹکر لینا ہمارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ اب جب کہ ہم ان کی نگاہ میں آ ہی گئے ہیں۔ تو پھر بہتر یہی ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دیں۔ ممکن ہے وہ اسیرا کے ہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ سے متفق ہوں بھائی جان۔" سلمان نے کہا۔

ہمیں گھیرے میں لیے ہوئے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم جاگ چکے ہیں تو ان کا گھیرا کچھ تنگ ہو گیا۔ پھر دو آدمی سامنے آگئے۔

وہ رکوع کے سے انداز میں میرے اور سلمان کے سامنے جھک گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"پہاڑوں کی عظیم ملکہ، ناتالی، تیز سورج کی بیٹی، آسمان سے ہدایت حاصل کرنے والی تمہیں اپنی سرحدوں میں خوش آمدید کہتی ہے۔ اور جاننا چاہتی ہے کہ تم کون ہو اور کس غرض سے آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟ یوں لگتا ہے کہ تمہارا تعلق افریقہ کی سیاہ وادیوں سے نہیں۔ بلکہ تم اس دوسری دنیا کے لوگ ہو جہاں کے رہنے والے اپنے جادو میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ اور ایسی ناقابلِ یقین زندگی گزار رہے ہیں۔ جن کے بارے میں سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

سلمان نے میری طرف دیکھا۔ گویا اندازہ لگانا چاہتا ہو کہ کس قسم کی گفتگو ان سے کرنا مناسب ہوگی۔ میں اس دوران دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے مطلب کی گفتگو کرنا مناسب ہوگی۔ کیونکہ ان بے شمار تنومند لوگوں سے مقابلہ ناممکن تھا چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس دنیا کے باشندے ہیں اور سیاحت کی غرض سے اس صحرا میں آ نکلے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کون سی سرحد کس کی ہے۔ اگر ہم تمہاری ملکہ کی سرحد میں آ کر کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔"

"عظیم المرتبت کی ہدایت ہے کہ اگر آنے والے نیک طبع اور تعاون کرنے والے ہوں تو انہیں با عزت و احترام اس کے حضور میں لایا جائے۔ اگر وہ خود سر اور سرکش ہوں اور کسی کا احترام کرنے والوں میں سے نہ ہوں تو انہیں ختم کر دیا جائے۔"

"یقیناً تمہارے ہاتھ میں ہے جیسے پسند کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم ملکہ کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے۔ یوں بھی تم لوگ شکل و صورت سے بھی اور گفتگو سے بھی اچھے انسان معلوم ہوتے



ہو اس لیے ہماری پیشکش ہے کہ ہمارے ساتھ چلو۔"

"ہم اس پیشکش کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"تم صرف دو ہو؟"

"ہاں صرف دو۔" میں نے جواب دیا اور اس شخص نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے دو گھوڑے طلب کیے۔ ہمارے لیے دو گھوڑے فوراً آگئے تھے۔

میں اور سلمان ان پر سوار ہو کر ان عجیب و غریب لوگوں کے درمیان چل پڑے۔ گھوڑے قد آور اور سدھے ہوئے تھے۔ وہ اتنے پرسکون تھے کہ ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس شخص کا رویہ بہت بہتر تھا جو ہمارا رہنما تھا۔

سلمان نے یہ بھی اندازہ کر لیا تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مکمل تعاون کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے وہ پرسکون تھا اور گھوڑے پر سے گردن گھما گھما کر قرب و جوار میں پھیلے ہوئے حسین مناظر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بالآخر ہم اس درّے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔ بالکل ہی سامنے ایک عجیب سی جگہ نظر آئی تھی۔ غالباً پہاڑ کی گہرائیوں میں کوئی ندی بہہ رہی تھی۔ اس کی گہرائی میں سے گزر کر ہمیں آگے بڑھنا تھا۔

ندی کے کنارے پہنچ کر چند لمحات کے لیے وہ لوگ رکے، اور انہوں نے گھوڑے کی زینوں میں اٹکی ہوئی مشعلیں نکال لیں۔ حالانکہ باہر کافی روشنی تھی۔ لیکن یقیناً اس سرنگ میں شاید طویل سفر کرنا تھا۔ اور اس وجہ سے یہ مشعلیں روشن کی جا رہی تھیں۔

روشنی کر دی گئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص ہمارے قریب پہنچا اور اس نے زرد پٹیاں نکال کر ہمیں دیں۔ پھر وہ بولا۔

"ملکہ عالیہ کے اصولوں کے مطابق ان کے مستقر تک پہنچنے والوں کو ان راستوں سے ناواقف رکھا جاتا ہے اس لیے تمہیں یہ پٹیاں اپنی آنکھوں پر باندھنی ہوں گی۔"

"اور ہمارے گھوڑے — ہم انہیں صحیح راستوں پر کیسے چلا سکیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی ذمہ داری تم ہم پر چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں اب ان سے تعاون کا فیصلہ کر ہی چکا تھا اس لیے اب ان کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ پٹیاں ہم نے خود ہی اپنی آنکھوں پر باندھ لیں۔ ان لوگوں نے غالباً ہمیں دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر ان میں سے کسی نے ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں اور ہم اس عجیب و غریب ندی میں سفر کرنے لگے۔

گھوڑوں کے پیروں سے ندی میں چھپاکے پیدا ہو رہے تھے، اور وہ سست روی سے سفر کر رہے تھے۔ میں کوشش کے باوجود اس گھماؤ پھراؤ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ندی لہریا سی ہوتی کئی موڑوں میں داخل ہوئی ہو اور وہاں سے آگے بڑھی ہو۔ عجیب و غریب چیز تھی۔ بہت دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں اس راستے سے واپس آنا چاہوں تو صحیح سمت اختیار نہیں کر سکتا۔ یقیناً پٹیاں باندھنے کا مقصد کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دوسری طرف نکل آئے، روشنی کا احساس بند آنکھوں سے بھی ہو گیا تھا۔ بہر طور ہمیں پٹیاں کھول لینے کی اجازت مل گئی۔

میں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو میں ہیں۔ لیکن اس پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے کے بعد مجھے بڑا تعجب ہوا تھا۔ ادھر آ کر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس چڑھائی کو ہم بہت اونچا محسوس کر رہے تھے۔ وہ بہت ہی قریب تھی، شاید وہ سو فٹ اونچی رہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس طرف کی زمین اس طرف کی زمین سے بہت اونچی ہے۔ اب نامعلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا وہ قدرتی اونچی تھی۔

بہرحال اس وقت ہم نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل — ایک پیالے کی وضع قطع کی تھی۔ عجیب نہیں کہ یہ پہاڑ کسی زمانے میں آتش فشاں رہا ہو۔ گرد و پیش کے تمام میدانوں میں کھیتیاں لہرا رہی تھیں اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔

اس کے بعد کچھ کسان نظر آئے، لیکن ہم ان تمام مناظر کو بغور نہ دیکھ سکے۔ ہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان لوگوں سے کسی قدر مختلف لباسوں میں تھے۔ جو ہم لوگوں کو یہاں تک لائے تھے۔

آنے والے جلد ہی قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر گویا سلام کیا اور پھر ہماری کمان ان کے سپرد کر دی گئی۔ وہ لوگ جو ہمیں یہاں تک لائے تھے۔ ہمیں ان کے حوالے کر کے آگے بڑھ گئے۔ گویا اب ہم ان نئے لوگوں کے سپرد کر دیے گئے تھے۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے لوگوں میں سے اس شخص نے جس نے آگے آکر ہمیں سلام کیا تھا، ہماری رہنمائی کے فرائض سنبھال لیے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ہم اس تنگ سرنگ میں چلتے رہے اور پھر ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے پاس ہمیں ٹھہرا دیا گیا۔

دہانہ بہت ہی بلند و بالا تھا۔ یہاں ہمیں گھوڑوں سے اتار لیا گیا۔ غار کے دہانے کے دوسری طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب و غریب جگہ تھی۔ پہرے داروں کے ساتھ ہم اندر داخل ہو گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد یہ تاریکی چھٹ گئی۔ دیواروں میں مخصوص طریقے سے مشعلیں روشن تھیں۔ یہ مشعلیں دیواروں میں گڑی ہوئی تھیں۔ اور پتہ نہیں ان میں کیا جل رہا تھا کہ ایک عجیب سی خوشگوار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

دیواریں منقش تھیں اور یہ نقوش بھی قدیم مصری طرز کے تھے۔ مصر سے بہت دور اس عجیب و غریب علاقے میں مصری طرز زندگی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

ہم غار کی ایک محراب سے گزر کر دوسری محراب میں داخل ہو گئے پھر ایک طرف مڑے۔ یہاں بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے تھے۔ اور ان دروازوں پر مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ہم اسرار کی وادی میں آ پہنچے تھے۔ اور یہ سارا انتظام اسرار ہی کے سلسلے میں تھا۔ اس کی رہائش گاہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر چل کر ہمیں ایک بہت بڑا کمرہ نظر آیا جس کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے یہ پردہ اٹھایا اور گردن جھکا کر ہمیں اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔ اندر داخل ہوئے تو اس کمرے کو نہایت خوشنما اور جاذب نظر پایا۔

پتھروں کے بستر بنے ہوئے تھے جن پر چیتوں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ ایسی ہی کھالیں اوڑھنے کے لیے بھی موجود تھیں۔ پانی سے بھرے ہوئے کچھ برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں آرام کرنے کی ہدایت کی اور کہنے لگا۔

"تمہیں جس چیز کی طلب ہو دروازے پر کھڑے پہرے دار سے مانگ لینا۔ تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" رہنما نے گردن جھکائی اور وہ باہر نکل گیا۔ میں اور سلمان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ سلمان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ یہ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سنجیدہ ہو رہا تھا۔ بتانے سے پہلے کیا ایسی کیفیت طاری تھی۔ حالانکہ طویل سفر طے نہیں کیا تھا لیکن کچھ اس طرح کی تھکن ذہن و دل پر تھی کہ ہر شخص کی طرح جی چاہتا تھا آرام کیا جائے۔ چونکہ اس وقت کوئی حاجت نہیں تھی اس لئے کوئی احساس۔ اسی لیے ہم نے کسی چیز کی طلب نہیں کی اور سلمان برابر والے دو چھپروں پر بیٹھ گئے۔ بڑی آرام دہ کھالیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ غالباً کسی کے بیٹھنے کی وجہ سے موجود تھیں۔ جب کبھی میں ان پر لیٹا ہی تھا کہ گدگدا بستر لگتا تھا۔ دفعتاً سلمان ہنس پڑا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان؟ کون سے خیال پر تمہیں ہنسی آ گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا چچا جان! آپ ناراض ہو جائیں گے۔" سلمان بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے جس بات پر ہنسی آئی ہے وہ آپ کو پسند نہیں آئے گی۔" سلمان نے بتایا۔

"اس کے باوجود میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اس وقت مجھے آپ کے حال پر ہنسی آئی ہے چچا جان!" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب خوب۔ واقعی میرے حال پر ہنسنے کے علاوہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں چچا جان، میں نے کہا تھا کہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"اس کے باوجود میں ناراض نہیں ہوا لیکن میرے حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"چچا جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مستقل زیادتی ہو رہی ہے۔"

"کیوں سلمان؟"

"دیکھیں نا، آپ اپنا ملک چھوڑ کر سرزمین مصر آئے یہاں آباد ہو گئے۔ پتہ نہیں زندگی کی لطافتیں کس حد تک آپ کے ہم رکاب رہیں۔ لیکن جب سے میں آپ کی تحویل میں آیا آپ کو الجھنوں سے ہی دوچار ہونا پڑا۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ میاں تم اپنی محبتوں کا کوئی تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتے۔"

"نہیں چچا جان! میں ان محبتوں کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔ کس طرح انسان کو ذلیل و خوار کر دیتی ہیں۔"



"گویا میں ذلیل و خوار ہو رہا ہوں؟"

"نہیں میں یہ بات تو نہیں کہوں گا۔ لیکن جو پریشانی آپ کو میری وجہ سے اٹھانا پڑی ہے کیا میں اس سے واقف نہیں ہوں؟"

"نہیں سلمان۔ جب تمہارے ساتھ میں تمہارے دل سے شریک ہوں مگر تنہا ہوتے، تب بھی یہی سب کچھ ہوتے لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ سلمان میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت مختصر لوگوں سے رابطہ رکھا ہے۔ ایک عمر گزر گئی جب سب کچھ چھن گیا۔ اور اس کو چھن جانے کو میں نے قسمت سمجھا۔ لیکن پھر اپنی دنیا سے بہت دور یہاں کچھ ایسے لوگ مل گئے۔ جنہوں نے زندگی کو خوشگوار لمحات بخش دیے۔ اور اب تو میں صرف ایک شخص ہوں تمہاری ذات سے وابستہ۔ تمہارے وجود کا ایک حصہ۔"

"چچا جان! آپ یقین کیجئے کہ میں اس دنیا میں سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔"

"یہ تمہاری محبت ہے سلمان! میں بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔"

"میں سوچ رہا تھا چچا جان کہ اب اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"تم بتاؤ سلمان؟ کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟"

"ابھی کچھ نہیں، ہم دو افراد باقی رہ گئے ہیں۔ وہ غلاظت ہمارے درمیان سے چھٹ گئی جیسے جو شخص ہم اپنی مقصد براری کے ساتھ ساتھ لائے تھے۔ لیکن ہم نے ان کے ساتھ نیک نفسی کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ انہیں وہ سب کچھ دے دیا تھا جو ان کی طلب ہو سکتی تھی اور ممکن تھا کہ اگر مصر لے آتے میں وہ ہمارے ساتھ ہمارے مشن میں شریک رہتے اور ہمیں کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم انہیں کچھ اور بھی دے دیتے۔ لیکن ان کی نیتیں واضح ہو گئیں اور وہ ہم سے کٹ گئے۔"

"ہاں ان کا کٹ جانا ہی بہتر ہوا کیونکہ اب ہم جن حالات سے دوچار ہونے والے ہیں، ان میں پتہ نہیں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہوتی۔ ویسے اب آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا ہم اسرار کے حضور پہنچ گئے ہیں؟"

"سلمان! میرا خیال ہے ہمیں اپنی گفتگو میں احتیاط رکھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ طلسم نگری ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیواریں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ ممکن ہے ہماری آوازیں یہاں سے کہیں جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک کہا چچا جان آپ نے۔ لیکن آپ حالات پر تبصرہ تو کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ہم کیا کریں؟"

"سرگوشیاں۔ تم میرے نزدیک آ جاؤ۔" میں نے کہا، اور سلمان اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"لیٹ جاؤ سلمان! میں جانتا ہوں کہ تم بھی آرام کی طلب محسوس کر رہے ہو۔ عجیب سی تھکن ہو گئی تھی ہم دونوں اس سفر میں تھکتے ہو گئے۔"

"ہاں آپ نے صحیح کہا۔ واقعی تھکن کا شدید احساس ہو رہا ہے۔" سلمان نے بھی اتفاق کیا۔

کافی دیر گزر گئی۔ پھر دو سیاہ فام نوجوان [illegible] سنبھلتے اور ہاتھوں میں [illegible] لیے ہوئے تھے۔ پھر وہ اس آرام گاہ میں داخل ہوئے۔ رک کر ہمارے سامنے جھکے اور دونوں نے بیک آواز کہا۔

"محترم مہمانوں! طلب کر رہی ہیں۔ چلئے تشریف لائیے۔"

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور پھر گہری سانس لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ دونوں سیاہ فام ہمارے آگے آگے چل رہے تھے۔ پھر وہ ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے سامنے پہنچے جہاں دو شخص کھڑے تھے۔ جن کی طرح چہرہ ڈھکے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں نے جھک کر ہمیں سلام کیا اور غار کے دروازے پر پڑا ہوا حریری پردہ اٹھا دیا۔

اندر داخل ہوئے تو یہ غلام گردش اور اس کے آگے بھی بالکل ویسے ہی تھے جن میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور دو عورتیں ملیں۔ وہ سب بھی ہم کو دیکھ کر جھک گئے۔ لیکن کسی کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ شاید گونگے تھے۔

وہ سیاہ فام پہلے ہی پہلے پر رک گئے تھے۔ اور یہاں تک ہم تنہا آئے تھے۔ لیکن یہاں سے وہ دونوں عورتیں ہمارے ساتھ ہو لیں۔ مرد پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کر کے بالآخر ایک کمرے تک پہنچ گئے۔ یہاں بہت سی حبشی عورتیں کھڑی تھیں۔

دو چار قدم چلنے کے بعد پھر ایک دروازہ ملا۔ خیال تھا کہ اس کے آگے کوئی اور کمرہ نہیں ہوگا۔ یہاں بھی دو مرد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا اور پردہ اٹھا دیا۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ کمرہ بھی خاصا وسیع و کشادہ تھا۔ یہاں بھی دس بارہ خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ہماری جانب دیکھ رہی تھیں۔ البتہ میں نے محسوس کیا کہ سلمان کو دیکھ کر ان کی کیفیت عجیب ہو جاتی تھی۔

پھر ان میں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے سامنے والا پردہ ہٹا دیا۔ اس کمرے سے گزر کر ایک اور کمرے میں پہنچنا پڑا۔ ہم تو تنگ آ گئے تھے۔ اس جادو بھرے کمروں کے سفر سے۔ آخر ہم ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔

اس کمرے کا طول و عرض بے حد وسیع تھا۔ پردے اتنے حسین تھے کہ بس دیکھتے رہیے۔ البتہ یہاں کوئی پہریدار مرد یا عورت موجود نہیں تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے سب پیچھے رک گئے تھے اور اب ہم دونوں اس وسیع کمرے میں تنہا تھے۔ کوئی اور دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ یہ کمرہ وہ آخری جگہ ہے۔ جہاں ہمیں ملکہ کے دربار میں پیش ہونا ہے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا پھر اگلی دروازے سے پردے کو حرکت ہوئی اور ہم دونوں متجسس نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھنے لگے۔

ایک نہایت ہی خوبصورت گورے ہاتھ کی انگلیوں نے پردہ ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی دلکش آواز سنائی دی۔

"تہذیب کی دنیا سے آنے والے اجنبی لوگو! تم کون ہو اور تمہارا وجود میرے علم سے پوشیدہ کیوں ہے۔ کون سی ایسی شے ہے تمہارے وجود میں جو تمہیں ملفوف کیے ہوئے ہے؟"

پردہ ہٹانے والی ہمارے سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کی آواز کا سحر ہمارے ذہن و دماغ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ ایسی حسین آواز کہ لگتا تھا بہت سے جلترنگ بیک وقت بج اٹھے ہوں۔

ہماری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ ریشم کے لچکے بالوں میں ملبوس سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی ایک عجیب و غریب شبیہ ہماری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی جس کی آنکھوں کی —— جگہ صرف دو سوراخ تھے، انتہائی حسین طرز کے اس برقعہ نما لباس میں اس کے بازو مرمریں تھے، اور ان مرمریں بازوؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔

لگتا ہے سارا دل جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں۔ ایسی سفیدی کے بعد سفیدی کا تصور ذہن سے محو ہو جائے۔ سرو قامت اور انتہائی متناسب بدن کا احساس اس کے لباس سے ہوتا تھا۔ بال سیاہ ریشم کے لچھوں کی مانند گھٹنوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ بال ہاتھوں کے علاوہ ایسے تھے جنہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے تھے۔ وہ ہیولہ چند قدم آگے آیا اور پھر ایک زرنگار کرسی پر براجمان ہو گیا۔

"تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھے دیکھ کر ڈر جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ دوستوں کی طرح مجھ سے گفتگو کرو۔ میں نے تمہیں دوستوں کی طرح طلب کیا ہے۔"

میں نے ایک جھرجھری سی لی اور اس سے گفتگو کرنے کے لیے سنبھل گیا۔

"آپ نے کہا ملکہ عالیہ! کہ ہم ملفوف ہیں۔ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔"

"ایک نقرئی ہنسی ہمارے کانوں میں گونج گئی اور پھر وہی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"ہاں، میری سرزمین میں داخل ہونے والے میری نگاہوں سے دور نہیں ہوتے۔ تم بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ جب تم نے میری سرحد پر قدم رکھا تب ہی مجھے علم ہو گیا کہ دو اجنبی میرے علاقے میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے علم کی روشنی میں ان کی ماہیت جاننے کی کوشش کی لیکن مجھے سفید دھوئیں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اور یہ بات میرے لیے حیرت کن ہے۔ میرا علم مجھے بتا دیتا ہے کہ کون دشمن ہے اور کون دوست۔ میرے سامنے آنے والے اپنا ماضی مجھ سے نہیں چھپا سکتے، لیکن تم تم میری نگاہوں سے دور رہو۔ میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے ہو۔ جب کہ میرے لوگوں نے مجھے بتایا۔ بلکہ تم نے ان سے کہا کہ تم آوارہ گرد ہو اور عام طور سے الظلم میں آنے والے دوسرے لوگوں کی مانند حسین پتھروں کو یہاں سے چوری کرکے جاتے ہیں اور اپنی مہذب دنیا میں شاید ان سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔

ایسے بے شمار افراد صدیوں سے یہاں آتے رہے ہیں اور



میں نے ان میں سے ان کا انتخاب کیا جنہیں یہاں سے واپس جانا ہو، اور جو یہاں سے جانے کے قابل نہ ہوں انہیں میں منظور کر لیتی ہوں۔"

"اس انتخاب کی نوعیت کیا ہوتی ہے ملکہ عالیہ؟"

"جو کچھ بھی ہو تمہیں بتائی نہیں جا سکتی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری اپنی شخصیت کیا ہے۔ کیا تم جادوگری سے واقف ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو عام نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھ سکتے ہو؟"

"ہم نہیں کہہ سکتے ملکہ عالیہ! کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہم عام قسم کے سیاح ہیں اور آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ہم چمکدار پتھروں کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"اور یہ نوجوان شخص کیا کہتا ہے جو حسن و جمال میں بے مثال ہے اور جسے دیکھ کر ہمارا ذہن جھٹکے کھاتا ہے" اس نے سلمان کی جانب اشارہ کرکے کہا۔

"میں اس کا ترجمان ہوں۔ یہ جو کچھ کہے گا، وہ مختصر الفاظ ہوں گے لیکن میرے ہی جذبات کی ترجمانی کریں گے۔"

"گویا تم ان کے ترجمان ہو۔" حسین ملکہ کا حسن ابھی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا لیکن اس کی ایک ایک جنبش اظہار کر رہی تھی کہ اگر یہ سفید پردہ اس کے چہرے سے ہٹ جائے تو شاید ہم اس کے جمال کی تاب نہ لا سکیں۔ بڑی شان سے اپنے حسین اور مترنم لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ کیونکہ میرا ساتھی بہت کم گو ہے اس لیے میں اس کا بھی ترجمان ہوں۔"

"لیکن جو لوگ ہماری قلمرو میں آ جاتے ہیں اور ہمارے لیے اجنبی ہوتے ہیں، انہیں سزا دی جاتی ہے۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں داخل ہو، اور تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو۔" ملکہ نے کہا۔

"اگر یہ ملکہ عالیہ کا قانون ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم دو عادی اور کمزور انسان بھلا اس عظیم ملک کے قانون کو کس طرح توڑ سکتے ہیں۔ ہمارے لیے جو بھی سزا تجویز ہو ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔" میرے ان الفاظ پر آنکھیں مسکرائیں، ہونٹوں کی مسکراہٹ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سفید پردہ میں چھپے ہوئے تھے۔

ملکہ نے ایک ہاتھ اٹھایا اور مجھے اور سلمان کو ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قریب سے ایک پلنگ بچھا ہوا تھا، سامنے ہی میز پر کوئی اچھل جیسی چیز رکھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے پائنتی سنگ مرمر کے ایک بہت ہی خوشنما پیالے میں پانی بھرا ہوا تھا، جس کے اطراف میں تین چراغ جل رہے تھے۔ تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے بالوں اور کپڑوں سے نکل رہی تھی۔ یا کہیں پھول لگے ہوئے تھے۔ مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ غرض ہم اس کے اشارے پر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"ہوں، ہر چند کہ ہمارا قانون یہی ہے کہ ہم اجنبی لوگوں کو ختم کر دیں۔ لیکن تم تجارت کرنے والے ہو، شیریں بیان ہو اور پھر یہ شخص، نجانے کیوں یہ ذہن کے راستے اتر کر دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں لیکن شرط یہی ہوگی کہ میری معلومات میں اضافہ کرو۔"

"ملکہ عالیہ، ہم تیرے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"تمہاری دنیا، جسے تم تہذیب کی دنیا کہتے ہو۔ کیسی ہے؟"

"بہت عمدہ، بہت دلکش، بہت حسین جدید ترین طرز زندگی سے آراستہ۔"

"سنا ہے وہاں کی زندگی بہت تیز ہو گئی ہے۔ انسان نے سائنس کے نام پر ایسا جادو ایجاد کر لیا ہے جو قدیم جادو سے قدرے مختلف ہیں۔"

"اس میں بھی کوئی شک نہیں ملکہ عالیہ! یہ سب ہنر کا جادو ہے طلسمی نقشوں سے حالات کو دسترس میں نہیں لیا جا سکا۔ بلکہ علم کے ہاتھ پاؤں اس جادو کو حاصل کرنے میں معاون ہوئے ہیں۔"

"خوب بہت خوب۔ گویا اب جادو اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسے حاصل کر سکتا ہے۔"

"ہاں۔ ہماری دنیا میں جو جادو ہے وہ یہی ہے۔ ہم ہنر سیکھتے ہیں۔ اس ہنر سے ہم سمندر کی گہرائیوں میں سفر کر سکتے ہیں۔ ہواؤں کے دوش پر اڑ سکتے ہیں۔ اپنی آواز میلوں دور پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کی سن سکتے ہیں۔ غرض ضروریات زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں اس جادو نے ہمیں مہیا کر دی ہیں۔ اور اسی ہنر کو ہم نئی تہذیب کا جادو کہتے ہیں۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن یہ ہنر سیکھنے کے لیے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کیا ایک انسان تمام ہنروں میں طاق ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ہر شخص ایک الگ ہنر کا حامل ہوتا ہے اور وہ جو کچھ جانتا ہے وہی کرتا ہے۔ دوسرا جادوگر دوسرے ہنر سے کام لیتا ہے۔ اس طرح یہ ہنر کے جادوگر مشترک طور پر اپنا وقت گزارتے ہیں۔"

"تمہیں یہ بات مجھے پسند آئی۔ بتانے کیوں! ارہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں تہذیب کی نئی دنیا دیکھوں لیکن کیا کروں۔ یہاں اپنے ماحول میں اپنے حالات میں اس طرح گھری ہوئی ہوں کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" ملکہ نے کہا۔

"تہذیب کی دنیا کا ہنر بہت عظیم ہے ملکہ! اگر آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔"

"مگر کیسے؟ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آہ! یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں ان پہاڑوں کی حکمران ہوں لیکن اگر تم یقین کرو تو شاید یہ کہنا بجا ہو بجانب ہوگی کہ میں ان پہاڑوں کی قیدی ہوں۔ میں یہاں اس طرح سے محصور ہوں کہ یہاں سے نکلنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میں آزاد ہوں اگر میں چاہوں تو یہ سب کچھ چھوڑ کے جا سکتی ہوں لیکن یہ بھی میرے لیے ناممکن ہے۔" ملکہ کی آواز میں ایک ہلکی سی اداسی پیدا ہو گئی تھی۔ میں اور سلمان معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

مہانے سلمان کو کیا سوجھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھے اور اس کے قریب پہنچ گئے۔ ملکہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لہرا گئی تھی۔ وہ سلمان کو برق پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اور پھر شاید ان کی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا بات ہے جوان! تم کھڑے کیوں ہو گئے!"

"میں تمہیں پیش کش کرنا چاہتا ہوں، ملکہ عالیہ! تم اگر چاہو تو میرے ساتھ میری دنیا کی سیر کرو۔ میں وہاں تمہیں اپنے معزز مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہوں گا۔" ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"صدیوں کے تجربے نے مجھے یہ بتایا ہے کہ کبھی کسی انسان پر بھروسہ کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ تو کون ہے؟ یہاں کیسے آیا؟ ہر چند کہ تیرا چہرہ یہ بتاتا ہے کہ تیرا دل کا وسیع اور بات کا دھنی ہے لیکن پھر وہ میں اپنی اسی دنیا میں زیادہ مضبوط اور مطمئن ہوں۔ اور پھر میری زندگی میری طویل ترین زندگی کے لیے کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو یہاں کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتیں یا مل سکتی ہیں تو انہیں تعمیر کرنے میں بہت ہی وقت درکار ہوگا۔ پھر بھلا یہ دنیا میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں!"

"میرے پاؤں پر بھروسہ کرنا جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت ہوگی۔ وہ تمہیں مہیا کی جائے گی۔" سلمان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلمان اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہ جذباتی نہیں ہوا تھا اور اپنے خاندانی انتقام کو لینے کے لیے بے چین نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ ایک جذباتی نوجوان ہوتا یا عقل و خرد سے عاری ہوتا تو خون کھول کر دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتا۔ اور ملکہ کے قہر کا شکار ہوتا لیکن سلمان بڑی ہوشیاری سے کام لے رہا تھا۔ وہ اپنے چہرے پر کچھ ایسے آثار پیدا کر رہا تھا جیسے وہ ملکہ کے لیے دیوانہ ہو گیا ہو، اور شاید ملکہ بھی اس بات کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے شک، تیری یہ پیش کش مخلصانہ ہے اور اس کا جواب نہ دینا ناسپاسی ہے لیکن تو نہیں جانتا کہ میرے اپنے مسائل کیا ہیں۔ بعد میں تجھے بتاؤں گی۔" —— اس نے کہا اور دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر وہ اس پیالے کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کا سایہ اس پانی پر ڈالا اور یکایک پانی پر ایک سیاہی سی دوڑ گئی پھر وہ صاف ہو گیا۔ ہم دور ہی سے دیکھ سکتے تھے کہ اس پانی میں بنتی بگڑتی تصویریں نظر آنے لگیں۔ پھر ہلکا ہلکا شور ابھرنے لگا اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ میدان کارزار تھا۔ وحشی قبیلے ایک دوسرے سے جنگ آزما تھے۔ بستیاں جل رہی تھیں۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ چیخ و پکار ابھر رہی تھی۔ اور عجیب شور شرابا ہو رہا تھا۔ جنگ کے اس منظر کو ہم دم بخود دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں تفکر کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ غور سے اس جنگ کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"وہ ناعاقبت اندیش جو ہمیشہ میری تباہی کا خواب دیکھتے رہے ہیں، اب انہوں نے میرے خلاف ہتھیار اٹھا لیے ہیں۔ اور میں ان لوگوں کو چھوڑ دے چکی ہوں میں جانتی ہوں جیسے



جنگ کریں گے تباہ ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند بچیں گے تو میں انہیں آسانی سے قید کر لوں گی۔ اور ایک بار پھر وہ میرے ہی عبادت گزار ہوں گے۔ موت آتی ہے ان سب کی، اپنی قوت کم کر رہے ہیں۔ تو اس سے مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو پھر بھی زندہ رہوں گی اور یوں ہی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ! یہ سب تمہارے لیے جنگ کر رہے ہیں؟"

"ہاں کچھ میرے لیے اور کچھ میرے خلاف یہ چند ایسے ناعاقبت اندیشوں کی کارروائی ہے جو صرف ان قبائل کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میرے جادو کے سامنے وہ نہیں ٹک سکتے اور بالآخر انہیں موت کا شکار ہونا پڑے گا۔"

سلمان چند لمحات سوچتا رہا پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن اگر تم اس مہذب دنیا میں نہ جا سکیں تو پھر ہم بھی وہاں نہیں جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اپنی قلم رو اپنی اس عظیم دنیا میں ہمیں بھی تھوڑی سی جگہ دے دو۔" ملکہ مسکرا دی۔ اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سلمان کا ہاتھ پکڑا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا کرے گا تو یہاں رہ کر، تو اتنا حسین ہے کہ دیکھ کر پیار آ جائے۔ ہم اگر اپنی منزل سے بھٹک گئے تو۔ تو ہمارے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں۔ میں اپنے دل کی بات ازراہ احترام تم سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لوں۔"

"تجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دم کے دم میں تو چلا جائے گا اور اس کے بعد اگر میرے اور تیرے درمیان ذہنی رشتے بڑھ گئے تو پھر میں پریشان رہوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ خود پریشان رہوں۔ یا تمہیں پریشان کر دوں۔" ملکہ کے لہجے میں عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ سلمان اسے دیکھتا رہا پھر وہ مایوسی کے عالم میں بولا۔

"یہ میری آرزو تھی، میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اگر یہ پوری نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے میری حیثیت یہاں معزز مہمان کی سی نہیں ہے۔" سلمان کے الفاظ سن کر ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں۔ تیرے حسن و جمال نے تجھے ایک معزز مہمان کی حیثیت بخش دی ہے۔ ہم تجھے اپنی قلم رو میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ لیکن بس ہم ایک بات سے پریشان ہیں۔"

"کیا؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہمارا جادو ہمیں ہر آنے والے ہر لمحے کے بارے میں بتا دیا کرتا ہے۔ ہم دور سے انہیں دیکھ لیتے ہیں جن کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں لیکن جب بھی ہم نے تیرے بارے میں اپنے جادو کو آواز دی اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ آؤ ہم تمہیں اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتائیں۔" ملکہ نے سلمان کو پانی کے اس پیالے کے پاس بلایا اور پھر وہ اس پر طرح طرح کے مناظر سلمان کو دکھاتی رہی پھر بولی۔

"یہ وہ خیالات ہیں جو ہمارے ذہن میں بستے ہیں اور ہمارا علم اس کا جواب اس تصویر کی شکل میں اس پانی میں پیش کر دیتا ہے لیکن ہم تیرے بارے میں سوچتے ہیں تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور دیکھو اس پیالے میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ تیرے اندر کون سا طلسم ہے جو ہمارے علم کو ساکت کر دیتا ہے۔ ہم تجھے اس میں تلاش نہیں کر پائے اور یہی احساس ہمارے ذہن میں ہے۔"

"میں خود تیرے حضور موجود ہوں ملکہ! میرے بارے میں جو سوال کرنا ہے مجھ سے کر۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا علم میرے بارے میں خاموش کیوں ہے لیکن میری زبان تو تیرے لیے خاموش نہیں ہے۔"

سلمان کے الفاظ پر ملکہ پھر مسکرا دی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پیچھے کر کے پہلے اپنے سر کا بند کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا وہ پردہ برابر نیچے آ گیا۔ بجلی سی چمک گئی تھی۔ پلکیں جھپک گئی تھیں۔ حسن و جمال کا ایسا پیکر جو تصور میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ وہ اس زمین کی سب سے حسین تر مخلوق تھی۔ عورت کے حسن کا تصور جہاں تک انسانی ذہن کی کائنات میں پوشیدہ ہو سکتا ہے وہ سب مجسم تھا۔ عضو عضو نزاکت کے سانچے میں ڈھلا ہوا حسن و جمال کے اس پیکر کا کوئی نقش ایسا نہ تھا جو اپنی جگہ بے مثال نہ ہو۔

سلمان مبہوت ہو گئے تھے اور میں بھی فکر کی اس منزل میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں اب بے چینی سوا ہوتی مجھے شکست نہیں دے سکتے تھے۔ ساکت و جامد کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ اس کے حسن و جمال کی تعریف کی جائے یا خاموشی اختیار کی جائے۔

سلمان بے خودی کے عالم میں دو قدم آگے بڑھے اور اس کے روبرو پہنچ گئے۔ حسین لڑکی کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں نے کہا تھا کہ تم لوگ میرے حسن و جمال کی تاب نہ لا سکو گے۔ تم خود کو سنبھالو۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری فرمائش اور تمہاری خواہش پر کیا ہے ورنہ ایسا میں کسی کے سامنے نہیں کرتی۔ میں جانتی ہوں کہ چشمِ انسانی میرے حسن و جمال کی تاب لانے سے قاصر ہے۔"

"اور یہ حسن ہزار ہا برس سے قائم ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں سورج کی بیٹی ہوں۔ سورج سے براہِ راست زندگی حاصل کرتی ہوں۔ اور زندگی حاصل کرنے کا یہ نسخہ مجھے میرے علم نے دیا۔ تم لوگ خود کائنات پر غور کرو۔ چاند ستارے، ہوائیں، بادل، پانی، سورج یہ سب ترکیب ہو کر انسانی شکل و صورت اختیار کر گئے ہیں۔ حیات و ممات کا سلسلہ انہیں سے منسلک ہے۔ اگر ہم انسانی بدن کو روزِ اول سے ان تمام چیزوں کے حصول کا عادی بنا لیں تو پھر انسانی جسم فنا نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ یہ تصور دنیا کے تمام ذہنوں کے لیے باطل ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تجربہ کبھی کوئی نہ کر سکا اور یہ تجربہ تو اسے ہر کیا رہ پہلا دن چاہیے جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا۔ سمجھے کس طرح ان تمام چیزوں کا عادی بنایا گیا اور کس طرح میرے لیے کیا کچھ کیا گیا۔ یہ ایک طویل کہانی ہے اور اس کا تعلق تم لوگوں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی ہوگی لیکن یہ سب ہوا اور میں یہ بن گئی۔ اور اب بھی جب مجھے کوئی کمی کوئی خامی اپنے بدن میں محسوس ہونے لگتی ہے تو ایک ماہ تک میں یہ عمل دہراتی ہوں اور پھر ایک طویل زندگی میری ہم رکاب ہو جاتی ہے۔"

"اس دوران آپ کی زندگی گوناگوں واقعات سے دوچار ہوتی رہی ہوگی۔"

"نہ ہوتی تو شاید مجھے زندگی کی اس طوالت میں دلکشی محسوس ہوتی۔ بدلتے ہوئے حالات ہی تو انسان کی زندگی کو دلکش بنا دیتے ہیں۔ اور پھر یک ایسے زندگی عطا کرتی ہے جس نے یہ سب کچھ نہیں؟ دنیا لیکن مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میری زندگی اور موت میری اپنی تحویل میں ہے۔ میں جب تک چاہوں زندہ رہ سکتی ہوں اور جب میں موت کو اپنانا چاہوں تو مجھے میرے لیے مشکل نہ ہوگی۔ گویا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں نے زندگی اور موت دونوں پر قابو پا لیا ہے۔" سلمان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

تھا اب وہ اس کے سر سے نکل گیا تھا اور اپنے اس مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ اسی مشن کے لیے تو اس کے آبا و اجداد راستے عبور کرتے رہے تھے اور انہوں نے اس کی یہاں تک رہنمائی کی تھی۔ تب ملکہ نے کہا۔

"بہر طور معزز مہمانو! تمہاری آمد سے مجھے مسرت ہوئی۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس وسیع کائنات کا ایک ایک چپہ دکھاؤں۔ میں بتاؤں کہ میں نے اپنی زندگی کو یہ طول دینے کے لیے کیا کیا ذرائع اختیار کیے ہیں۔ کیا تم یہ دیکھنا پسند نہ کرو گے؟"

"دل و جان سے۔ ہمیں تمہاری اس دنیا میں آ کر ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ اس دنیا کا تعلق ہماری دنیا سے ہے۔" سلمان نے سنبھل کر کہا اور ملکہ مسکرانے لگی پھر بولی۔

"نہیں نوجوان میں نے بھی اپنی زندگی میں محبت کی۔ لوگوں کو چاہا ہے۔ میں نے خود کو خواہشات کی ان ناپاک زنجیروں سے آزاد رکھا ہے جو انسانی بدن کو جکڑ دیتی ہیں اور پھر وہ انہی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ میرے دل میں آرزو ہی نہ پیدا ہوئی ہو۔ صدیاں پہلے میرے دل میں — کوئی آ بیٹھا تھا لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی کہ میں اسے اپنا نہیں سکتی تھی اور میں نے اس کے بدن کو فنا کر دیا۔ اس زمانے کے بعد سے آج تک میں دکھوں کا شکار ہوں، وہ مجھے اکثر یاد آ رہا ہے۔ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میرے دل کو ایک احساس ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ کمی پوری ہو سکے۔" سلمان نے گردن جھکا لی ملکہ چونک کر بولی۔

"اب میں تمہارے آرام کا انتظام کر دوں۔ میں تمہیں اپنی کائنات کی سیر کے لیے لے جاؤں گی۔ سکون سے رہو اور یہ سمجھو کہ تم میرے معزز مہمانوں کے درمیان ہو جنہیں میں نے پسند کر لیا ہے۔ بس تمہاری تفریحِ طبع کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے ایک تالی بجائی۔ تالی بجانے سے قبل اس نے وہ برقعہ اپنے بدن پر پہن لیا تھا۔ اور پھر چند خادمائیں حاضر ہو گئیں اور ملکہ نے انہیں چند ہدایات دیں اور انہوں نے گردنیں خم کر دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک خوبصورت اور پُرسکون رہائش گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں زندگی کی آسائشیں گوناگوں بھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت ہی وسیع و عریض غار تھا۔ جس کو دنیا کی حسین ترین چیزوں سے سجایا گیا تھا۔ ایلزبتھ



ہے جن کی طلب دنیا والے خواب کے عالم میں کرتے ہیں۔ ورنہ نہیں پا نہیں سکتے۔"

تمام ضروریات سے فارغ ہو کر میں اور سلمان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سلمان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"چچا جان! کیا دیکھا؟ کیا سوچا اور کیا محسوس کیا؟"

"کہانیوں کی باتیں سچ ثابت ہو رہی ہیں سلمان! اس سے قبل اپنی دنیا میں، اپنے وطن میں، اپنے بچپن میں اور پھر ہوش و حواس کے عالم میں بھی میں نے ایسی کہانیاں سنی تھیں اور انہیں اپنے بچوں کو بہلانے کا سامان سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ ظاہر ہے بچے ہی ایسی پُرلطف کہانیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بڑی عمر ہونے کے بعد ان تمام چیزوں کا تصور ذہن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن آج یہ محسوس ہوا کہ کسی چیز کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا وجود ہے۔ جو میں نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے چچا جان! لیکن میں اب اپنے دشمن کے سامنے پہنچ چکا ہوں اور میرے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔"

"میں تو خوف زدہ تھا تمہاری طرف سے سلمان!"

"کیوں چچا جان؟" سلمان نے پوچھا۔

"معاف کرنا سلمان! میرے ان الفاظ کو اپنی توہین نہ محسوس کرنا۔ جوانی کی یہ عمر تمام جذباتی بندشوں سے آزاد ہوتی ہے۔ ایک لغزش مجنوں کو ساری زندگی صحرا میں بھٹکا سکتی ہے۔ ایک نظر فرہاد کے لیے زندگی کا آخری پیغام لے آتی ہے۔ حسن ایسی ہی چیز ہے۔ ایسی ہی بے مثال شے ہے جو نامراد انسان کو بھٹکا دیتا ہے۔ مجھے خوف تھا کہ تم کہیں اس ملکہ کی باتوں میں آ کر بھٹک نہ جاؤ۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے چچا جان! کہ وہ حسن و جمال میں یکتا ہے اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ ہوتی تو میں شاید اس کی آرزو میں زندگی کا آخری سانس صرف کر دیتا لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میرے آباؤ اجداد کی روحیں ایک گھر پر میری منتظر ہیں۔ وہ میری کامرانیوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ اور میں جو ان سے ہوں اور جو مجھ سے ہیں۔ اور جنہوں نے میری تخلیق میں ہر طرح تعاون کیا۔ وہ میرے لیے زیادہ محترم ہیں میری اپنی خواہشات سے، میری خواہشات تو یہی کہتی ہیں کہ میں دنیا کی ہر شے بھول کر اس کے قدموں میں زندگی کے آخری سانس تک گزار دوں۔ لیکن میرا فرض کہتا ہے کہ وہ ان کی دشمن ہے جو میرے اپنے تھے اور جن کے ذریعے انہیں شدید اذیت و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مجھے ان کا انتقام لینا ہے۔ چنانچہ چچا جان! میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے انتقام لوں گا۔ اب جب کہ تقدیر نے مجھے اس تک پہنچا ہی دیا ہے تو پھر کیا ضروری ہے کہ ہم اس کو فنا کر کے یہاں سے چلیں۔"

"گویا تم اپنے ارادے میں مضبوط ہو؟"

"چچا جان! سب سے زیادہ مجھے متزلزل کرنے کے لیے بس وہ چند لمحات کافی تھے جب میں نے پہلی بار اس کی شکل دیکھی تھی۔ لیکن اب جب کہ میں ان لمحات سے گزر چکا ہوں اور اپنے فیصلے پر قائم ہوں تو یوں سمجھ لیں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی۔"

"زندہ باد سلمان! زندہ باد۔ میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر تم اس کے حسن و جمال کا شکار ہو کر اپنا مشن بھول جاتے تو یقین کرو کہ مجھے یہاں تک آنے اور اپنی زندگی ضائع ہونے کا شدید رنج ہوتا۔" سلمان مسکرانے لگا پھر اس نے کہا۔

"سوال یہ ہے چچا جان! کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"وہ تم سے بہت متاثر ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں اپنا سب کچھ بنانا چاہتی ہے۔ اسے یہی راستہ دکھاتے رہو اور خود کو اس کے سپرد کر دو اور پھر جس وقت وہ تمہیں یہاں سے اپنے طلسم کدے میں لے جائے جہاں وہ زندگی پاتی ہے تو تم مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا۔ اس بات کی خواہش اس سے ظاہر کر دینا کہ مجھے تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہاں چل کر ہم وہ تمام چیزیں دیکھیں گے اور پھر انہی میں سے اپنے لیے کوئی صحیح راستہ منتخب کریں گے۔" میں نے کہا اور سلمان نے گردن ہلا دی۔

اس وقت کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ہمیں غاروں میں ہماری خاطر و مدارات میں کوئی فروگزاشت نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ ہر طرح کی آسانیاں ہمیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ اپسرا نے اس دوران ہم سے دو بار ملاقات کی تھی۔ ہم پر بہت مہربان تھی اور خاص طور پر سلمان پر۔ وہ جب بھی اس کی جانب دیکھتی، اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار ابھر



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آگئے تھے اور سلمان بھی اس کی منت کو جواب منت سے سمجھ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایسرا کے ساتھ منافقت برت رہے ہیں، لیکن بہرصورت ضروری تھا کہ سلمان ٹھیک اپنے منصوبے کو پورا کریں۔ بالآخر ایک صبح ایسرا نے اعلان کیا کہ آج وہ ہمیں اسی عیش گاہ کی جانب سفر کرنے والی ہے جہاں سے وہ زندگی پاتی ہے۔ سلمان کو وہیں اسی عیش گاہ میں لے جا کر بتانے کیا رہنا چاہتی تھی۔ بہرطور اس کے لیے اس نے سلمان سے مخصوص نوعیت کی گفتگو کی تھی جسے بتاتے ہوئے چند ہی سلمان نے مجھ سے کہا۔

"چچا جان! یوں لگتا ہے کہ صورت حال ہمارے حق میں بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ مگر خاتون مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور شاید مجھے بھی بے حد چاہتی ہیں تاکہ زندگی بھر کے لیے وہ مجھے اپنا ساتھی بنالیں۔"

"آہ! سلمان! یہ سب کچھ تو ہے لیکن تمہیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ ہم جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ تو پیچھے رہ جائے اور ایک دوسرا مرحلہ ہماری زندگی میں شروع ہو جائے!"

"نہیں چچا جان! میرا خیال ہے اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آپ خدا کی ذات سے مطمئن رہیں۔ میں صرف اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ہر لمحہ یہ احساس کھائے رہتا ہے کہ یہ وہی عورت ہے جس سے مجھے انتقام لینا ہے۔" سلمان بولا۔

"اور اس احساس کو اپنے ذہن پر تمام احساسات سے برتر رکھنا۔ اسی میں ہماری نجات ہے۔" میں نے کہا۔

ایسرا چلنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اس کی دو خادماؤں نے ہمیں اطلاع دی کہ ہم سب تیار ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس سفر کا آغاز کر دیا۔ حسین ملکہ ہمارے ساتھ تھی۔ ہم ایک لمبی سرنگ سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ میں اور سلمان اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اور وہ حسین دوشیزہ ایک سادہ لباس میں ملبوس ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔ لیکن جن راستوں سے وہ گزر رہی تھی، وہاں سے شاید کسی دوسرے کے گزرنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنا چہرہ کھول دیا تھا۔

بلانے کا سلسلہ کتنا لمبا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس نازک اندام حسینہ کو اس پہاڑ پر چڑھنے میں خاصی دقت ہوگی لیکن مجھے تعجب ہوا کہ وہ سب سے آگے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہوائیں اس کی مدد کر رہی ہوں اور راستہ اس کے سفر میں نہایت آسانیاں فراہم کر رہا ہو۔ جب کہ ہمیں خوفناک پہاڑی کو دیکھ کر ہی ذہنی وحشت ہو رہی تھی۔ تاہم سفر کے دوران اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ راستے دشوار گزار نہیں تھے۔ بعض جگہیں ایسی تھیں کہ ذرا پاؤں پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں ٹوٹنے سے بچ نہیں سکتی تھیں۔ کوئی سو فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمیں ایک سیاہ دہانہ نظر آیا جو کافی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے وہ کشادہ اور پرہول ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آگے پہنچ کر وہ بہت کم رہ گیا۔ پھر چٹان کا ایک ٹکڑا ملا جس نے ہمیں بالکل ہی چھپا لیا۔ اس کے بعد راستہ ہموار تھا اور ایک وسیع و عریض سرنگ پر ختم ہو جاتا تھا جو اس راستے کی طرح قدرتی تھی۔

میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں نے یہاں کی چٹان اڑا کر یہ سرنگ بنائی ہوگی۔ اس سرنگ کا بے ترتیب راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا۔ دوسری طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن ایسرا نے سارے انتظام کیے ہوئے تھے۔ اس نے دو مشعلیں نکالیں جو اس غار کے پاس ہی کہیں موجود تھیں اور پھر چقماق سے انہیں روشن کر دیا۔ اس نے دو مشعلیں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں۔ اور ایک خود لی۔ اور آگے آگے سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا اس لیے ہمیں بڑی احتیاط سے چلنا پڑا۔ اور شاید آدھے گھنٹے میں ہم نے صرف چند فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔

تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے۔ اسی وقت ہوا کے ایک تیز جھونکے نے ہمارے ہاتھوں میں تھمی ہوئی مشعلوں کو گل کر دیا۔ تاریکی ایسی خوفناک تھی کہ ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اسی وقت ایسرا کی آواز سنائی دی۔ وہ پھر ہم سے آگے نکل گئی تھی۔ اس لیے ہمیں اپنے پاس بلا رہی تھی۔ ہم ٹٹولتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ اس نے چقماق سے آگ جھاڑی اور مشعل تمام مشعلیں پھر جلا لیں۔ پھر دو چار ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک اور خوفناک چیز نظر آئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں نے اپنے دور میں ایک اور گڑھا اس طرح سے بنایا تھا کہ ایک طرف پہاڑ میں نہ جانے کس طرح ایک چٹان الگ ہو گئی تھی اور اس کے اطراف خالی تھے۔ اطراف کی گہرائیاں اس قدر تھیں کہ جہاں تک وہاں نگاہ پہنچ سکتی تھی ہم اندازہ نہیں لگا سکے کہ اس گڑھے کا اختتام نہ جانے کہاں اور کس طرح ہو سکتا ہے؟

میں تعجب خوف سے لرز کر رہ گیا تھا۔ یہ سلمان چٹان پر



جہاں نہ جانے کتنا زیادہ فاصلہ تھا [illegible] اس پار تک پہنچنا اتنا آسان نہیں تھا۔ کہا جا سکتا تھا کہ اس کی صحیح گہرائی کہاں تک ہے۔ [illegible] اسی وقت ایسرا کی آواز سنائی دی۔

"یہ ایک قدم [illegible] آگے ہوا بھی تیز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہوا کا تیز جھونکا تمہیں کسی گڑھے میں جا گرائے۔ اور ادھر ادھر کی گہرائیوں کی کوئی تھاہ نہیں ہے۔" اس پار کے ان الفاظ نے [illegible] خوف طاری کر دیا۔ میں نے تو دونوں ہاتھ پیروں سے چلنا شروع کر دیا تھا۔

البتہ سلمان وزن سنبھال کر چل رہا تھا اور وہ خاتون ہم سے آگے تھی۔ جب کوئی جھونکا آتا تو ذرا سا جھک جاتی۔ ورنہ بے خوف و خطر سینہ تانے اڑی چلی جا رہی تھی۔ ہم اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے اس لیے ہمیں اس راستے پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رک کر ہوا کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک جھونکا آیا۔ میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا اور سلمان بھی۔ البتہ ایسرا اکڑوں بیٹھ گئی اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو ہوا کے جھونکے سے بچا لیا۔ بہرطور خدا خدا کر کے اس خوفناک چٹان کا خاتمہ ہوا اور ایک نئی مصیبت سامنے آگئی۔ چٹان کے سرے پر ایک خوفناک غار منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی تھی اس غار کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے اور اس کے اطراف میں کیا ہے؟ بہرطور دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا مگر نہ معلوم کیا تھا۔ بہرحال ایسرا نے مشعل ایک سوراخ میں نصب کر دی اور مسکراتے ہوئے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"اب ذرا سا یہاں سستا لو۔ تھوڑی دیر بعد روشنی ہو جائے گی۔" ہم دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بحر ظلمات میں روشنی کہاں سے آئے گی؟ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دفعتاً تیز دھوپ نے اس جگہ کو روشن کر دیا۔ ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دھوپ کہاں سے آگئی؟

بہرحال یہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے اس چٹان میں کوئی شگاف ہو اور سورج کی روشنی یہاں داخل ہونے کا کوئی انتظام ہو۔ ورنہ وہ اس اعتماد سے روشنی ہونے کے بارے میں نہ بتاتی۔ ہمارے سامنے تقریباً تین ساڑھے تین گز چوڑا غار تھا جسے عبور کیے بغیر کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی گہرائیاں بھی نامعلوم تھیں۔ ہم نے ایک لمبے تختے کی شکل دیکھی۔

اسی وقت ایسرا نے ایک تختے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ تختہ پل کا کام دے گا۔" اور وہ پھر اس کے آگے بڑھ گئی۔

"یہ تختہ...؟" میرے حلق سے گھٹی گھٹی آواز ابھری اور سلمان کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

سلمان کے قہقہے کی آواز سن کر ایسرا چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"تمہارے لوگ مجھے بہت پسند ہوتے ہیں۔ جو خطرناک ترین حالات میں بھی قہقہے لگا سکتے ہیں۔ شاید تم خوف زدہ ہو۔" اس بار اس کا تخاطب مجھ سے تھا۔

میں نے اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس میں سوچ رہا تھا کہ اس تختے سے گزرنا کتنا مشکل کام ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زندگی کا آخری سفر ثابت ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی دل میں ایک اور جذبہ ابھرا۔ زندگی کا آخری سفر تو کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ان غاروں میں، کسی مائیشیا محلے کے عالی شان بیڈ روم میں یا پھر کہیں بھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

بہر صورت ایسرا نے اپنے ہاتھ سے وہ تختہ درست کیا اور اس پر چڑھ کر اپنے وزن کو تولنے لگی۔ پھر بولی۔

"معلوم ہوتا ہے کسی پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ چٹان ہلنے پر بوجھ سے نیچے نہ گر پڑے۔ پہلے مجھے چلے جانے دو۔ میں اندازہ لگا لوں گی۔"

ہم نے کوئی تعرض نہ کیا اور وہ تختے پر چڑھ کر دوسری طرف بڑھ گئی۔

تاریکی کافی تھی۔ روشنی معدوم ہو چکی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لیے اس غار کو روشن کیا تھا۔

ایسرا کے بعد سلمان اس تختے پر چڑھ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

میرا وزن کافی زیادہ تھا۔ بھاری بھرکم بدن سے مجھے بہت نفرت تھی۔ خاص طور سے اس وقت جب یہ موقع آگیا تھا۔ یہ بھاری بدن مجھے بہت ہی گراں گزر رہا تھا۔ بالآخر میں نے تختے پر چڑھنا شروع کیا اور میری جان نکلنے لگی۔

تختہ ٹھیک سا تھا

اور بلاشبہ میرا بوجھ اس کے لیے ذرا مشکل تھا۔ دفعتاً میں نے



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لڑکی [illegible] کانوں میں [illegible] گھول رہی تھی۔
پھر وہ بولی۔
"آؤ، دیکھو تمہارا ماضی اب میرے حسین اور حیوانی وحشت [illegible] آئینے کے سامنے آ۔" اس نے کہا اور سلمان بے چارگی سے آئینہ خانہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
میری [illegible] نگاہیں سلمان کی اصلیت دیکھ رہی تھیں اور مجھے خوف تھا کہ اب یقیناً وہ سلمان کی طرف سے واقف ہو جائے گی لیکن جب میں نے آئینے میں دیکھا تو مجھے ایک عجیب منظر نظر آیا۔ ایک عجیب [illegible] ابھری ہوئی تھی۔ یہ [illegible] انگوٹھی تھی جس پر ایک [illegible] بنا ہوا تھا۔ یہ انگوٹھی سلمان کی انگلی میں [illegible] شبیہ تھی لیکن آئینے میں اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔
[illegible] کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ [illegible] سے اس انگوٹھی کو دیکھتی رہی، پھر [illegible] بولی۔
"یہ [illegible] کیا ہے [illegible] سب کچھ [illegible] سب کچھ کیا ہے آخر [illegible] کہ سلمان کی [illegible]۔"
"مجھے بتا سکو گے میرے دوست کہ تمہارا ماضی کس شکل میں سامنے آیا ہے؟"
"جو کچھ ہے تم خود ہی بتا سکتی ہو [illegible]۔" سلمان نے جواب دیا۔
"آہ مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ میرا [illegible] میرا دل ڈوب رہا ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں ایسا کیوں ہے۔ کیا میرا علم ناکام ہو گیا ہے۔ کیا [illegible] صدیوں کا جادو تمہاری اصلیت واضح کرنے میں [illegible]۔ یہ انگوٹھی [illegible] کیوں ہے؟ مجھے بتاؤ مجھے بتاؤ اس کے بارے میں؟ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کیسے ہے؟"
"میں نے کہا نا اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو۔ یہ طلسم کدہ تمہارا ہے میرا نہیں۔"
"نہیں، اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ یہ [illegible] آہ [illegible] یہ ناممکن ہے۔ ناممکن ہے یہ۔ تم تو ماکازونگا نہیں ہو سکتے۔ تو ماکازونگا نہیں ہے۔ تیری [illegible] کہ تو اس شکل [illegible] کے لیے [illegible] پہنچے۔ ناممکن، ناممکن ہے یہ۔" وہ خوف و دہشت سے چیختی ہوئی ایک طرف بھاگی۔
ہمارا [illegible] مکمل ہو چکا تھا۔ ماکازونگا کی انگوٹھی نے [illegible] سلمان کے [illegible] کو چھپا لیا تھا [illegible] وہ سلمان کو ہی ماکازونگا

سمجھ بیٹھی تھی۔
وہ ایک شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ "تو کیا سمجھتا ہے؟ تو کیا سمجھتا ہے [illegible] طلسم کدے میں داخل ہونے کی جرأت تو نے کیسے کی؟ آخر تو نے کس طرح یہاں تک پہنچنے کے لیے [illegible] کر لی؟ ناممکن ناممکن۔ عام آدمی یہاں نہیں آ سکتے۔ تو اپنے جادو میں [illegible] ہو کر یہاں تک پہنچا۔ مجھے [illegible] ہو جاتا۔ یقیناً میں نے [illegible] کے لیے خاص بندوبست کیا تھا۔ اس کا [illegible] نہیں ہے لیکن تیرے ہاتھ کی انگوٹھی، یہ انگوٹھی یقیناً تیرے ہاتھ میں موجود ہے اور یہ ماکازونگا کی ہے [illegible] کائنات میں صرف [illegible] کے پاس ہے یہ جادو [illegible] اور تو ماکازونگا نہیں۔ اس کا کوئی [illegible] ہے۔"
"تمہیں کیا [illegible] تھا۔ کیا [illegible] تجھ سے لاعلم نہیں [illegible] حسین شکل و صورت کے فریب میں [illegible] ناممکن، ناممکن [illegible] دیکھو، میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ دیکھو، دیکھو تو نے یہاں داخل ہو کر کتنا بڑا گناہ کیا ہے؟"
وہ ایک شیشے کے سامنے پہنچ گئی۔ اور اس نے کسی خاص [illegible] کر دیا اور ایک شیشہ کھول دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ غار جہنم بن گیا۔ [illegible] کی تیز شعاعیں [illegible] غار کے [illegible] اس میں داخل ہو گئی تھیں۔ میرے اور سلمان کے منہ سے حیرت کی چیخیں نکل گئیں۔ دفعتاً سلمان نے کہا۔
"چچا جان! چچا جان! براہ کرم جلدی سے میرے پاس آ جائیے، میرے پاس۔"
میں جھپٹ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے سلمان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
غار کی وہ حدت جو محسوس ہو رہی تھی جیسے چند ہی لمحات میں جلا کر ہمیں راکھ کر دے گی، ایک دم کم ہو گئی۔ سلمان [illegible] محسوس کر رہا تھا۔ اور [illegible] عجیب و غریب انداز میں چیخیں نکال رہی تھی۔
"ناممکن ہے، ناممکن ہے۔ تم نہیں بچ سکتے۔ ماکازونگا کا جادو تم پر نہیں چل سکتا [illegible] علم [illegible] ہے۔" وہ بے اختیار ایک طرف بھاگی اور [illegible] شیشے [illegible] ایک [illegible] بنا دیا۔
[illegible] ہو رہی تھی۔



[illegible] تھا جیسے آگ کا [illegible] اور [illegible] ہو۔ اور پھر دفعتاً [illegible] چیخنے لگیں۔ ایک [illegible] اور [illegible] بہت [illegible]۔ اس خوفناک [illegible] کی [illegible] کھل گئے تھے اور [illegible] ایک [illegible] انداز میں [illegible] آتی تھی۔ [illegible] اس کی وحشت [illegible] تھا [illegible] دیا تھا۔
[illegible] اور [illegible] کی [illegible] میں [illegible] بکھرنے لگیں۔ میں اور سلمان [illegible] طرح اس [illegible] کی جانب بھاگے جو [illegible] نکل کر [illegible] تھے۔ ایسا [illegible] نہیں تھا۔
[illegible] دیکھتے ہی دیکھتے [illegible]۔
"آہ [illegible] ہو گئی ہوں [illegible] جل گئی ہوں۔ میرا وجود [illegible] ہے۔ [illegible] برداشت نہیں [illegible] مجھے [illegible] نکالو [illegible] بچا لو۔"
پھر [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] کی آوازیں [illegible]۔ وہ [illegible]
گرمی [illegible] اور آگ کا [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] میں [illegible] تھی [illegible] پتھر [illegible] تھی [illegible] کے سامنے [illegible] تھا اور [illegible] دل کے [illegible] ہونے لگے۔
[illegible] چٹان [illegible] وہاں پہنچ گئے [illegible] اور [illegible] کبھی [illegible] اپنی جگہ سے [illegible] کہ اب [illegible] ایک دہشت ناک [illegible] سلمان کی [illegible] کیفیت تھی۔
[illegible] ہم [illegible] تھے۔ دفعتاً وہ چٹان [illegible] کے ساتھ [illegible] اس وقت [illegible] لیکن اس کے نیچے [illegible]
اور پھر [illegible] عجیب و غریب [illegible] کے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] چلے [illegible] گئے۔

[illegible] نے [illegible] کے ساتھ [illegible] اور پھر ایک [illegible] نے [illegible]۔ [illegible] چٹان پر [illegible] تھا [illegible] اس [illegible] زخمی ہونے سے بچا لیا۔ [illegible] چٹان [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] انسانی [illegible] ابھرا۔ [illegible] اسے [illegible] اور سلمان نے [illegible] ایک بے اختیار [illegible] میرے حلق سے نکل گئی۔
سلمان بھی [illegible] متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ [illegible] اس وقت [illegible] عجیب و غریب شکل میں نظر آ رہی تھی۔
اس کے چہرے پر جھریاں [illegible] ہو گئی تھیں۔ [illegible] ہو گئے تھے۔ آنکھیں [illegible] تھے۔ بال سفید ہو گئے تھے۔ دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ [illegible] حسین عورت تھی جس کا وجود [illegible] تھا۔ لیکن اب اس وقت بھی ایک خوفناک بڑھیا نظر آ رہی تھی۔
"آہ! تو نے مجھے برباد کر دیا۔ کمینے، ذلیل! تو نے میری ہزار سال کی محنت برباد کر دی۔ [illegible] سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ تباہ ہو جائے گا۔" [illegible] تھی [illegible] دیکھو، وہ [illegible] دیکھ کر انسان [illegible] ہو جائے [illegible] تھا۔ سلمان کے [illegible] ایک [illegible]۔ [illegible] اس کے چہرے پر [illegible] پھیل گئی تھی۔
"تو نے [illegible] کو قتل کیا تھا [illegible] ایک [illegible] کے [illegible] انھوں نے [illegible] تھا [illegible]۔ [illegible] پہلے [illegible] نہیں [illegible] ہے تو۔"
"[illegible] کو [illegible] یہ سب تجھے [illegible] ہو گیا [illegible] کر رہی ہوں!"
"آہ! آہ! [illegible] سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ماکازونگا! [illegible] کیا [illegible] ہے [illegible] میں [illegible] ہوں۔ یہ سب کچھ وقتی ہے۔ یہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا لیکن [illegible] ایک نئی دنیا تعمیر کروں گی۔ [illegible] ہوں [illegible] زندہ ہوں گی۔" [illegible]
اس نے [illegible] ایک [illegible] سلمان [illegible] دفعتاً [illegible] سلمان [illegible] ایک [illegible] کی طرف



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لا پھینکا دیا۔

پھر جو ناتھ گرجا کے ساتھ نیچے جا رہا تھا لیکن ایسپرا کی رفتار اس کے گرنے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ وہ اپنا آپا پیچھے پھر بھی اسی لمبا دوڑی جا رہی تھی جیسے سیدھی زمین پر۔

"تیزی سے چلو میاں! میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" سلمان نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر پیچھے مڑنے لگا۔

"رکو سلمان! رکو تو رک جاؤ۔ ہم نیچے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نجانے کیسی جگہ ہو۔"

"آپ نے چچا جان! یہ میری زندگی کا اہم ترین مشن ہے اگر اس کے بچنے کے امکانات ہوئے تو پھر ہماری ساری کوشش اور محنت سب رائیگاں جائے گی۔" سلمان نے کہا۔ چار و ناچار میں بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگا۔

بہت عجیب گہرائیاں تھیں جن کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ نجانے ہمیں کہاں لے جائیں۔ لیکن سلمان کی ضد کے سامنے میں مجبور ہو گیا تھا اور بے اختیار اس کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ اب نیچے کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسپرا کا پُراسرار وجود کالا ہو کر دور ہی جا رہا تھا۔ وہ انسان تھی کہ قیامت۔ اس کے اڑنے کا طریقہ دوڑ رہی تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بات مجھے ہرگز دل میں تھی کہ وہ جادوگرنی ہے۔ بے شمار جسمی قوتوں کی مالک ہرچند کہ اب اس کا طلسم کدہ تباہ ہو گیا تھا لیکن بہرصورت وہ اب بھی اپنے اندر بے پناہ قوتیں رکھتی تھی۔ ہم دوڑ رہے تھے۔ ایسپرا کا ہیولا اب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لیکن ہمیں حیرت تھی کہ اب ہم پتلی زمین پر دوڑ رہے تھے۔ ڈھلان ختم ہو چکے تھے۔ اوپر دیکھنے کی فرصت نہ تھی مگر یہ خوفناک ڈھلانیں طے کر چکے ہیں۔ ایسپرا ہمیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ البتہ وہ جگہ جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر میں نے حیرت سے سلمان کو دیکھا کیونکہ وہ درخت جن کے گھنے سائے میں ماکازونگا ہیزل اور رازی کے جھنڈ سامنے ہی تھا۔

ابھی ہم یہی سوچ رہے تھے کہ درخت کے گھنے سائے سے ماکازونگا باہر نکلا۔ اس کے پیچھے ہیزل اور پروفیسر رازی بھی تھے۔ وہاں ہمیں دیکھ کر باہر آئے تھے جیسے انہیں ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہو۔

"آؤ عظیم آقا، عزیز دوست آؤ۔ دل چاہتا ہے کہ تمہاری آمد کی خوشی میں رقص کروں۔ آؤ میرے فاتح اعظم تم نے صدیوں کے بعد وہ طلسم توڑ دیا ہے جس نے ہمیں اندھیروں میں رکھا ہوا تھا۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا تھا۔ ہم خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ پیالوں میں ایک گرم سیال پیش کیا گیا۔

"اسے پی لو میرے آقا اور آقا کے دوست تمہارے بدن سے ساری تھکن دور ہو جائے گی۔ تم سکون کی گہری نیند سو جاؤ گے اور جب بیدار ہو گے تو تمہارے ذہن سے وہ بوجھ ختم ہو چکا ہوگا۔ جو اس وقت طاری ہے۔" ماکازونگا نے کہا اور ہم نے وہ پیالے لے لیے۔ خشک میوے کھائے اور پیالوں میں موجود گرم سیال کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم لوگ ہماری آمد کے منتظر تھے۔ جیسے تمہیں یقین تھا کہ ہم لوگ چند ہی لمحات میں پہنچنے والے ہوں؟"

"یہ درست ہے۔" پروفیسر رازی نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"یہ پُراسرار شخص جس کا نام ماکازونگا ہے بڑی عجیب قوتوں کا مالک ہے۔ میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔ ماکازونگا بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"کیسی تفصیل؟" میں نے سوال کیا۔

"سنو! اس بات کا صحیح صحیح جواب دو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد اس شخص نے زائچہ بنایا لکیریں کاڑھ کر اس نے ان کے درمیان دیکھتے ہوئے مسلسل ہمیں تمام حالات سے آگاہ رکھا۔ اس نے بتایا کہ اب تم دونوں فلاں جگہ پہنچ چکے ہو۔ تم ایسے علاقے سے گزر رہے ہو۔ پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں ایسپرا کے ہرکاروں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں ایسپرا کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہنے لگا کہ ایسپرا سلمان کی جانب راغب ہے۔ اس کی حسین صورت کا شکار ہو گئی ہے۔ پہلے تو ان کے بارے میں تذبذب کا شکار رہی۔ چونکہ اس انگوٹھی کی وجہ سے ان کی اصلیت بہت سے طلسمی غلافوں میں چھپ گئی ہے۔ وہ نہیں معلوم کر سکی کہ یہ کون ہے لیکن سلمان کی گفتگو نے اس کی پُرکشش صورت نے اسے مسخر کر لیا اور وہ اس کے بارے میں محبت بھرے انداز میں سوچنے لگی۔ اس نے سوچا کہ اب اسے زندگی کا ساتھی بنائے گی۔ اور زندگی بھر



نہ کرتے اپنے ساتھ رکھے گی۔ پھر اس کے بعد اس نے طویل سفر کیا۔ غاروں اور سرنگوں کا یہ سفر بہت دشوار گزار تھا۔ تم لوگوں کو ایسی ایسی سرنگوں سے گزرنا پڑا۔" پروفیسر رازی نے سرنگوں کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"پھر اس نے بتایا کہ اب ایسپرا تمہیں لے کر طلسم کدے میں داخل ہو گئی ہے۔ اس نے کہا کہ طلسم کدے میں تمہارا راز کھل گیا ہے اور اب ایسپرا کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور وہ تمہیں بھسم کر دینا چاہتی ہے۔ پھر اس نے وضاحت سے غور و خوض کرتے ہوئے کہا کہ تم اس وقت نہایت خطرناک حالات کا شکار ہو۔ زمین ایسے راستوں سے گزر رہی ہو جو تمہاری جان لے سکتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے غور و فکر کی انتہا میں کچھ کوشش کی کہ ایک ایسا شگاف پیدا ہو زمین پر ایک پھوڑے سے شگاف پیدا ہو تو حالات کو بدلا جا سکے۔ پھر جو اس نے ہمیں بتایا کہ تم پُر تکلف سے اس طویل راستے کے بجائے ایک ایسی جگہ آ نکلے ہو جہاں سے اگر تم تھوڑی سی ہمت کرو تو اس درخت کے تنے تک پہنچ سکتے ہو۔ یہ راستہ اس نے بدلا تھا۔ سرنگیں اڑانے کے بعد جو کارروائی ہوئی تھی وہ یہ تھی۔ اور اس کے بعد اس نے کہا کہ تم اس کے پیدا کردہ راستوں پر چل پڑے ہو اور تھوڑی دیر کے بعد اپنی منزل تک پہنچنے والے ہو۔ وہ تمہارے آنے کا یقین کرتا رہا پھر اس نے ہم سب کو دعوت دی کہ باہر آئیں اور تمہارے آنے کا منظر دیکھیں۔ بتاؤ بابرداد خان! کیا یہ سچ ہے؟"

میں حیران نگاہوں سے ماکازونگا کو دیکھ رہا تھا۔ سلمان کے چہرے پر بھی حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ سچ ہے۔" سلمان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا تھا۔

"اوہ! اس کا مقصد ہے کہ یہ عظیم شخص بلاشبہ بڑی پُراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ لیکن ایسپرا کہاں گئی؟"

"اس کا جواب میں ہی دوں گا میرے آقا۔ وہ زندہ ہے لیکن اس کا صدیوں کا طلسم خانہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ اب اس طلسم خانے میں جا کر ابدیت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے ——— گہری ہوا اور تیز دھوپ درکار ہے۔ ورنہ اس کا بدن پگھلتا چلا جائے گا اور بالآخر ایک دن وہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔ وہ سفر کر رہی ہے۔ بے اختیار سفر کر رہی ہے۔ اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ بس وہ ان علاقوں سے دور نکل جانا چاہتی ہے۔ قبیلوں کی تقدیر بدل گئی ہے۔ وہ لوٹتے رہیں اور لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک اس میں کسی کو فتح ہوگی اور کسی کو شکست ہوگی۔ اور اس کے بعد جب وہ ایسپرا کو تلاش کریں گے تو وہ انہیں نہیں ملے گی اور یوں تو وہ پُرسکون ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایسپرا کا جادو اب ختم ہو گیا ہے۔ ان علاقوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ لیکن ہمارا مشن ابھی پورا نہیں ہوا آقا! ہمارا مشن پورا نہیں ہوا۔ وہ جب تک زندہ ہے ہمارے سینوں پر ناسور بنی رہے گی۔"

"تم درست کہتے ہو۔" سلمان نے کہا۔ "ہم اسے تلاش کریں گے۔ جب تک ہم اس کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہمارا مشن ادھورا رہے گا۔"

"واپسی کی بات نہ کریں آقا۔ ہمیں تو اس کا تعاقب کرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ کس سمت کا رخ کرتی ہے۔"

"سنو! کیا اس کی جادوئی قوتیں بالکل ختم ہو چکی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں آقا! اس کے اندر قوتیں بہت کچھ ہیں۔ وہ نجانے کیا کیا کچھ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ماکازونگا اسے ختم کر چکا ہوتا لیکن وہ شیطان کی دیوی ہے۔ شیطان سے براہ راست تعلق رکھتی ہے تم لوگ ایک گہری نیند لے لو تو اس کے بعد ہم اس کا تعاقب کریں گے۔"

"کس سمت، کہاں؟" سلمان نے کہا۔

"اس کا فیصلہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں آقا۔" اس نے کہا۔ اور سلمان خاموش ہو گیا۔

پیالوں کا سیال اثر دکھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گہری نیند سو گئے پھر جب جاگے تو رات ہو چکی تھی۔ رات گزاری اور اس کے بعد دوسری صبح ماکازونگا نے کچھ سامان باندھا اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہم اس کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنا وہ مخصوص لباس اتار دیا تھا۔ گو وہ اب بھی کھال کے لباس میں تھا۔ لیکن پہلے سے کسی قدر مہذب نظر آ رہا تھا۔

وہ ان پہاڑوں تک پہنچ چکا تھا جن سے گزر کر ہم یہاں آئے تھے۔ وہاں سے اس نے زمین کو سونگھنا شروع کر دی۔ وہ کتے کی طرح جھک جھک کر زمین کو سونگھ رہا تھا۔ اور آگے بڑھ رہا تھا۔ تقریباً ایک میل جانے کے بعد وہ رکا اور اس نے سمت کا تعین کرتے ہوئے کہا۔

"آقا! وہ ان درختوں کی سیدھ میں گئی ہے۔ کتنا سفر



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرسے گی اور کہاں جائے گی۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو۔
لیکن بہرطور ہمیں اس کا پیچھا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کا پیچھا کریں گے۔" سلمان نے جواب دیا۔ ماکازونگا زمین سونگھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ہم سب اس کے رحم و کرم پر تھے۔ جدھر وہ لے جا رہا تھا ادھر ہی جا رہے تھے۔ [illegible] پتا نہیں تھا کہ زمین سونگھ کر سمت کا اندازہ کر سکیں۔ لیکن ماکازونگا اس میں کمال حاصل رکھتا تھا۔ وہ سفر کرتا رہا یہاں تک کہ پہلا دن تمام ہوا۔ ایسرا کا ابھی کوئی نشان نہیں مل سکا تھا۔ [illegible] خوفناک ویران جنگل ہوتا ہے۔ اندھیرا اتنی تاریکی کر [illegible] دل لرزتے تھے۔ یہ رات شاید زندگی کی سب سے خوفناک رات تھی۔ اپنے وجود کا احساس [illegible] ہم بالکل خاموش تھے۔ [illegible] سے بہت خوفزدہ تھی۔

ہم سب کو ایک دوسرے کے بارے میں معلوم تھا کہ ہم سو نہیں رہے لیکن ماحول کی دہشت [illegible] کوئی بات نہیں ہو رہی تھا۔ جانوروں کی بازگشت فضاؤں میں [illegible] سنائی دیتی تھیں [illegible] جنگلوں [illegible] نہیں [illegible] جس نہیں تھا لیکن خاموشی [illegible] آگ کے شعلے [illegible] بلند ہو جاتے [illegible] ایسی ہی کیفیت تھی۔

[illegible] آگ کے شعلے چاروں طرف [illegible] نظر آتے [illegible] فضا ختم ہو جائے گی لیکن [illegible] کو سنبھال لیا۔ [illegible] طرف سے ہی کیوں ہو۔

البتہ ماکازونگا کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا [illegible] ماکازونگا کی آواز سنائی دی۔

"میں جانتا ہوں میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ آپ سب لوگ جاگ رہے ہیں [illegible]"

[illegible]

"[illegible] دیکھ سکتا ہوں [illegible]"

کوئی خاص بات نہیں ہے میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے تحت کہا ہے کہ آپ کی قوتیں ابھی انہیں حاصل ہو سکیں گی۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ ہم تو تمہاری ان قوتوں کے مان گئے ہیں۔"

"شکریہ۔ ویسے میں بار بار اس بات کا اظہار کرتا رہوں گا۔ میرے آقا میں کی قوم کے آخری فرد ہیں۔ [illegible] ایسرا کو اس طرح اپنی سرزمین چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔ شمالی ساحلی تمام قوتوں کے ساتھ اس سے برسر پیکار ہیں۔ وہ ان سب کو فنا کر دیتی۔ اس کی قوتیں بے پناہ ہیں۔ لیکن اس کا طلسم خانہ میرے آقا کی بدولت تباہ ہو چکا ہے اور اب شمالی ساحل ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیں گے اور ایسرا شکستہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گی۔"

"لیکن وہ گئی کس طرف ہے؟"

"آقا [illegible] ہوائیں مجھے اس کی خوشبو دے رہی ہیں۔ [illegible] کرتا ہوں [illegible] یقین نہیں کر سکتا جہاں وہ پوشیدہ ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ بری طرح [illegible] جال میں پھنس گئی ہے۔ ایسرا کی ہزاروں سالہ زندگی میں یہ پہلی بار [illegible] واقعات پیش آئے ہیں لیکن اس کے باوجود [illegible] عجیب و غریب قوتوں کی مالک ہے اور [illegible] اپنی قوتیں ضرور رکھتی ہے کہ اگر اس کی جان پر بن آئے تو پھر وہ اپنے دشمنوں کے خلاف کچھ کر سکتی ہے۔ میں ابھی اس کے بالکل قریب نہیں جانا چاہتا۔ میں اسے زیر کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے ان حالات تک پہنچا دینا چاہتا ہوں کہ وہ تھک جائے اور جب وہ تھک جائے تو ہم اس کی گردن ناپ لیں گے اور آقا وہی وقت ہوگا جب تم اپنا انتقام اس سے لے سکو گے۔ وہی وقت سب سے مناسب ہوگا۔" سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں، پروفیسر رانی اور دوسرے لوگ بھی خاموش تھے۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔

اور پھر رات کے کسی حصے میں ہمیں نیند بھی آ گئی تھی۔

دوسری صبح جاگے ماحول کی ویرانی [illegible] مناسب نہیں [illegible] جنگلوں میں مختلف جانور گھومتے پھرتے نظر آ [illegible] نے ایک ہرن شکار کیا اور [illegible] گوشت بھون کر کھایا اور اس کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

اس سلسلے میں صرف ماکازونگا ہی [illegible] دوسری طرف [illegible]



"کیا تم ان حالات سے مطمئن ہو سلمان؟ میرا مطلب ہے کہ کہیں [illegible]"

"نہیں [illegible] ماکازونگا [illegible]"

"مگر ہم [illegible]"

"ہاں بالکل۔" سلمان نے جواب دیا۔ "جب یہ [illegible] پریشان [illegible] نہیں جانتا کہ ہماری منزل کہاں ہوگی۔"

طویل [illegible] ماکازونگا [illegible] ہواؤں کو سونگھتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ [illegible] صحرائے اعظم عبور کر لیا۔

اس سلسلے میں [illegible] ایک بستی نظر آئی۔ افریقیوں ہی کی بستی تھی لیکن اتنے عرصے بعد انسانوں کو دیکھ کر بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ [illegible] مکانات [illegible] موجود تھے گویا یہ مہذب بستی تھی اور اب [illegible] کے بعد ہم مہذب دنیا میں لوٹ آئے تھے۔

بستی میں [illegible] استقبال کرنے کے لیے معقول بندوبست نہیں تھا لیکن بہرطور ہم نے اس کے بازاروں میں جا کر [illegible] چیزیں دیکھیں۔

خوراک کے لیے [illegible] تھا لیکن ماکازونگا نے [illegible] چھوٹے چھوٹے سونے کے ٹکڑے دیے اور ہم انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"یہ کہاں سے لائے تم؟" [illegible] ماکازونگا پراسرار انداز میں مسکرانے لگا تھا۔

"جہاں سے بھی لایا ہوں ان کے عوض ہمیں زندگی کی [illegible] فراہم ہو جائے گی۔"

[illegible] حیرت اور دلچسپی سے [illegible] استفسار [illegible] صحرائے اعظم [illegible] جواب دے کر خاموش کر دیا۔

رات کو ہم نے بستی سے کچھ دور ایک میدان میں قیام کیا تھا۔ ماکازونگا [illegible]

[illegible]

اب [illegible] کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہم میں سے کسی نے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا۔ البتہ ہم سب [illegible] دیکھ رہے تھے۔

ماکازونگا ساری رات اس [illegible] کے پاس بیٹھا رہا اور [illegible] صبح ہوئی [illegible] نے سارا ساز و سامان [illegible] میں نے اس سے پوچھا۔

"رات بھر تم جاگتے رہے ماکازونگا؟"

"ہاں آقا۔ وہ [illegible] بہت قریب موجود ہے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر چلنے کے بعد ہم ایک بہت بڑی [illegible] پہنچیں گے جہاں [illegible] ہے۔ وہ ان دونوں بستیوں کی سرحد پر موجود ہے اور [illegible] میں نہیں جانتا کہ [illegible]"

"کیا مطلب؟"

"[illegible] قریب [illegible] حملہ آور بھی ہو سکتی تھی اور اگر ہم سو جاتے تو ہمیں نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔"

"مگر تم تنہا جاگ کر ہماری حفاظت کرتے رہے؟"

"[illegible] یہ کوئی احسان نہیں ہے [illegible] کے لیے جاگتا رہا ہوں۔ تم ان باتوں کو بالکل محسوس نہ کرو۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میرا فرض ہے۔" ماکازونگا نے جواب دیا [illegible] ہم نے یہاں سے بھی رخت سفر باندھا۔ [illegible] ماکازونگا ہی کی رہنمائی میں [illegible]

تھوڑی ہی دیر میں ہمیں [illegible] ایک ٹرک آتا نظر آیا [illegible] سڑک [illegible]

قطعی طور افریقی تھا [illegible] اس کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص بھی [illegible] کا ہم نسل تھا۔

[illegible] گردن نکال کر ہم سے [illegible] کے متعلق پوچھا اور اس کا جواب بھی ماکازونگا نے افریقی زبان میں ہی دیا۔ چنانچہ [illegible] ہم سب ٹرک کے پچھلے حصے پر چڑھ گئے۔

ٹرک کے پچھلے حصے میں [illegible] سبزیاں لدی ہوئی تھیں۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کلب میں مختلف تفریحات کا آغاز ہو گیا۔ موسیقی کی آوازیں سمندر کی پُرسکوت فضاؤں میں پھیلنے لگیں۔ یہ آوازیں بڑی دلکش محسوس ہو رہی تھیں۔

عرشے پر بڑی چہل پہل تھی۔ ہوا تھا۔ دور نارنگ ساحلی بہت دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ آسمان بھی بڑا صاف تھا۔ موسم بھی ایسا تھا کہ آسمان پر گھومنے والے بادل چھائے رہتے تھے لیکن یہ موسم خشک موسم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں سلیمان کے ساتھ خاموش کھڑا ہوا تھا۔ بہت دیر تک سے باتیں کر رہا تھا۔ مائزونگا اپنے کیبن ہی میں تھا۔ پھر اچانک سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ کو کچھ ڈر سا ہے چچا جان؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا سلیمان۔ بس، وقت میں عجیب و غریب احساسات کا شکار ہوں۔"

"کیوں کوئی خاص وجہ ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا؟" سلیمان نے سوال کیا۔

"زندگی کے ایک طویل عرصے کے بعد میں اب اپنے وطن واپس لوٹ رہا ہوں۔ میں نے وطن جن حالات میں چھوڑا تھا ان کا تھوڑا بہت علم تمہیں ہے جو کچھ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب میرے ذہن میں بے شمار احساسات ہیں۔ پتہ نہیں ان سب کا کیا ہوا۔ پتہ نہیں میرے اہل خاندان زندہ ہیں یا مر گئے۔ بہت سی یادیں وابستہ ہیں ان سے میرے دل میں ابھی یادوں کا طوفان سر اٹھائے ہوئے ہے۔"

"تو ایسے کیا فرق پڑتا ہے چچا جان آپ ان لوگوں کو تلاش کریں۔ آپ کو اپنے علاقے تو یاد ہوں گے؟" سلیمان نے کہا۔

"ہاں یاد ہیں۔ لیکن میرے پیچھے میں تو کتنا ہی وقت ہو چکا ہو گا۔ میں نے ان لوگوں کو تو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ میرے پاس جو ذمہ داری کی گئی تھی میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس ذمہ داری کو میں نے اپنی زندگی کا اہم مقصد بنا لیا تھا۔"

"اس کے باوجود چچا جان ہر انسان کی اپنی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں ایک طلب ہوتی ہے۔ میں آپ سے خلوص دل سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں کوئی دکھوں کا ازالہ مزید کریں۔ اپنے لوگوں سے ملیں بلکہ مجھے بھی خوشی ہو گی اور آپ کو ذہنی سکون حاصل ہو گا۔"

"ہاں یقیناً ایسا کروں گا سلیمان۔ لیکن اس وقت جبکہ تمہارا مقصد بھی تمہیں حاصل ہو چکا ہو گا۔"

"خدا کرے میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔" سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا پھر بولا۔

"لیکن چچا جان حالات کچھ زیادہ الجھے ہوئے نہیں ہیں؟ میرا مقصد ہے کہ ہم مائزونگا پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ یہ شخص ابھی تک ہمارے حق میں بہت بہتر ثابت ہوا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس کی وجہ سے ہم بہت سی آفات سے بچ گئے ہیں۔ لیکن یہ کیا کیسی ہو سکتا ہے کہ کہیں یوں نہ ہو کہ ہم اس کی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام ہو جائیں۔"

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے سلیمان۔ اگر صورت حال یہ نہ ہوتی اور ہم ابھی پہاڑوں میں اس کی جگہ سے مقابل رہتے اور وہیں کوئی فیصلہ ہو جاتا، کامیابی یا ناکامی کا، تو میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہے لیکن اب صورت حال الجھ گئی ہے اور ہمیں بالکل غیر متوقع حالات میں یہ سفر کرنا پڑا ہے۔ اس سلسلے میں مائزونگا پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور کیا کیا جائے۔"

"تعجب کی بات ہے۔ وہ یہاں موجود ہے اور ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے۔"

"مائزونگا اسے تلاش کر رہا ہے۔ وہ خاصا ذہین آدمی ہے۔ تم اندازہ لگا چکے ہو لیکن اس کے باوجود ہم بھی اپنی کوششیں اس سلسلے میں جاری رکھیں گے۔" سلیمان نے بھی اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہرصورت رات کو ہم اپنے اپنے کیبن واپس آ گئے۔ دوسرا دن پُرسکون گزرا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ جہاز پر سفر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہم دلچسپی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ سلیمان اپنے طور پر ہماری تفریحات میں مشغول ہو گیا تھا اور کسی حد تک پُرسکون نظر آتا تھا۔

شام کے تقریباً ساڑھے سات بجے تھے۔ ماحول پر ہلکی ہلکی دھندلاہٹ تھی۔ میں عرشے سے گزر کر نیچے آیا اسی وقت میری نگاہ ایک بوڑھی عورت پر پڑی۔ دبلی پتلی سی تھی۔ بہت مشکل سے سلامت ہوتی تھی۔ سفید ساڑی میں ملبوس اور ایک رنگ سا کرتے جھکاؤ۔ پیچھے ہوئے وہ ہاتھ میں چھڑی سنبھالے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً اسے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی تھی۔ انسانی ہمدردی کے تحت میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ میں نے سہارا دے کر اٹھایا۔ بڑھیا آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"معافی کرنا میری بیٹی۔ میری چھڑی شاید یہیں کہیں گر ہو گی۔"

"ہاں یہ ہے لیکن آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتیں؟"



"سوری سر۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔"

"نہیں مادام ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"بس یونہی طبیعت ذرا سی گھبرا رہی تھی، کیبن سے باہر نکل آئی۔ میرا کیبن وہ دائیں جانب ہے۔ تم دیکھ رہے ہو شاید میں اندازہ سے اس سمت آ گئی تھی۔ مجھے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ سیر کرنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے آپ کو یہاں تک سیر کرا دوں۔"

"نہیں نہیں۔ میں دراصل اسی لئے نکلی تھی لیکن اب بہت تھک گئی ہوں۔ گرنے سے میرے گھٹنے میں چوٹ آ گئی ہے۔ مجھے واپس میرے کیبن میں پہنچا دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے کہا اور بڑھیا کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اشارے کی طرف چل پڑا۔

"کیا نمبر ہے آپ کے کیبن کا؟" میں نے پوچھا۔

"نمبر چھ۔ کیا وہ تمہیں نظر آ رہا ہے؟"

"ہاں یقیناً۔ آئیے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں کیبن نمبر چھ کے سامنے پہنچ گیا۔ بڑھیا نے اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کیبن میں بڑھیا کا مختصر سا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک ڈبل بیڈ تھا اس کے علاوہ ضرورت کی دوسری چیزیں موجود تھیں۔ میں نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"اگر کہو تو میں تمہارے گھٹنوں کی تکلیف دیکھوں؟"

"نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی بیٹا۔ تم بہت نیک انسان معلوم ہوتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بیٹھو میرے پاس۔ یقین کرو میرا دل گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا نا اسی لئے میں باہر نکل گئی تھی۔"

"آپ اس کیبن میں تنہا ہیں؟"

"ہاں۔ میرا اس کیبن میں کوئی نہیں ہے، دنیا میں بھی تنہا ہوں۔" بڑھیا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اوہ مجھے بہت افسوس ہوا۔ آپ کا کوئی بیٹا، بیٹی وغیرہ نہیں ہے کیا؟"

"تھے کئی بیٹے تھے لیکن بس تقدیر کو منظور نہ تھا۔ سب لوگ سب جنگ کی نذر ہو گئے۔"

"سوری۔ ویری سوری مجھے انتہائی افسوس ہے۔ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"انڈیا۔ دراصل انڈیا میں میرے کچھ شناسا ابھی موجود ہیں۔ عمر کے آخری حصے تک دل چاہا کہ ان سے ملوں جہاں بچپن بیتا ہے۔ ان سے خط و کتابت تھی لیکن اس دوران میں کوئی کسی کا بہت زیادہ قریبی نہیں رہا تھا۔ بہرحال طویل عرصے تک سوچتی رہی، میں نے خود ہی ان کے پاس جانا مناسب سمجھا اور سمندری سفر اس لئے اختیار کیا کہ ذرا طبیعت بہل جائے گی۔ ورنہ میرے جاننے والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ہوائی سفر کروں لیکن یہ طویل سفر جو اب کر رہی ہوں ہو سکتا ہے کہ میرے عزیز مجھے زندگی کے آخری سانسوں میں کچھ سکون کے لمحات دے دیں ورنہ میری زندگی تو ختم ہو چکی۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔ انڈیا میں آپ کس جگہ جائیں گی؟"

"دہلی۔" بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ بہرحال آپ کا سفر ایک لمبے عرصے تک تو رہے گا۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ آپ کو دہلی کے سفر کے لئے روانہ کر دوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹے۔ فرشتوں کی طرح انسانوں کو مل جایا کرتے ہیں۔ ورنہ میں پریشان ہو رہی تھی کہ اس طویل سفر میں تنہا کس طرح رہ سکوں گی۔ میں نے جہاز کے کپتان سے درخواست کی تھی کہ میری مدد کرے لیکن اس سلسلے میں مجھے بے سہارا چھوڑ دیں۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ کا نام کیا ہے مادام؟"

"تم مجھے سونا پکار سکتے ہو۔" بڑھیا نے جواب دیا۔

"شکریہ مادام سونا۔ میں آپ سے اکثر ملاقات کرتا رہوں گا۔" میں نے کہا اور بڑھیا کے ہونٹوں پر پُرخلوص مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی ننھی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن صرف ایک لمحے کے لئے ایسا ہوا، اس کے بعد مجھے کوئی احساس نہ رہا۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور بڑھیا نے گردن ہلائی تو میں کیبن سے باہر نکل آیا۔

کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا تھا۔ بھلا میں کسی سے اس کا کیا ذکر کرتا۔ رات گزر گئی۔

دوسرے دن ہم جہاز کے عرشے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے ایک مستطیل جوڑے کو دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے ان لوگوں سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ جوان ادھیڑ عمر تھا۔ انہوں نے بھی شاید مجھ پر غور کیا تھا اور مجھے اپنا ہی ہم وطن محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ مرد میرے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے میرے قریب آ کر مجھے سلام کیا اور بولا۔

"معاف کیجئے گا اگر آپ ہندو ہیں تو پھر اس سلام کے الفاظ بدل لیجئے اور اگر مسلمان ہیں تو ٹھیک ٹھاک ہے۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

...وہ غور سے [illegible] ۔ اگر وہ بچ سوگئی تو کوشش کروں گا کہ اسے [illegible] اس کے بارے میں بتا دوں ۔ کوئی ابہام ۔ ماں کی تو بے بسی تھی ۔ بات رفت گزشت رہا ۔ بسدھ کا سفر جاری تھا ۔

شام ہوگئی تو بھی مجھے دشمنی کا سو دا سوار دن بھی اسی طرح گزر گیا ماما زونگا اتنی دیر بھی ہوں سے مرا سب میں اس کے سامنے سے گزرتے مجھے دیکھ سکتا ۔ پھر جب شام بھی ہوگئی تو اس نے مجھے قریب بھیج کر کہا ۔

"مجھے بڑی حیرانی ہو رہی ہے ڈاکٹر کہ اب وہ کہیں نہیں ملے گی ؟"

"تمہارا علم بڑا ناقص ہے ماما زونگا ۔ کیا اب بھی وہ اسی جہاز پر موجود ہے ۔"

"یہاں سے کہاں جائے گی آقا ۔ ظاہر ہے یہیں موجود ہوگی ۔ اس کے لیے ابھی سمندر پار کرنا ممکن نہیں ہے ۔ ہاں میں آتے ہوئے قوانین کا جادو ساتھ چڑھا لیا اور پھر بڑی مشکلوں سے گزرنا ہے ۔ سمندر ہر قسم کا جادو توڑ دیتا ہے ۔" ماما زونگا نے کہا اور گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا پھر کچھ سوچ کر کہا ۔

"تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے ماما زونگا کہ ہم جہاز کے تمام کمروں کا جائزہ لیں ۔ ایک ایک شکل کو تلاش کریں ممکن ہے وہ کسی شکل میں ہمیں مل جائے ۔"

"یہ کیسے ممکن ہے ۔ ہم ہر کیبن میں تو نہیں جا سکتے ۔" [illegible] نے مایوسی سے کہا پھر بولا ۔

"تم ایک کام کرو ۔ تم نے کہا تھا کہ اس کیبن کے مکین تمہارے دوست ہیں کیا تم مجھے اس کیبن میں لے جاسکتے ہو ۔"

"ہاں میرا خیال ہے اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی ۔" میں نے جواب دیا ۔

"تو پھر ایسا ہی کرو ۔ مجھے اس کیبن میں لے چلو ۔ میں اس کیبن کا بھی جائزہ لینا چاہتا ہوں ۔ وہاں سے ممکن ہے مجھے کچھ معلومات حاصل ہو سکیں ۔"

"تمہارا دل چاہے تو ابھی چلو ۔" میں نے کہا اور ماما زونگا فوراً ہی تیار ہوگیا ۔ احمد سلیم اور شیبہ سے میری اتنی بے تکلفی ہو چکی تھی کہ میں اب کسی بھی وقت ان کے کیبن میں جا سکتا تھا ۔ جب ہم کیبن کے پاس پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا تھا ۔ میں نے آہستہ سے دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا ۔ دوبارہ دستک دی تو کسی نے کہا " آ جاؤ " آواز احمد سلیم کی ہی محسوس ہوئی تھی ۔ میں اندر داخل ہوگیا کیبن میں بالکل تاریکی پھیلی ہوئی تھی ۔

"یہ کیسی تاریکی ہے تم لوگ بیٹھے ہو ۔" میں نے تعجب آمیز انداز میں کہا

لیکن کوئی جواب نہ ملا ۔ میں نے آگے بڑھ کر بتی جلا دی اور دوسرے لمحے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ سامنے ایک بوڑھی بیٹھی ہوئی تھی ۔ وہی بوڑھی جس نے اپنا نام سوزانا بتایا تھا ۔ احمد سلیم اور شیبہ کیبن میں موجود نہیں تھے ۔ بوڑھی کے سامنے [illegible] گول آنکھیں خوفناک انداز سے اس کے عقب میں دو شکی چیونٹی کی مانند تھیں ۔ اس کی آنکھیں جو پہلے اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اب بالکل گول سرخ اور چمکدار نظر آ رہی تھیں ۔ ہونٹ سوکھے ہوئے تھے ناک کی چونچ نیچے کو لٹک آئی تھی ۔ وہ خوفناک چہرہ تھا جس پر عجیب سی ہنسی تھی ساتھ وہ مجھے دیکھ کر شیطانی انداز میں ہنس پڑی تھی ۔

"آؤ آؤ بیٹے ۔ آؤ ۔ تم آگئے ۔ تیرا انتظار تھا ۔ ماما زونگا دروازہ بند کردو ۔ تمہیں بہت سے حساب کتاب چکانے ہیں ماما زونگا" خونی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنے عقب میں دروازہ بند کردیا ۔ بوڑھی نے پھر ایک قہقہہ لگایا تھا ۔

"کیا سمجھتے ہو تم ۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا میرا جادو صرف کہ یہ ختم ہوگیا ۔ کیا میری طاقت ختم ہوگئی ۔ کیا تم مجھ پر قابو پا لو گے ۔ نہیں ماما زونگا یہ تمہاری خام خیالی ہے ۔ ابھی تو بغیر کسی دقت کے میں ہزاروں برس جی سکتی ہوں لیکن تم یقیناً اب زندہ نہیں رہ سکو گے ۔" اس نے ایسا اشارہ کیا جیسے ماما زونگا اب خود پر سارے تو [illegible] خاک میں مل جائیں ۔ "کیا مجھے دیکھو ۔ یہ دیکھو ۔ دیکھو ۔" اس نے سامنے رکھے ہوئے سفید کپڑے پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور کسی دبائی کی پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ کاپنے کا ٹکڑا ٹوٹ گیا اور کیبن میں سفید سفید دھواں بھر گیا ۔ اس کے ساتھ ہی ہم دونوں کو ایک زور دار جھٹکا لگا کہ ہم فرش پر اوندھے گر گئے ۔

"آقا ۔" ماما زونگا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کیبن میں پھر تاریکی چھا گئی تھی لیکن اب کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا ۔ یوں لگتا تھا جیسے کیبن میں اب ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہو ۔ میں بمشکل تمام دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوا اور میں نے ایک بار بتی دوبارہ جلانے کی کوشش کی ۔ پھر اندازہ درست تھا کیبن بالکل خالی تھا وہ بوڑھی اور دوسرا سامان جوں کا توں پڑا ہوا تھا ۔ وہاں پر اندھیرا تھی اور نہ ہی وہ کاپنے کا ٹکڑا ۔ ایک ذرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا ۔ دروازہ اندر سے بند تھا ۔ دفعتاً دروازے پر دستک سنائی دی ۔

"کون ہے اندر کون ہے دروازہ کھولو ۔" احمد سلیم کی آواز تھی میری حالت عجیب ہوگئی جو صورتحال اچانک سامنے آگئی تھی



اس کے بعد تو مجھے اچھی طرح اندازہ تھا ۔ احمد سلیم ہمارے ہم وطن اور اس کی بیوی بھی ۔ وہ ماما زونگا کو یہاں دیکھ کر کیا سوچیں گے نہ جانے کیا سوچیں گے وہ ۔ میں نے دل میں سوچا ۔ سنبھلنے کے لیے میں نے سوچا کہ دروازہ اس وقت کھولنا چاہیے ۔ لیکن میری ہوش اس وقت غائب ہوگئی تھی ۔ دفعتاً ماما زونگا نے ایک اور جھٹکا لگایا اور باہر بہت کی چیزیں ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں ۔ ایک ساتھ ہی احمد سلیم اور شیبہ کی چیخ ابھری تھی ۔ میں نے پوری طاقت سے دروازہ کھولا ۔ باہر بھی افراتفری ہو گئی تھی ۔ پتہ نہیں جہاز کو کیا حادثہ پیش آیا تھا ۔

ہر طرف چیخ و پکار کا طوفان تھا ۔ میں اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر کیبن سے باہر نکل آیا ۔ ایک زبردست جھٹکا لگا اور میں اور ماما زونگا لڑھکتے ہوئے دور تک چلے گئے ۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے جہاز کے پیندے سے ٹکرا گیا ہو ۔ ہر طرف چیخیں تھیں لیکن جہاز پر جو شور و قیامت برپا ہو رہا تھا اس نے مجھے الجھا دیا ۔ لوگوں کی پرواہ نہیں کرنے دی ۔ ماما زونگا نہ جانے کس طرف گیا تھا ۔ میں نے اسے تلاش کرنے میں ناکام رہا اور یہ وقت تلاش کا بھی نہیں ۔ ایک ہی رنگ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا ۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عالم خواب میں ہوں لیکن یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی جہاز کے لاؤڈ اسپیکر کوئی چیخ رہا تھا ۔

"جلدی کرو ۔ سمندر میں کود جاؤ ۔ لائف بوٹ بلا شبہ جہاز غرق ہو رہا ہے ۔" یہ ہولناک آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں ۔ اس کے بعد پانی کی ایک تیز لہر آئی اور مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔

میں اب سمندر کے گہرے بستر پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور بہت سے ڈوبتے ہوئے لوگ میری نگاہوں کے سامنے تھے بہت سے جہاز کی بلندی سے سمندر میں چھلانگیں لگا رہے تھے مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح جہاز کے ایک تختے پر پہنچ گیا اس تختے پر ایک اور آدمی پہلے سے سوار تھا ۔ ہم دونوں اس تختے سے چمٹے ہوئے دور تک چلے گئے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں آگ بھڑک اٹھی پھر ہم نے چشم زدن میں سارے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ خدا کی پناہ ایسا ہیبت ناک منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا آگ کے شعلے آسمان کو چھو لینا چاہتے تھے اور ہر لمحہ دھماکوں کی آوازیں کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھیں پھر جہاز آہستہ آہستہ پانی کے اندر غائب ہوتا جا رہا تھا اور بہت سے لوگ جو ابھی اس پر موجود تھے زندگی کی کوئی راہ نہ پاکر سمندر میں

چھلانگیں لگا رہے تھے اور بیشتر غرق ہو رہے تھے ۔

اس لمحے میں نے ایک لائف بوٹ دیکھی جو جہاز سے صرف پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ہچکولے کھا رہی تھی جو لوگ تیرنا جانتے تھے وہ چپو سے ہاتھ پاؤں مار کر اس کشتی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

ہوش و حواس کے قائم رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ۔ ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی احساس نہیں تھا کہ زندگی بچانے کی کوشش کی جائے اس لمحے میں نے انسان کی بے وقعتی کو محسوس کیا ۔ بہت شدت سے پوری زندگی میں جیسے ذہن میں لیکن اس وقت میں بھول گیا تھا پروفیسر رازی اور جمیل احمد نہیں بچے تھے ۔ ماما زونگا کا کوئی خیال دل میں نہیں تھا اور سب سے بڑی چیز کرسٹان ۔ ہاں سلطان بھی میں اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور جس کے مشن کی تکمیل کے لیے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اس وقت وہ بھی مجھے یاد نہیں آیا تھا ۔

بس سمندر تھا چاروں طرف ہولناک آوازیں گونج رہی تھیں اور میرا ذہن ان کی آوازوں میں الجھا ہوا تھا ۔ ہمارا یہ تختہ جس پر ہم تھے میں اور ایک نامعلوم شخص سوار تھے دوسری سمت کو جا رہا تھا اور یہ بات نہایت ہی خطرناک تھی نہ معلوم کب تک ہم اس تختے سے چمٹے ہوئے سمندر کی بیکراں وسعتوں میں بھٹکتے رہتے ۔ میرا ساتھی شاید تیرنا جانتا تھا ہم دونوں نے تختے سے چھلانگیں لگائیں اور لائف بوٹ کی جانب بڑھنے لگے کشتی میں کھڑے ہوئے چند لوگوں نے مشکل تمام کھینچ کر ہمیں اوپر چڑھا لیا ۔

بڑھتے کو تو ہم کشتی پر چڑھ گئے لیکن یہ کشتی اس تختے سے بھی زیادہ غیر محفوظ تھی ۔ ہر لمحہ یہ احساس ہوتا تھا جیسے اب یہ بھی الٹنے والی ہے ۔ اتنے لوگ اور آدھی ٹوٹی چھوٹی اس لائف بوٹ میں بے شمار آدمی بھرے ہوئے تھے جن کے بوجھ سے کشتی پانی کے اندر کناروں تک ڈوب گئی تھی ۔

صبح تک یہ کشتی پانی کے رحم و کرم پر اسی طرح ایک انجانی منزل کی طرف بڑھتی رہی اور جب سورج نے اس دلچسپ منظر کو دیکھنے کے لیے سمندر کی مشرقی کنارے سے سر ابھارا ۔

تو کشتی میں سوار تمام مصیبت زدہ افراد نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا ۔ ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا جبکہ کشتی چند مسافروں کے لیے بنائی گئی تھی ۔

خوب اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ لوگ اس میں کس طرح سمائے ہوں گے ۔ اکثر لوگ ایک دوسرے پر لدے ہوئے تھے بعض پشت سے پشت ملائے ہوئے تھے کسی کو ہلنے جلنے کی بھی جگہ نہیں تھی ۔ میں نے



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خشک ہو تو لب ... پانی جیسے جیسے کشتی پر ذخیرہ قابل ... دور ہوتا
رہنے لگا بے خوف پرندے دن بھر کشتی پر آتے جب
ہوسکا طوفانی و طوفانی بے کراں سمندر اور چھوٹی سی کشتی جو لہروں
کے زور سے کسی بھی لمحے سمندر برد ہوسکتی تھی۔ بڑی بے انتہا ذہنیت
رکھتی تھی۔

میری نگاہ سی لگا جب میں نے ان سب لوگوں کے چہروں کو غور
دیکھا اب وہ لوگ ان تمام لوگوں کا احساس جاگا تھا جس نے زندگی
میں اور مار کا زور لگا۔

لیکن کشتی کے تمام آدمیوں کی شکل دیکھنے کے بعد ...
... ایک ... میرا دل لرز کر رہ گیا ...
اور کشتیاں اسی طرح سمندر میں اتر گئی ہیں یا انہیں جہاز کو
چھوڑنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا تمام لوگ سکون کی نیند سو رہے تھے

کہ بنتا ... تھی ...
بعض ... چند سوار تھے جن میں ...
ہوں آپ جیسا یہ لوگ میری ... بولی ... رہے ...
ذکر سب گفت ... جادوئی ...
المنظر میں ... کہ وہ جیسا کہ ... سامنے ... غائب ...
شیطانی قوتوں کے ساتھ عمل پیرا تھی ... کے بعد ...
کی کوششوں سے ناکام ہوئی تھی ... ناکام ...
صرف ہماری ... ہزاروں ... تکلیفوں سے گھیرنے ...
ہوا اس وقت یہ ستم رسیدہ لوگ ہماری ہی آنکھوں کی ...
تھے لیکن ان میں سے کچھ کو معلوم نہیں تھا اس وقت ان سب
کے دلوں میں ہمدردی تھی۔ میں تنہا رہ گیا تھا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ
چکا تھا۔

... نہیں وہ اب سب زندہ ہی ہیں۔ اپنے اپنے پیشوں میں
... بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے حلق سے ایک مختصر سی آواز نکل گئی اس وقت
میں نے بازو کے کھلے دروازوں کو دیکھا ان میں سے ایک شاید کپتان
... تھا اور دوسرا ... بے حد ... بدن کے مالک تھے یہ لوگ ...
... ایک موٹے ہونٹ والا نوجوان تھا اس کے بالوں پر جیسے ...
... داڑھی تھی ... ہو رہی تھی۔ دوسری جانب وہ اب بھی بہت ہی
خوبصورت نظر آرہا تھا اور عام لوگوں کی نسبت اس کے چہرے پر
خوف کے آثار نہیں تھے اس طرح غلامی کی ایک طرف جیسے وہ
اور پھیلی پھیلی آنکھوں والا ... تھا جس کا ہونٹ کسی ... کے ...
کی طرح کسی ... غلاموں کی زندگی میں جیسے تھا۔ یہ دونوں
افراد کشتی کے کونے پر بیٹھے ہوئے اور ... تھیں مسافروں کا
جائزہ لے کر ... ایک رکھ کر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پھر اس نے
باوقار اور بلند آواز میں کہا۔

"یہ تمام لوگ جو اس ... میں پناہ لیے ہوئے ہیں یہ میرے
احکامات غور سے سنیں۔ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کشتی میں
کوئی گڑبڑ نہ ہونے دوں اور میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ
جب تک ہمیں کسی طرف سے مدد نہیں ملتی آپ لوگ ایک دوسرے
سے تعاون کریں اور حتی الامکان کسی کو تکلیف نہ ہونے دیں یہ
وقت بھائی چارے کا ہے۔ ہمارے پاس پانی اور خوراک کی بہت
تھوڑی سی مقدار موجود ہے ہم اسے صحیح طریقے سے استعمال کریں گے
خدا ہم پر رحم کرے۔ میں آپ لوگوں کی حفاظت اور تحفظ کے لیے
یہ ذمہ داری سنبھال رہا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ
آپ مجھ سے مکمل تعاون کریں۔ خشک دودھ اور پانی کا ایک ایک
... شام کو تقسیم ہوا کرے گا۔ اور اس کے علاوہ ہمارے
پاس گوشت کے چند ڈبے بھی موجود ہیں۔ ہر ڈبے میں بارہ اونس
گوشت موجود ہے حساب کے مطابق ہر ڈبہ بارہ آدمیوں میں تقسیم
کیا جائے گا۔" تمام لوگ خاموشی سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے
الفاظ سن رہے تھے جہاز کے حادثہ اور اپنے دوستوں اور بال بچوں
سے بچھڑ جانے سے سب خوف سے سہمے ہوئے تھے۔

بہرحال فاقہ کشی اور تشنہ لبی کا ایک عجیب دور شروع ہو
چکا تھا کشتی میں سوار افراد میں سے بیشتر زخمی بھی تھے کسی کے سر پر
زخم تھا تو کسی کے سینے پر۔ چند لوگوں کے بازوؤں اور چہروں پر
خراشوں کے نشان تھے مگر ان کے لیے کہیں آرام کرنے کی جگہ بھی
سورج کی حدت سے محفوظ رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پینے کو پانی
تھا اور نہ کھانے کو خوراک ان سب پر بے بسی کی سی کیفیت طاری
تھی۔ بہت سوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت جب ہماری کشتی سمندر کی بپھری ہوئی لہروں
کے تھپیڑے کھاتی کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک
اور آدمی ہمیں سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا نظر آیا۔ وہ بدقسمت شخص
شاید کب سے کشتی کا تعاقب کر رہا تھا۔ پھر خود اسے کشتی پر کھینچ
لیا گیا۔ اس نے کشتی پر پناہ لینے کے بعد اپنی کہانی سنائی۔

خوش قسمتی سے ہمارے ہاتھ ایک لمبا تختہ لگ گیا۔ میں نے
اس پر بیٹھا ... میرے قریب ہی ایک عورت سمندر میں ڈبکیاں
لے رہی تھی میں نے بمشکل تمام اسے نکالا اور تختے پر سوار کر لیا پھر
جب دیکھا ہے تو عورت کی ایک ٹانگ بھی اس حادثے میں ضائع
ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت بیہوش تھی دو گھنٹے تک وہ میرے ساتھ
اسی تختہ پر رہی اور اسی بیہوشی کے عالم میں اس کی حرکت قلب بند
ہو گئی۔ میرے اردگرد سمندر میں بے شمار مردے تیر رہے اور ...



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمار ہے تھے۔ بہت سی وحشت بھری چیخیں بلند ہو رہی تھیں [illegible]
آواز میں بڑی تیز چلا رہا تھا۔ رات بھر میں مردوں کی طرح گھٹنے پر بیٹھا رہا
یہ بتا معلوم تھا کہ ایک [illegible] کیسے گئی ہے
صبح ہو جب میرے حواس کچھ بحال ہوئے تو میں نے

سوچا اس کشتی کا کیا کرنا چاہیے۔ راشن زیادہ دن نہیں چل سکتا
ہوگی۔ آنے والے گوشت پر بنے ہوئے تھیلے میں بسکٹوں
کے چند ڈبے اور شراب کی دو بوتلیں تھیں لیکن سیکنڈ آفیسر
نے شراب کی بوتلوں کو بڑی نرمی سے اٹھا کر پانی میں پھینک
دیا۔ یہ چیز اتنی مختصر مقدار میں کشتی پر بھی خطرناک ہو سکتی ہے
مسٹر براؤن! اسے سمندر میں پھینک دیجئے۔ اس شخص نے
پہلے تو سیکنڈ آفیسر کو حیرت سے دیکھا پھر جہاز کے عملے کی مخصوص
[illegible] اور دونوں
بوتلیں اس کے حوالے کر دیں جنہیں سیکنڈ آفیسر نے سمندر میں
اچھال دیا۔

دوپہر اور شام بھی کشتی پر [illegible] سے گزر گئی۔
ہمارے اردگرد حد نظر تک سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا تھا۔
جس میں ایک چھوٹی سی کشتی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ دن بھر کی
پیاس اور گرمی کی شدت نے ہر شخص کو نڈھال سا کر دیا [illegible]
کر دیا تھا۔ زخمیوں کی حالت تو بڑی خستہ تھی [illegible] معلوم ہوتا
تھا وہ کچھ دن کے مہمان ہیں۔ ادھر کشتی کا یہ حال تھا کہ بار بار
[illegible] برداشت نہ [illegible] ڈوب جانے کا خطرہ
پیدا ہو جاتا تھا۔ ان حالات میں شاید کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔

دوسرے دن [illegible] دودھ اور پانی
تقسیم ہونے لگا تو بہت سے لوگ [illegible]
[illegible] بیان سے باہر
ہے۔ [illegible]
[illegible]
سیکنڈ آفیسر [illegible]
[illegible]
[illegible]
آفیسر نے [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
سکتے ہیں۔

سیکنڈ آفیسر نے خود اپنا بھی لباس اتار کر صرف [illegible]
سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ خلاصی بھی ان کے ساتھ تھا [illegible]
کی دیکھا دیکھی چند اور آدمی جن کے اعصاب ابھی مضبوط تھے [illegible]
تیرتے ہوئے گئے اور تختوں کو کھینچ کر کشتی کے قریب لے آئے پھر
انتہائی جدوجہد اور استقلال سے ان تختوں کو [illegible]
رسیوں سے ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا اور کشتی کے پیچھے [illegible]
گیا اور پھر ایک ایک کر کے تیس آدمی ان تختوں پر [illegible]
ان آدمیوں میں خلاصی بھی شامل تھا اسی طرح کشتی میں [illegible]
جگہ نکل آئی اور دو لوگ جو دو دن [illegible] مسلسل ایک ہی
جگہ بیٹھے تھے اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے لگ کر [illegible]
سب ہی ایک دوسرے سے بیزار تھے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] جھگڑا ہونے
لگا تھا [illegible]
لوگ سب بے خبر پڑے ہوئے تھے [illegible]
معلوم ہوا کہ کشتی کے پیچھے [illegible]
[illegible] اور
[illegible]
[illegible]
ان کی مدد کے لیے کشتی سے کوئی [illegible]
پیچھے چلا گیا [illegible]

لیکن خلاصی ابھی [illegible]
ساتھ کشتی تک پہنچ گیا تھا [illegible]
کی لاشیں کشتی سے کوئی [illegible] پائی گئی تھیں [illegible]
[illegible] نہیں تھا۔ بلکہ [illegible]
[illegible]
تھیں۔ [illegible] کا کوئی مدد
نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ [illegible]
[illegible]

رات بھر گرمی اور [illegible] سے بدن سیاہ ہو گئے تھے۔
پیاس کی شدت کے باعث [illegible] ہو گئے اور [illegible]
[illegible] کشتی نے ہماری [illegible]
[illegible] ہم ایک دوسرے کی مدد کر
سکتے یا [illegible] کر سکتے تھے۔
سیکنڈ آفیسر کے احکامات تھے کہ سمندر کا پانی کسی قیمت پر
نہ پیا جائے۔ لیکن یہ حکم رات کی تاریکی میں کھو جاتا اور لوگ سمندر کا
نمکین اور [illegible] پانی پی لیتے تھے۔ رات کے وقت کوئی سمندر کا پانی نہ



چپکا تھا۔ آخر جزیرے کی تلاش کر کے لوگ سمندر کا پانی پینے سے رک گئے بعد
دوسرے [illegible] ان لوگوں کی [illegible] کے لیے
سمندر میں پھینک دیے گئے۔ بہت سے لوگوں کا ذہنی توازن بگڑ
گیا تھا [illegible]
تھے۔ [illegible] عجیب و غریب [illegible] ایک
دوسرے سے اپنے اپنے خواب بیان کرنے لگے تھے۔
سیکنڈ آفیسر [illegible] کی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر اس دن
دوپہر کے وقت ایک آدمی سمندر کے [illegible] پانی ہو کر
پہنچ گیا۔

[illegible] اس
نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور چند ہی منٹ میں [illegible]
اپنے ساتھ لے گئی۔ کوئی کسی کے لیے کچھ [illegible]
تھا۔ ہر شخص [illegible]
[illegible] کا پانی اور [illegible]
معلوم ہو جائے۔

ہر حالت و [illegible]
[illegible] سیکنڈ آفیسر کا حکم تھا لیکن حالات
خراب ہوتے گئے [illegible]
ایک رات ایسا ہوا کہ [illegible]
پھر ان میں سے ایک چیخ [illegible] دوسرے کے سمندر میں کسی شے
کے پیچھے چلا گیا۔ [illegible]
دوسرے روز [illegible] ایک آدمی [illegible]
نے [illegible] سمندر میں پھینک دیا تھا۔ پھر [illegible] آئی کہ
[illegible] غائب ہونے لگا۔
یقیناً [illegible]
[illegible] اس رات تند
[illegible] طوفان آیا اور ہماری کشتی [illegible] طوفان کے
[illegible]
[illegible] میں کشتی
کے ایک کونے میں [illegible] بیٹھا تھا کہ دفعتاً کسی نے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایک لمحے کے لیے
[illegible] شخص
کو قتل کرتا رہا ہے اور اس کا [illegible] ہے۔

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس طرح اچھلنے سے وہ کئی قدم
پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پھر اس کی بھیانک آواز ابھری اور اس نے
تقریباً پھر اپنی [illegible] میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ دفعتاً
عقب سے سیکنڈ آفیسر کی آواز سنائی دی۔
پکڑو اس بدمعاش کو۔ اور کئی افراد اچھل اچھل کر اس کی
طرف لپکے۔ اس شخص نے چاقو کے وار کیے لیکن ابھی تک کوئی [illegible]
حاصل نہیں کر سکا تھا کہ عقب سے سیکنڈ آفیسر نے ہاتھ میں ایک
[illegible] اور پوری قوت سے اس آدمی کے سر پر دے مارا۔
اس کا [illegible] تھا۔ دوسرے لمحے اسے اٹھا کر پانی میں پھینک
دیا گیا۔ سیکنڈ آفیسر [illegible] طوفان کا زور
اب بھی کم [illegible] ہوا تھا۔ [illegible] ساتھیوں کے درمیان
اسے صورت حال بتائی اور اس نے گردن ہلا دی۔
[illegible] شخص بہت سی انسانی زندگیوں سے کھیل چکا
[illegible] کہ ایک ایک کو سمندر [illegible] اور
پھر باقی [illegible] افسوس۔ سیکنڈ آفیسر
نے جواب دیا اور پھر کشتی کو بچانے کی فکر میں سرگرداں ہو گیا لیکن
طوفان [illegible] کشتی پانی کی لہروں پر [illegible]
اچھلنے [illegible]
میں افراد بہت کم رہ گئے تھے لیکن ان کے باوجود اس کی حالت
بے حد خراب تھی۔
دفعتاً ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ بے شمار انسانی
چیخیں۔ یقیناً کشتی کسی چٹان سے ٹکرا گئی تھی [illegible] چٹان سمندر
میں جانے کہاں سے ابھر آئی تھی۔ بہر صورت آخری احساس یہی تھا
کہ لوگ میرے کانوں کے نزدیک چیخ رہے ہیں۔ اس کے بعد میرا ذہن
تاریک ہو گیا۔
دوبارہ ہوش آیا تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور
فضا میں خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے بدن کے نیچے پانی کی لہریں نہیں
بلکہ کوئی [illegible] چٹان تھی۔ میں نے اس چٹان کو محسوس کیا میرا بدن
[illegible] اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ
تھا یوں لگتا تھا جیسے اس سے پہلے کسی انسان نے یہاں قدم نہ
رکھا ہو۔
چٹان پر کھڑے ہو کر اس کے پھیلاؤ کا اندازہ ہو جاتا تھا۔
تقریباً [illegible] میل لمبا [illegible] میل چوڑا یہ ویران جزیرہ بالکل
بے آب و گیاہ تھا۔ چاروں طرف سے [illegible]
[illegible] ہزاروں سال کی گردش لیل و نہار
کے باعث گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]



[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

w.paksociety

[illegible]



[illegible]



paksociety

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تم سے ملتی رہوں گی۔"
"نام نہیں بتاؤ گی اپنا؟"
"نہیں۔ تم پوچھنے کی کوشش بھی نہ کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"
"لیکن میری بہت... میں اپنی محسنہ کے بارے میں کچھ تو جاننا چاہتا ہوں۔"
"بس یہی جان لو کہ میں ایک انسانی وجود میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔"
"اور یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ یہاں کا گوشت کہاں سے آیا؟"
"کہیں سے بھی آیا ہو، تمہاری ضرورت تو پوری کرنے کا باعث بنا ہے۔"
"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے اگر تم واقعی دیوی صفت ہو جو مجھے غذا دے رہی ہو تو میں یہ کہنے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے زندہ رکھا ہے۔"
"اس زندہ رکھنے کا ایک خاص مقصد بھی ہے۔"
"مقصد؟" میں نے تیز تیز لہجے میں پوچھا۔
"ہاں۔"
"کیا مقصد ہے مجھے بتاؤ! میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے کہا۔
"میں نے تم سے ایک بات کہی، وقت پر جب ضرورت ہو گی میں تمہیں بتا دوں گی۔"
"آہ! میرے ذہن میں بے شمار سوالات ہیں ایک طویل عرصے کے بعد جب میں انسانی شکل میں تبدیل کیا گیا تھا۔ میں نے ایک انسان کو دیکھا ہے اور یہ بھی اتنا حسین ہے کہ دل کھنچا چلا جائے لیکن تم نے لپٹے اور پراسراریت کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو؟ میں تمہارے لیے کبھی خطرہ رساں ثابت نہیں ہوں گا۔" جواب میں وہ پھر دبی دبی ہنسی ہنسی اور پھر سرد لہجے میں کہا گیا۔
"مجھے کوئی خطرہ نہیں پہنچا سکتا۔ بچے۔ میں نے ایک نیا روپ دھارا ہے۔ میں ایک نئی دنیا میں آئی ہوں اور اس نئی دنیا کے لیے تیاریاں کر رہی ہوں۔ یہ تمہاری دنیا ہے۔ اس دنیا میں مجھے رہبر کی ضرورت پڑے گی جو میرا ساتھ دے سکے جو مجھے اس دنیا سے روشناس کرا سکے اور وہ رہبر میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ ہر چند کہ میں جانتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اور کن قوتوں کا ساتھ تمہیں رہا ہے لیکن ان کے باوجود میں نے تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اور اب تمہیں دیکھنا ہے کہ کیا ہوگا جو میں چاہوں گی۔ جو کچھ تم کھاتے رہے ہو وہ میرا عطیہ تھا، تمہارے لیے اور اب تم مجھ سے انحراف نہیں کر سکتے اگر انحراف کرو گے تو تمہیں ایک ایسا احساس ہوگا کہ تم موت کی آرزو کرنے لگو گے اور اگر تم نے مجھ سے تعاون کیا تو میری دوستی اور محبت پاؤ گے اور اپنی دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کر لو گے جو تمہیں کبھی نہیں مل سکتا تھا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

پوری رات مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ یہ کون تھی، کون تھی یہ؟ مجھے اس کی شخصیت سے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی ماورائی قوت ہے، کوئی ایسی قوت جو اس جزیرے پر حکمراں ہو گی چونکہ میں اس سے قبل اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں تو... میں تو یہاں انسانی شکل کو ترس گیا تھا اور وہ... وہ مجھ سے اس قدر قریب موجود تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا پتہ نہیں اس پر عمل کرے گی یا نہیں۔ یہاں سے واپسی کا تصور میرے لیے بڑا ہی دلکش اور بڑا ہی سحر انگیز تھا۔ کیا میں یہاں سے واپس جا سکوں گا؟ کیا وہ جو کچھ کہہ رہی ہے درست ثابت ہو گا؟ رات بھر انہی خیالات میں الجھا الجھا رہا۔

دوسری صبح میں نے دیوانہ وار اسے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جزیرے کا ایک ایک چپہ چھان مارا۔ لیکن کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں تھا میں نے سوچا کہ ممکن ہے وہ چٹانوں کے پیچھے کسی غار میں رہتی ہو۔ چنانچہ ساری چٹانوں اور غاروں کو چھان مارا۔ لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اور جب میں واپس اپنے غار میں پہنچا تو میں نے اسے وہیں پایا۔

آج موسم صاف تھا چنانچہ وہ مجھے واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی شیشے کے پیچھے کھڑی ہو... شیشے کی سیاہ سی چادر کے پیچھے، جہاں انسانی جسم دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

وہ میری نگاہوں میں واضح نہیں تھی اور یہ بھی اس کی کوئی طلسمی قوت تھی، جو مجھے مسحور کر رہا تھا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ اس کے خدوخال اب بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ چہرے پر وہی باریک سی نقاب پڑی ہوئی تھی اور حسین آنکھیں اس نقاب کے عقب سے جھانک رہی تھیں۔

ان آنکھوں میں مسکراہٹ تھی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پورا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔
"کیسے ہو؟" پوچھا گیا۔
"ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ پھر بولا: "ایک بات کا یقین کر لو گی؟"



"ہاں۔ ہاں، تمہاری تمام باتوں کا یقین کروں گی یا... تم کہو تو سہی۔"
اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔ انداز میں ذرا بھی سرد مہری نہیں تھی۔ "میں ساری رات نہیں سو سکا۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا۔"
"کیا سوچتے رہے؟"
"تم... میں... میں کچھ نہ بول سکا۔
"ہاں ہاں کہو۔ کیا حسن و عشق کی باتیں سوچتے رہے؟" اس نے بے باکی سے کہا۔
"نن... نہیں نہیں۔ میں تمہاری پراسرار شخصیت کے بارے میں غور کرتا رہا۔"
"ہاں، یہ تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میرے لیے کوئی غلط تصور قائم نہ کرنا۔" اس نے جواب دیا اور میں کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔
"نہیں۔ مگر میرے لیے افسوسناک بات یہ ہے کہ میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟"
"فی الحال اس سے باز رہو۔ ایک مناسب وقت آئے گا جب میں اپنے بارے میں تمہیں تفصیل بتا دوں گی۔ لیکن ابھی دیر ہے۔ تمہیں میرے لیے اپنی مہذب دنیا میں پہنچ کر وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں تم سے کہوں اور اگر تم نے اس سے پہلو تہی کی تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"
"دھمکیاں دے رہی ہو حالانکہ تم سے وعدہ کر چکا ہوں مگر تم نے بھی تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔"
"ان احسانات کی بات... تم لوگ بہت ہی احسان فراموش ہوتے ہو جب کچھ کرنے پر آتے ہو تو کسی کے احسان کو نہیں مانتے۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں تمہاری فطرت سے ناواقف ہوں؟"
"اگر تم انسانوں کی بات کر رہی ہو تو ٹھیک ہے میں [illegible] لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" میرے اس جواب پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی تھی۔
"پھر تم بھی یاد رکھنا۔ تم [illegible] لوگوں میں سے نہیں ہو... مجھے خوشی ہوتی... لیکن... یہ بات اپنی طرح سمجھ لو۔"
"وہ کیا؟"
"اب تمہاری تمام محبت، تمام انسانیت اور ساری دنیا میرے لیے وقف ہوگی، کسی اور کے بارے میں اگر تم نے سوچا تو نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"
"دھمکیاں، پھر دھمکیاں، اچھا یہ بتاؤ مجھے اس جزیرے سے کب نکال رہی ہو؟"
"بہت جلد، میں تمہیں اطلاع دے چکی تھی تمہیں سمندر میں ایک طویل سفر کرنا ہوگا طویل سے میری مراد یہ ہے کہ لمبے فاصلے پر جاؤ گے کہ تمہیں تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ کل صبح دس اور گیارہ کے درمیان یہاں سے ایک جہاز گزرے گا۔ یہ جہاز راستہ بھٹک گیا ہے۔ طوفان میں گھر گیا تھا۔ لیکن سمندر کے پرسکون ہونے کے بعد اپنا راستہ بدل رہا ہے۔ البتہ اسے اس طرف سے آنا پڑا ہے۔ یہاں سے وہ اپنی منزل پر چلا جائے گا اور بخیریت ہندوستان پہنچ جائے گا۔ تم اسی جہاز پر جاؤ گے۔ ایک ایسے مسافر کی حیثیت سے جو کسی طوفان کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گیا ہو۔ اندازہ ہے کہ اس میں کوئی مشکلات بھی نہیں ہے۔ تم جہاز کے کپتان کو اس جزیرے کی طرف اشارہ کر کے بتا سکتے ہو کہ تم نے یہاں زندگی کیسے گزاری۔"
"کیا واقعی؟ تمہیں... مجھے معلوم ہوا!" میں نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔ اور جواب میں پھر وہی کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ اور اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

مجھے اس کے بارے میں [illegible] کوئی شبہ پیش نہیں آیا تھا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے۔

بہرصورت میرے لیے اطمینان کا [illegible] تھا۔ وہاں ایسی کوئی [illegible] تھی۔ اب یہاں کوئی دوسرا مسئلہ پیدا ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے اگر زندگی ترتیب پا جائے گی۔ ہندوستان لوٹ جاؤں گا اور پھر [illegible] شکل و صورت کے لیے [illegible] اس شکل و صورت میں اگر [illegible] سلطان [illegible] پہچان سکیں۔ ان [illegible] کے تصور کے ساتھ ہی دل میں ایک خوشی کا سا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ پھر یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ بھی ہوں گے!

بہرطور اب ان کے بارے میں [illegible] نہیں سکتا تھا۔ زندگی کی خواہش کس دل میں نہیں ہوتی میرے دل میں بھی [illegible] کی طرح تھی۔ کوئی بھی انسان وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتا۔ وقت بھی [illegible] مجبوری اسے موت قبول کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میں بھی [illegible] دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ نزدیک آئے، میرے باتیں کرے۔ لیکن وہ پھر نہیں دکھائی دی تھی۔

سامنے میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے جہاز پر [illegible] کا



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خطرہ تو رہی تھی۔ خود کیا کرے گی؟ خود کس طرح جہاز پر پہنچے گی؟ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

بہرطور میں نے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ رات کو بھی اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی حالانکہ پچھلی رات کا جاگا ہوا تھا۔

بہرصورت دوسری صبح میں نے تیاریاں کیں۔ دل میں خوف و دہشت بھی تھی کہ اگر میں سمندر میں دور تک تیرتا ہوا نکل جاؤں تو کہیں سمندر کا شکار نہ ہو جاؤں۔ پتہ نہیں جہاز آئے گا بھی یا نہیں اور جہاز آ بھی جائے اور میں اس جگہ تک نہ پہنچ سکوں جہاں کی نشاندہی کی گئی ہے تو جہاز نکل جائے گا اور پھر میں یہاں رہ جاؤں گا۔ جانے کتنے عرصے کے لیے؟ یہ جہاز تو بھٹک کر اس طرف آ گیا ہے۔ عام جہازوں کی گزرگاہ یہ نہیں تھی۔

اس کا مقصد ہے مجھے کوئی جہاز نہیں ملے گا۔ پھر میں نے سوچا۔ ویران جزیرے پر زندگی گزارنے سے تو بہتر یہی ہے کہ زندگی کے لیے جد و جہد کی جائے۔ اگر میں زندہ ہوں، حسن و جمال پا چکا ہوں، تندرست ہوں اور یہ یقین ہے کہ یہ گوشت مجھے اس پراسرار وجود کی طرف سے پہنچایا جا رہا ہے۔ تو پھر مجھے اس کی اس بات پر بھی یقین کر لینا چاہیے کہ سمندر سے ایک جہاز گزرے گا۔ چنانچہ صبح ہی صبح میں نے تیاریاں شروع کر دیں اور پھر اللہ کا نام لے کر پانی میں اتر گیا۔

بدصورت بڑا انوکھا یہ جزیرہ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہا تھا۔ اور میں تیرتا ہوا سمندر میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور میں اندازہ نہیں لگانا چاہتا تھا کہ میں جزیرے سے کتنی دور نکل آیا ہوں۔

ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ دل ڈوب رہا تھا لیکن برابر یاد کر رہا تھا کہ مجھے اپنی زندگی کی جد و جہد کے لیے سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا اور ان الجھے ہوئے خیالات کو جھٹکنے کا طریقہ یہی تھا کہ یہ سوچنا چھوڑ دوں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جہاز آیا تو کیا میں واپس جزیرے تک پہنچ سکوں گا۔ سمندر کی پرشور موجیں اب میرا سامنا کرنے ہو گئی تھیں اور ان کے درمیان تیرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن میرے بدن کی قوت حیرت انگیز تھی۔ اس سے پہلے میں نے خود کو کبھی اتنا توانا محسوس نہیں کیا تھا۔

بہرصورت میں بہت دور نکل آیا۔ وقت بتانے کیا ہو گیا تھا۔ سورج خوب چمکنے لگا تھا۔ تب میں نے آنکھیں کھول لیں اور دفعتاً میرا دل اچھلنے لگا۔

وہ جہاز مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جہاز کے عرشے پر بہت سے لوگ کھڑے ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ یقیناً مجھے دیکھ لیا گیا تھا۔ میں تو آنکھیں بند کر کے تیر رہا تھا۔ اس لیے میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور ویسے یہ اچھا ہی ہوا تھا میرے حق میں۔ چونکہ جہاز والے ممکن ہے اگر دور سے مجھے دیکھتے تو کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ ہوتے۔ وہ پہلے ہی مصیبتوں کا شکار ہو چکے تھے۔

میں آہستہ آہستہ جہاز کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ پھر جہاز سے میری طرف ایک رسہ پھینکا گیا۔ رسے کی سیڑھی تھی ایک باقاعدہ۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ اور آہستہ آہستہ مجھے کھینچا جانے لگا۔ میرا دل مسرت سے لرز رہا تھا اور میں ان لوگوں کو ایک کہانی سنانے کے لیے آہستہ آہستہ خود کو تیار کر رہا تھا۔ ویسے یہ کیا حیرت انگیز بات تھی کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف درست نکلا تھا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد میں جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔ کئی ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر کھینچ لیا اور میں عرشے پر لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تھکن تو ہو ہی گئی تھی اور پھر میری حالت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔

جہاز کا کیپٹن جو ایک طویل القامت اور سرخ و سفید انگریز تھا۔ میرے بالکل نزدیک جھک گیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے میرا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تم زندہ ہو۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔ شاید تم سمندر میں گر گئے تھے کسی جہاز سے؟ یا پھر ممکن ہے کسی تباہ شدہ جہاز کے شکار ہو؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ سر پر سورج چمک رہا تھا۔ اس لیے آنکھیں اس کی چمک سے چندھیا کر دوبارہ بند ہو گئیں۔ تب کیپٹن کی آواز سنائی دی۔

"اسے کیبن میں لے جاؤ۔ ہاتھ پاؤں کی مالش کرو۔ دودھ پلاؤ۔ اس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ توانا آدمی ہے۔ میرا خیال ہے۔ برداشت کر جائے گا۔"

"او کے چیف۔" جواب ملا اور تھوڑی سی دیر کے بعد کچھ لوگ مجھے اٹھا کے کیبن میں لے گئے۔

گرم کیبن تھا۔ وہاں وہ لوگ میرے ہاتھ پیروں کی مالش کرنے لگے۔ پیٹ کو بھی سہلایا گیا۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ میری اتنی خراب حالت نہیں تھی۔ جتنی وہ لوگ سمجھ رہے تھے۔

بہرصورت گرم گرم دودھ کا ایک گلاس پینے کے بعد میں نے خود کو پرسکون ظاہر کیا۔ البتہ تھوڑا سا نڈھال رہنا ضروری تھا۔ ورنہ پتہ نہیں یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

"کیا تم ہمیں اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"



"ہاں۔ میں ایک تباہ شدہ جہاز کا شکار ہوں۔" میں نے اپنے جہاز کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ جس پر میں نے سفر کیا تھا اور وہ لوگ حیران رہ گئے۔

"اوہ تو تم اس جہاز کا شکار ہوئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"ہاں، وہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا؟ تفتیشات بھی نہ ہو سکی۔"

"اس میں موجود مسافر؟"

"کچھ بچ گئے تھے۔ لیکن کوئی فوری امداد وہاں نہیں پہنچ سکی تھی۔ بس قرب و جوار کے جزیرے والے انہیں بچا پائے تھے۔ دو تین کشتیاں ملیں۔ جنہیں بہت دور جا کر سمندر میں پکڑا گیا۔ اور اس میں سے کچھ آدمی بچا لیے گئے۔ آہ۔ آہ۔ میں اس جہاز کا مسافر ہوں جس کے بے شمار افراد سمندر برد ہو گئے۔"

"اس میں تمہارے دوست اور عزیز و احباب بھی ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"لیکن اس دوران تم کہاں تھے؟"

"دور بہت دور۔ تم سمندر پہ وہ سیاہ لکیر دیکھ رہے ہو۔ وہ ایک جزیرہ ہے۔ آدھا میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔ بے آب و گیاہ جزیرہ، ویران۔ جہاں مچھلیوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ میں وہاں مچھلیاں کھا کھا کر زندگی گزار رہا ہوں۔ تقدیر یہاں تک کھینچ کر لے آئی۔"

"کیا تم نے دور ہی سے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا تھا؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"جاؤ کیپٹن کو اطلاع دو کہ وہ ہوش و حواس میں ہے۔ اور صحیح الدماغ ہے۔ وہ اپنے جہاز کی تباہی کی داستان سناتا ہے۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ غالباً یہ ڈاکٹر تھا۔ دوسرا آدمی باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد کپتان نے میرے لیے ایک لباس بھجوایا۔ اندازے سے یہ لباس بھیجا گیا تھا۔ لیکن میرے بدن پر بالکل صحیح تھا۔ میں نے ان لوگوں سے معذرت کی اور نیکر و قمیض کے علاوہ ایک سویٹر بھی پہن لیا جو کپتان نے ازراہ عنایت میرے لیے بھیجا تھا۔ ننگے پاؤں تھا۔ چنانچہ ایک عام استعمال کی چپلیں بھی مجھے فراہم کر دی گئی تھیں۔

یہ لباس پہن کر مجھے کس قدر مسرت ہو رہی تھی۔ میں بتا نہیں سکتا۔ میں تو زندگی سے ہی مایوس ہو چکا تھا لیکن میری محسنہ نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔ میں اس کا ممنون کرم تھا۔

جہاز کا نام پیلیوڈ تھا اور اس کا کیپٹن جانسن نامی تھا۔ بڑا ہی نفیس آدمی تھا۔ مجھے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اس نے ہر سہولت مہیا کر دی تھی۔ یہ بات بھی درست نکلی تھی کہ وہ ہندوستان ہی جا رہا تھا۔

میں نے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں تو اس نے کہا۔ "کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ بتائے گا کہ میں حادثے کا شکار ہوا ہوں۔"

بہرصورت جہاز میں سفر جاری رہا۔ دوران سفر ایک بار بھی مجھے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی اور نہ ہی مجھے کوئی شکل نظر آئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری وہ محسنہ کس طرح مجھے ہندوستان تک لے گی؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

بہرحال جب کچھ کر ہی نہ سکے تو خاموشی اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جہاز کے عملے کے لوگ میرے ساتھ بہت بہتر سلوک کر رہے تھے۔ ویسے یہ مسافر بردار جہاز نہیں تھا۔ بلکہ کارگو شپ تھا اور سامان لے کر جا رہا تھا۔

جہاز کا سفر جاری رہا اور پھر وہ بمبئی کی بندرگاہ سے جا لگا۔ جہاز کے کپتان نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

پہلے وہاں سے سامان اتر رہا تھا۔ میں پریشان تھا کہ دیکھو۔ نجانے یہاں مجھے کن کن مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ بہرصورت جس کیبن میں مجھے رہنے کے لیے کہا گیا تھا میں اس میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اور ششدر رہ گیا تھا۔ وہ ایک انسانی پیکر ہی تھا لیکن چمکدار لکیروں کی شکل میں۔ بس ایک ہیولہ تھا۔ روشن آؤٹ لائن اور اس کے اندر تاریکی۔ اس آؤٹ لائن سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"بابر داد خان! تم خیریت سے تو ہو نا؟"

"تم۔ تم۔ یہ تمہاری ہی شکل ہے؟"

"ہاں، ابھی مجھے اپنی اصل ہیئت حاصل کرنے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ سمندر عبور کرنے کے بعد میں نے جو ترکیب حاصل کی تھیں، وہ بھی فنا ہو گئیں۔ مجھے ایک طویل کام کرنا ہے بابر داد خان! اور تم اس میں میرے معاون ہو گے۔" اس نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ویسے کسی بھی مرحلے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تمہارے لیے کوئی مشکل درپیش نہیں ہو گی۔ تم جہاز سے



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نقل کر دیتی مہذب دنیا میں جانے کے بارے میں سوچ رہے ہو نا! جہاز کے کپتان سے تم نے اس سلسلے میں بہت سے وعدے کیے ہیں۔ ان تمام چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور شہر میں چھوڑ دوں گی۔ تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو۔"

"وہ کیا؟"

"تمہیں ہر حالت میں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔ میں نے تمہاری زندگی صرف اس لیے بچائی ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ اگر تم نے تعاون نہ کرنے کی کوشش کی یا میرے ساتھ غداری کی کوشش کی تو ایسی عبرتناک سزا پاؤ گے جس کا تصور تم نے کبھی خواب میں بھی نہ کیا ہوگا۔ جو کچھ بھی میں کہوں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا۔"

"مگر۔۔ مگر تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟ اگر یہ بات ہے تو میں تم سے اور بھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور کرنا۔ ابھی میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ تم پریشان نہ ہو۔ آؤ میں تمہیں باہر لے چلوں۔"

"اچھا۔۔ اور کوئی حکم۔۔؟"

"دیکھو مجھ سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا ہاتھ پکڑو۔" چمکدار ہیولے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ مجھے یہی محسوس ہوا تھا جیسے میرا ہاتھ روئی کے نرم نرم گالے میں جا دبا ہو۔ میں اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

میرے قدموں میں لرزش تھی۔

ہم ورکر سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ اس کی ہنسی کی کھنک مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی۔ اس وقت کرین ایک بہت بڑی سی پیٹی اٹھا رہی تھی۔ اس نے مجھے اچکا کے اس پیٹی پر بٹھا دیا۔

میرے حواس جواب دینے لگے تھے۔ پیٹی آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔۔۔ پھر وہ اتنی اوپر اٹھ گئی کہ اگر میں یہاں سے گرتا تو میری پسلیاں پسلیاں چور چور ہو جاتیں۔

مجھے خوف تھا کہ دوسرے لوگوں نے مجھے دیکھا ہوگا اور جانے کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں۔ کرین آہستہ آہستہ اپنی جگہ گھوم رہی تھی اور پھر وہ گودی کے نزدیک پہنچ گئی۔ پیٹی نیچے اتری اور میں اچھل کر زمین پر آ گیا۔ قرب و جوار میں بہت سے مزدور، سپروائزر اور دوسرے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں کسٹم کلرک بھی تھے لیکن کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔ میں حیرت کا مجسمہ بنا وہاں کھڑا رہا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ لیکن دفعتاً وہی نرمی مجھے اپنے ہاتھ پر محسوس ہوئی۔ البتہ اب چمکدار ہاتھوں کی غائب تھیں۔ میرا گرم سرد ہو... کی گرفت میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور پھر اس نے مجھے گودی سے باہر نکال کر چھوڑ دیا۔

پھر اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی: "بابر داد خان! یہ بمبئی ہے۔ کسی عمدہ سے ہوٹل میں جاؤ اور یہاں سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔"

"لیکن۔۔ تم۔۔ میں۔۔ ہوٹل میں؟"

"یہاں مجھے بھی تمہارے ساتھ مصیبت بھگتنا پڑے گی۔ اچھا چلو، وہ سامنے ٹیکسی جا رہی ہے۔ اسے اشارہ کر کے روکو۔" اس نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا۔ پھر ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی رک گئی اور پھر ریورس ہو کر میرے قریب آ گئی۔ میں ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

"ہوٹل امپیریل۔" میرے کانوں میں سرگوشی سنائی دی۔ مجھے اپنے نزدیک ہی کسی نرم سے وجود کا احساس ہو رہا تھا۔ کوئی میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

سیٹ نمایاں طور پر دبی ہوئی تھی۔ میں نے لرزتی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

"ہوٹل امپیریل۔" اور ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

راستے میں خاموشی رہی۔ بمبئی کی چمکدار سڑکیں، میرا دلی ہندوستان سب کچھ مجھے عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ بہرحال سفر جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل امپیریل کی پرشکوہ عمارت کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں میں ٹیکسی سے نیچے اتر آیا۔ میں خوف و دہشت میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب ٹیکسی ڈرائیور کا بل کہاں سے ادا کروں گا۔ میرا ہاتھ یونہی اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔ مجھے اپنی جیب میں نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے نوٹ نکال لیے۔ ڈرائیور منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کھلا نہیں ہے صاحب۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے، رکھو۔" میں آہستہ سے بولا اور ڈرائیور نے خوشی سے سلام کر ڈالے۔ میں ٹیکسی کے واپس چلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"اب کیا کروں؟" میں نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

"اب آگے بڑھو۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرو اور کمرے میں مقیم ہو جاؤ۔"



"کمرہ کس نام سے حاصل کروں؟"

"بابر داد خان کے نام سے۔"

"ٹھیک لیکن۔۔ میں۔۔ میں ادائیگی کہاں سے کروں گا؟"

میں نے پوچھا اور جواب میں مجھے وہی کھنک دار ہنسی سنائی دی۔

"بل کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ چلو آگے بڑھو اور ہوٹل چل کر کمرہ حاصل کرو۔"

میں بھاری قدموں سے ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو کر کاؤنٹر کے پاس پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کمرہ چاہیے۔" میں نے کہا۔ اور اس نے رجسٹر میرے سامنے بڑھا دیا۔

"اس میں اپنا نام اور پتہ لکھ دیجیے۔"

میں نے اپنا نام پتہ اس کی ہدایت کے مطابق اصل ہی لکھا تھا۔ کاؤنٹر کلرک نے چابی میری طرف بڑھا دی۔

"پانچ سو روپے ادا کر دیجیے جناب، باقی پیسے بعد میں لے لیے جائیں گے۔"

"جی۔۔ پانچ سو روپے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں جیب ٹٹولی۔ جیب میں پھر نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جیب سے ہاتھ نکالا۔ میرے ہاتھ میں پورے پانچ سو روپے تھے۔ میں نے گردن جھٹکی اور نوٹ کاؤنٹر کلرک کے حوالے کر دیے۔

کاؤنٹر کلرک نے فوراً بیرے کو بلوایا اور مجھے میرے کمرے تک پہنچانے کے لیے کہا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

آرام دہ اور کشادہ کمرہ تھا۔ بستر پر بیٹھ کر میں پریشانی سے پیشانی مسلنے لگا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، میری سمجھ اور شعور کے بالکل خلاف تھا۔

جہاز میں، میں نے شیو وغیرہ درست کر لیا تھا۔ ایک باربر نے میرے بال وغیرہ بھی کاٹ دیے تھے اور میں انسانی صورت میں آ گیا تھا لیکن یہ سب کچھ تھا، البتہ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ زندگی اب کن راستوں پر سفر کرے گی؟

آئندہ زندگی میں کیا گزرے گا؟ یہ سوال نامکمل تھا۔ اب ان لوگوں کا ملنا تو ناممکن ہی تھا۔ ان کا تو نام و نشان بھی مٹ چکا تھا جن لوگوں کے ساتھ میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس عجیب و غریب زندگی کا کوئی اور طور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سلطان بیچارہ بھی موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی طرح جس طرح اس کے بیوی... چمپا کو ہلاک کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کا انجام بھی ویسا ہوا تھا جو اس کے بیٹے کا ہوا تھا۔ بلاشبہ اس نے بھرپور نقصان ضرور پہنچا دیا تھا۔ اسے اپنی صدیوں پرانی حکومت کو چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔ لیکن بہرصورت اس کے بعد اس نے سلطان کو بھی ٹھکانے لگا دیا تھا۔

مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد تھا جس کی وجہ سے جہاز تباہ ہوا تھا اور جہاز تباہ ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ جادوئی قوتوں کا نتیجہ تھا جس نے بے شمار انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سب ساحرہ کی وجہ سے ہوا تھا۔

بہرطور میں کیا کر سکتا تھا؟ جو کچھ بیت چکی تھی وہ تو بیت ہی گئی تھی۔ مجھے یہ نئی مشکل درپیش آ گئی تھی اور میں کسی نئے جال میں پھنس گیا تھا۔ وہ بدروح جو میرے پیچھے اس جزیرے سے لگ گئی تھی، اب بالکل قریب ہی تھی۔ اور جانے کیا کام لینا چاہتی تھی؟ جانے وہ کیا چاہتی ہے؟

میں بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً مجھے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"کن پریشانیوں میں الجھے ہو؟ یہ پریشانیاں تمہاری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے جو کچھ کیا اور۔۔۔ بہرصورت میں تمہارے حوالے سے یہاں تک آ پہنچی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، تمہاری ذات میرے لیے کوئی حیثیت رکھتی ہے؟ ہرگز نہیں بابر داد خان! شاید تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو کہ میں کسی انسانی وجود کا سہارا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر میں ایسا کر سکتی تو اس جزیرے سے تمہارے ساتھ آ جاتی۔ لیکن بے پناہ مشکلات تھیں میرے لیے۔ میں تمہارے ہی بدن پر ایک ہیولے کی حیثیت اختیار کر کے جہاز تک پہنچی، حالانکہ ایک لمحے کے لیے تم نے مجھے خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا اور پھر وہی ہنسی میرے کانوں میں گونجی۔ اب مجھے کوئی ہیولہ وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کمرے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ تب اس نے کہا۔

"میں تمہارے سر میں ایک ننھا سا کیڑا بن کر رینگ رہی تھی۔ شاید تم اس کیڑے کو جوئیں کہتے ہو۔ میں اسی طریقے سے یہاں تک پہنچ سکی۔ تمہارے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے ان میں پناہ حاصل کی۔ اور اس وقت میں پریشان ہو گئی تھی جب باربر تمہارے بال کاٹ رہا تھا۔ یقین کرو میں مرتے مرتے بچی تھی۔ ورنہ میری طویل کہانی ایک ایسے معمولی انسان کے ہاتھوں ختم ہو جاتی جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"وہ، پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے پھر مجھے متبادل حل مل گیا۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن پہلے ایک بات بتاؤ!"

"پوچھو۔"

"میں اس وقت تک پرسکون نہیں ہو سکوں گا، جب تک مجھے یہ نہ پتہ چل جائے کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"دیکھو بابر داور خان! میں تم سے کچھ چاہتی ہوں اور جو کچھ میں چاہتی ہوں وہ تمہیں کرنا ہوگا۔ ہر حالت میں، ہر قیمت پر۔ یہ میری بھی ایک ضد ہے کہ تمہارا اپنا دل ہے۔ تمہارے بس میں بہت سی باتیں ہیں۔ تمہارا اپنا خاندان اسی ملک میں ہے۔ لیکن ابھی یہاں سے نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ اگر تم نے ایسی کوشش کی تو اس کے بعد بال بال بچ جاؤ گے۔ مجھے میرا مقصد حاصل کرنے میں مدد دو۔ تمہیں پیسے کے لیے وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو عام حالات میں تم کبھی نہیں کرتے۔ لیکن اب تمہیں کرنا ہے۔ میں اسی طرح اپنی اصل زندگی حاصل کروں گی۔ ورنہ مجھے ساتھ تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔"

"مگر بتاؤ تو سہی، مجھے کرنا کیا ہے؟"

"نہیں، ابھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔ جوں جوں وقت گزرتا چلا جائے گا، میں تمہیں اس بارے میں بتاتی چلی جاؤں گی۔"

"لیکن میری زندگی کا مقصد کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ میں زندگی کس طرح گزاروں گا؟"

"دیکھو، اب تک تمہیں کوئی مشکل پیش آئی؟ میں نے تمہیں جہاز تک پہنچایا، جہاز کے ذریعے تم سفر کر کے یہاں تک پہنچے۔ تم میری دلہن کو تلاش کر رہے تھے، میں تمہیں اس کی معلومات بھی دیتی رہی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری دنیا میں زندگی گزارنے کے کیا طریقے کار ہوتے ہیں، لیکن میں نے اپنی ذہانت سے کام لے کر تمہیں ان مشکلات کا شکار نہیں ہونے دیا۔ کاغذ کے ٹکڑے جو تمہاری دنیا میں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں، تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوئے۔ میں نے دوسروں کی جیبوں سے نکال کر تمہاری جیب تک پہنچائے۔ میں تم سے سب سے پہلا کام یہ چاہتی ہوں بابر داور خان! کہ تم مجھے اپنی دنیا سے روشناس کراؤ۔"

"تم میرے سامنے کیوں نہیں آتیں؟ اب تک تو تم میرے سامنے ایک ہیولے کی شکل میں آتی رہی تھیں۔"

"بابر داور خان! دیکھو میں تمہیں زیادہ تفصیلات نہیں بتا سکتی۔ لیکن یہ چادر اور سمندر جانتے ہیں کہ میری کیا حیثیت ہے۔ یہ بہرحال کچھ ایسی بات ہے کہ میں ابھی تک کامیاب ہو گئی ہوں۔ اگر تم میرا پیچھا کر سکو، لیکن سمندر عبور کرنے کے بعد میں اپنی قوت کھو بیٹھی ہوں اور اب میں صرف ایک ہیولے کی شکل میں رہ گئی ہوں۔ میں خود بھی چاہتی ہوں کہ انسانی وجود میں آ جاؤں اور اپنی آئندہ زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کے قابل ہو جاؤں۔ لیکن اس کے لیے ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے اور تم اس میں میرے مددگار ہو گے۔ بابر داور خان! ہر طرف تمہارا نام۔ اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو تمہاری شکل مٹا کر تلاش کر دی جائے گی۔ اپنے طور پر تم جس طرح چاہو گزارتے ہو، لیکن جو کچھ میں کہوں اس سے انحراف تمہارے لیے قطعی ناممکن ہوگا اور یہی ایک کوشش تمہارے لیے شدید نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ تم مجھے اپنی دنیا میں زندگی گزارنے کے گر بتاؤ۔ کیا یہ ممکن ہے؟ یا کیا یہ ممکن نہیں بابر داور خان! میں تمہارے ساتھ رہوں اور تم مجھے اس زندگی سے روشناس کراؤ؟"

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن سب سے پہلی بات، یہ میری ناک سے ہیولہ۔ کہ اس دنیا میں ایک بہتر وقت گزارنے کے لیے ایک کرنسی کی ضرورت پیش آتی ہے۔" میں نے کہا۔

"کرنسی کیا چیز ہوتی ہے؟"

"وہی نوٹ جو تم نے میری ضرورت کے لیے مجھ تک پہنچائے تھے۔"

"اوہ! ٹھیک ہے۔ یہ کرنسی تمہیں کہاں سے تمہاری ضرورت کے مطابق مل سکتی ہے؟"

"لاتعداد ذرائع ہیں اس کے حصول کے، ڈاکہ زنی اور چوری وغیرہ۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں اس کے۔"

"مجھے بھی بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے، ایسا تمہیں دکھاؤں گا۔"

"کب؟"

"آج ہی۔ لیکن اس کے لیے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

"تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔ میرا مطلب ہے ایسے ہی ذریعے سے کرنسی نوٹ مجھے مزید فراہم کرو۔ تاکہ میں اپنی حیثیت بنا لوں۔ مجھے کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔ بہت سی چیزیں، بازار سے مل جائیں گی۔ میرا مطلب کچھ ایسا ہی ہے۔ اپنی حالت درست کرنے کے بعد میں باقاعدہ عمل زندگی کا آغاز کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، تم تھوڑی دیر رکو۔ میں کرنسی تمہیں فراہم کر دوں



[illegible]

"... ہم نے ... دیا۔"

[illegible] ... ایک ... لیا ... کیا ... اپنے گھر ... [illegible]

[illegible]

"... میں نے بتایا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ... [illegible] ... میرا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں گی ... [illegible]"

[illegible] ... "O'HARE" ... [illegible] ... اور اندر داخل ہو گیا۔

[illegible]



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی کی گزرگاہ تک پہنچا۔ یہاں بھی ہزار ہزار کے تین داؤ لگائے۔ اور وہاں سے بھی پندرہ ہزار روپے مل گئے۔ گویا آج کی کمائی اکیس ہزار تھی۔ میں ایک دم سے امیر نہیں بن جانا چاہتا تھا لیکن آج تو میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ میں اپنی نادیدہ محسن کی وجہ سے اکیس ہزار روپے کما چکا تھا۔ اب اگر مزید کھیلتا بھی رہتا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں تھا جب بمبئی میں نمایاں شخصیت کا حامل بن جاتا۔

جب میں واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو میں بہت خوش تھا۔ میری نادیدہ محسن میرے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی خاموشی توڑی اور کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ اور تم مطمئن ہو۔"

"بہت زیادہ مطمئن۔ تم نے تو میری زندگی ہی بدل ڈالی۔"

"ابھی تو تمہیں بہت آگے جانا ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی حاصل کرنے کے بعد بس تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"میں تیار ہوں۔ تمہاری وجہ سے مجھے زندگی کی بہت سی مسرتیں اور خوشیاں مل گئی ہیں۔ میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا اور دوسری طرف سے آواز آنا بند ہو گئی۔

دوسرے دن میں نے تھوڑی دیر کے بعد اسے مخاطب کیا لیکن جب کوئی آواز نہیں آئی تو دل بیٹھ گیا۔ بہرحال مسرت انداز میں جب میں نے گنے ہوئے نوٹوں کو نکال کر انہیں گننے لگا تو اکیس ہزار سات سو روپے تھے۔

یہ رقم میرے لیے بہت بڑی تھی حالانکہ ایسی بات نہیں تھی کہ میں نے دولت نہ دیکھی ہو۔ اگر میں سرزمین مصر پر جاتا تو لاکھوں روپے کی دولت کا مالک تھا۔ لیکن لٹنے کے بعد اپنے وطن آکر مجھے یہ سب کچھ بہت عجیب لگنے لگا تھا۔ یہاں دولت کا حصول میرے لیے آسان کام نہیں تھا۔ لیکن بہرصورت وہ مجھے میری پسند کے مطابق حاصل ہو رہی تھی۔ سرزمین مصر جا کر روپے لانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا کہ میں یہ بار بار وہاں پہنچ کر سامان کا مالک بنتا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ قیمتی ذخیرہ وہاں پہنچا یا نہیں۔ بہرصورت سامان لوٹ چکا تھا اور اس کی یاد جب بھی آتی میرا دل دکھنے لگتا تھا لیکن کیا کرتا!

بہت سے احساسات اور خیالات ذہن میں تھے لیکن زندگی میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ میں اس رات کی یادیں ساری بھول جاؤں اور ان خوشیوں کو بھی یاد کروں جو میری زندگی میں آ گئی تھیں۔ اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خیال ہی خیال میں فیصلہ کیا کہ اپنی زندگی میں کوئی بہت بڑی تبدیلی پیدا کروں گا۔

بڑا فائدہ ہو۔ اتفاق۔ ایسی زندگیاں تو بہت ہی کم لوگوں کو ملتی ہیں۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سوچنے لگا کہ میں کہاں کی سیر کروں۔ دفعتاً مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور میں اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"شاید وہ تم ہو؟"

"ہاں۔"

"کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"کوئی خاص بات؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ آج کے لیے تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا سیر و تفریح کے لیے نہیں چلو گے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ لیکن کیا تم میرے ساتھ جاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں ہر وقت تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ اب میں یہاں کے لوگوں کو سمجھنے کی کوشش کروں گی ورنہ تم تنہا ہو گے اور کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئی تو تم سے پوچھتی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو۔" میں نے جواب دیا اور میں ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

میں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ باہر آکر میں نے ایک ٹیکسی لی اور اس میں بیٹھ کر چوپاٹی چل پڑا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر وہ آہستہ سے بولی۔

"اب کیا تم ان کشتیوں میں بیٹھو گے۔ جو ادھر ادھر گھوم رہی ہیں؟"

"نہیں نہیں۔ کیوں۔ تمہیں کشتیوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے؟"

"ہاں۔ میں سمندر سے بہت خوفزدہ رہتی ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے۔ بہرصورت یہ دیکھو، یہ زندگی ہے۔ وہ دیکھو کچھ اعلیٰ عورتیں کام کر رہی ہیں۔ یہ بے چارے محنت مزدوری کرتی ہیں اور یہ نوجوان جوڑے ہیں جو سمندر کے کنارے اپنی محبت کی تکمیل کرنے کے لیے آتے ہیں۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر عجیب سے لہجے میں بولی۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس جو محبت کی جاتی ہے۔ وہ میں نے واقعی کبھی نہیں کی۔ حالانکہ ایک عورت میری زندگی میں آئی تھی۔"

"میں جانتی ہوں۔ تم سعدیہ کی بات کر رہے ہو نا؟"

"اوہ۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے چونک کر سوال کیا اور



پھر وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"تمہارے بارے میں تو مجھے سب ہی کچھ معلوم کرنا پڑا ہے۔ آخر تم میرے ساتھی جو ہو۔"

مجھے اس نادیدہ وجود کا ساتھ خود بھی بے حد پسند تھا جس نے میری فطرت بدل کر رکھ دی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"رات کو پھر جوا کھیلو گے؟"

"ہاں۔ اب جب تم نے مجھے زندگی کی اس راہ پر ڈال ہی دیا ہے۔ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا ایک گھر ہو، ایک خوبصورت سی کوٹھی بناؤں اور خوب دولت حاصل کروں۔"

"تو پھر یوں کرو۔ تم روزانہ مختلف ہوٹلوں اور کلبوں میں جوا کھیلا کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ جس طرح بھی کہو گے کرتی رہا کروں گی۔" میں نے شکریہ ادا کیا۔

پھر یہی ہوا۔ رات کو پھر میں جوا کھیلا۔ اکیس ہزار کی رقم نے تھوڑی تھوڑی کر کے داؤ پر لگانا شروع کر دی اور پھر از میری تقدیر کا ساتھ دے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے پاس تقریباً اٹھاون ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اکیس ہزار کی رقم کو اٹھاون ہزار میں تبدیل کر کے میری مسرت کی انتہا نہیں رہی تھی۔ بہرصورت میں نے وہیں جانا مناسب نہیں کیا اور اس ہوٹل سے نکل آیا۔ پھر اس ہوٹل سے نکل کر میں ایک دوسرے ہوٹل میں پہنچ گیا اور میں نے اٹھاون ہزار روپے کی رقم سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اور رات کو جب میں سونے گیا تو میں نے دیکھا تو میرے پاس ایک لاکھ اٹھائیس ہزار روپے تھے۔ میں جوا نہیں ہار رہا تھا۔ یہ رقم میں نے ایک بریف کیس میں رکھی اور وہاں سے واپس چل پڑا۔ اتنی رقم اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اگلے دن بینک میں جمع کرا دوں گا اور یہی ہوا۔

دوسرے دن میں نے اس میں سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے بینک میں جمع کر دیے۔ صرف آٹھ ہزار روپے اپنے پاس رکھ لیے۔ میری نادیدہ محسنہ میرے ساتھ تھی۔ اب مجھے کس بات کی پرواہ ہو سکتی تھی۔ میں اسے دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔

اس طرح بازار وغیرہ کا سلسلہ ختم ہوا اور رات کو پھر میں جوا خانے میں پہنچ گیا۔

بمبئی کے بہت سے جوئے خانے میری نظر میں آ چکے تھے۔ کسی نئے شہر میں بلکہ کسی اجنبی کو بہت سی دشواریاں پیش آ سکتی ہیں۔ اس کا خیال مجھے بھی تھا۔ میرے پاس کوئی روپیہ وغیرہ نہیں تھا لیکن میری

نادیدہ محسن کے طفیل میرے پاس لاکھوں روپیہ موجود تھا چنانچہ آج میں نے یہاں کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں ہوٹل چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ زندگی جب مجھے اس قسم کے مواقع مہیا کر رہی ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں؟ چنانچہ میں مختلف پراپرٹی ڈیلرز سے ملا اور اپنے لیے کوئی خوبصورت بنگلہ تلاش کرنے لگا۔ تقریباً تیسرے دن ایک پراپرٹی ڈیلر نے مجھے ایک بنگلہ دکھایا۔

بہت ہی خوبصورت بنگلہ تھا۔ مالابار کے علاقے میں تھا۔ میں نے اسے پسند کر کے اس کے دام چکا دیے اسی دن میں اپنے اس نئے بنگلے میں منتقل ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں آکر مجھے اتنی مسرت ہوئی تھی کہ بیان سے باہر۔ اب میں نے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ مجھ جیسا سنجیدہ آدمی جوانی کی ان سطحیتوں کے بارے میں اب سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن کیا کرتا۔ بدن میں وہی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ طبیعت میں جوانی آ گئی تھی اور یہ سب میری نادیدہ محسنہ کی بدولت ہوا تھا۔

اس میں اسے محسنہ ہی کہوں گا۔ کیونکہ اس کے بعد ایک مہینے کے اندر اندر اس نے میرے پاس اتنی دولت جمع کر دی کہ میں نے ایک چھوٹی سی کار خرید لی، اپنی خدمت کے لیے چند ملازم رکھ لیے اور بنگلے کو بہترین ساز و سامان سے آراستہ کر ڈالا۔ اب میں درحقیقت ایک خوشحال شخص بن چکا تھا۔ میں نے بینکوں میں اپنے اکاؤنٹس کھول لیے تھے۔ جتنے روپے میری جیب میں آتے، اتنی ہی میری دولت بڑھتی چلی جاتی۔ میں بہت جلد دولت مند ترین شخص بننا چاہتا تھا چنانچہ میں ہر رات جوا کھیلنے نکل جاتا۔ میری دوست میرے ساتھ ہوتی اور سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی ہوتا رہتا۔

بمبئی کے جوئے خانوں میں اب میری حیثیت جانی پہچانی ہو گئی تھی۔ لیکن میں بہت ترکیب سے کام لیا کرتا تھا کبھی کسی کو میرے اوپر شبہ نہ ہو سکا۔ میں کبھی اپنے ایک ہی جگہ پر نہیں دکھائی دیتا تھا۔

پھر مجھے راستے میں ایک شخص ملا۔ اچھے خاصے تن و توش کا ایک نوجوان آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے دوستی بڑھانا شروع کر دی۔ میری نادیدہ محسنہ نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ میں نے اس سے مشورہ کیا تو وہ ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"تم کیا سمجھتے ہو، تمہارا دلچسپی تمہارے پاس آئی ہے؟"

"نہیں لیکن تم اس کے بارے میں مجھے کچھ تو بتاؤ۔"

"تو پھر اب وقت آگیا ہے کہ تم مزید احتیاط سے کام لو۔ اب شمیں اپنا نام تبدیل کرنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تمہارا نام رانا مسعود ہے۔ مجھے دراصل کوکرن اینڈ کمپنی کا پتہ بھی بتا دو۔ وہ مجرم بنتے تھے تو تم یہ انکشاف کرو گے کہ درحقیقت تم رانا مسعود ہو۔ ایک بہت بڑے بیوپاری راشد کو رانا مسعود کی بجائے ہے۔ اور رانا مسعود کے ذریعے ایک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ تم اسی کے ساتھ پھر پورا تعاون کرو گے۔ میں تمہیں فرد جرم ثابت دینے کی بات کروں گی۔"

میں خیال کی آنکھوں سے اس نادیدہ ہستی کو دیکھنے لگا۔ اس کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن میں اس سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے میری شخصیت بدل دی تھی۔ ورنہ اس تباہی کے بعد اور اس تبدیلی کے بعد میرے لیے اس دنیا میں لاتعداد مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ بیگانہ کس طرح میں خود کو اپنی دنیا میں ضم کر پاتا۔ اس کی کوئی کے بجز چارہ کار نہیں تھا۔

پھر رانا محل کے شب و روز یونہی چلتے رہے۔ وہ جب بھی آتا میرے ذہن کی سب سے پہلے ملاقات کی۔ بہت خلوص سے ملتا تھا مجھے۔ اس شام وہ بہت زیادہ چونکا ہوا تھا۔ میرے ساتھ بیٹھے بیٹھے اس نے کہا۔

"ابرو رخان! میں تم پر ایک انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"انکشاف؟" میں نے اسے چونک کر دیکھا۔

"ہاں، یہ تصویر دیکھو۔ کیا تم نے اس شخص کو کبھی دیکھا ہے؟"

اس نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے سامنے کر دی۔ میرے ذہن کو ایک لمحہ جھٹکا لگا تھا۔ میری آنکھیں تصویر پر پڑتے ہی [illegible] تصویر پر ... کیسے ممکن ہے؟ میں نے سوچا۔

میری ہی تصویر تھی لیکن تو [illegible] میں [illegible] تھا۔ اور یہ [illegible] لباس پہنے ہوئے تھا [illegible] کا چہرہ تھا۔ [illegible] زندگی میں کبھی نفرت بھی ایسا کوئی لباس نہیں پہنا تھا۔

"[illegible] انکار ہوتا ہے مجھے" میں نے [illegible] پھر اس نے کہا "[illegible] ابرو دخان کے نام [illegible] ...... اصل شخصیت [illegible] میں اسی وقت [illegible] کسی وقت [illegible] کی زبان بند کر دو [illegible] کرتا ہوں۔"

دل و دماغ میں میری حالت خراب تھی لیکن مجھے ہدایت ملی تھی اس لیے اب کوئی انحراف نہیں کر سکتا تھا میں کسی بھی معاملے [illegible]۔

"اب تک تم مجھے پہچان چکے ہو تو میں انحراف نہیں کر سکتا؟"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"کیا وہ بد اعمال میرا کاروبار کا بڑا کاروبار ہے۔"

"سیدھا سادہ آدمی میرے ساتھ رانا محل [illegible] آج کل گیا۔"

"لیکن تم کون ہو؟ اس نے تمہیں نہیں بھیجا؟"

"ہاں تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہارے خاندان کا سب سے بڑا بھی خواہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے دوست، میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"اب جب کہ تم نے بات مان لی ہے تو ایک بات اور جان لو ابھی اس وقت میرے ساتھ چلو۔ نجانے ان حالات میں کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں جو آپ پہ [illegible] ... میری امیدوں کی بات تھی اس لئے نکلا۔ کیا اور دماغ خود ہی سے لپٹ گئی۔"

رانا محل بہت عجیب و غریب عمارت تھی۔ بڑی ایک حسین ترین عمارت تھی۔ قدیم و جدید طرز تعمیرات کا دلکش نمونہ۔ وسیع سبزہ زار پھیلے ہوئے۔ [illegible] خوبصورت جیسے جگہ جگہ مرتن کی افادیت سے آراستہ۔ رانا محل کی شان و شوکت نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ اس عظیم الشان عمارت کے اندر داخل ہونے کے لئے مجھ جیسے آدمی کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

میں اس عمارت سے بہت پریشان تھا۔ کیونکہ یہ تو میں جانتا تھا۔

اس عمارت کے قریب پہنچ کر ایک فرد کی شکل میں سب سے پہلا جو تھا اور الطاف کی بات بھی کرتا ہے جس نے مجھے بلایا تھا وہ خود بھی بڑی شخصیت سے متعارف تھا اور مجھے کیا اور بھی سمجھتا تھا جس شکل میں اس سے بھی کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ لوگ نے مجھے کس حیثیت میں متعارف کرایا میں نادیدہ دوست!

"بیٹا خان کیوں سمجھتے ہو۔ اب میں جو تمہارے ساتھ ہوں میرے کانوں میں اس کی آواز ابھری۔

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔"

"میں بتاؤں گی۔ تم خود کو پرسکون رکھو۔ ادھر دیکھو۔ وہ شخص جو تمہارا الطاف ہے وہ رانا شاہ عالم ہے۔ تمہارے سگے بھائی اور رانا محل کے اصل مالک رانا جہانگیر کا سیکرٹری۔ تم پر اسے بہت اعتبار ہے۔ پہلا دوست سمجھو اسے پر بھروسہ ہے۔"

میں حیران رہ گیا۔ پھر سارا وجود میرے ساتھ تھا وہ [illegible]



سیری بھی مدد کر سکتا ہے اس خیال سے مجھے ڈھارس دی اور میں پرسکون ہو گیا۔

پچاس سال تقریباً ساٹھ کے قریب ایک شخص آ پہنچا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ چہرے سے وہ چالیس پینتالیس سے زیادہ نظر آتا تھا۔ اس کے انداز میں سلیقہ تھا اور لباس وغیرہ بھی اس کے اپنے مناسب پہنا ہوا تھا۔

"آہ رانا مسعود، آپ آ گئے۔ آپ کو دیکھ کر میری رگ رگ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب میرے کاندھوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

"کیسے ہو شاہ عالم؟" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا اور اس کے قدموں میں جھکتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور بہت خوش ہوں۔ بڑی بیگم صاحبہ کے بعد حفاظت اور صاحب کا روبار کی دیکھ بھال کا کام صرف میرے ہاتھوں میں تھا۔ آپ کے آنے کے بعد رانا مسعود یہاں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں، میں نہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ لیکن میرے عزیز قریب و قریب تر یاروں نے [illegible] آپ کو علم نہیں ہو گا، مجھے تو دلی مسرت ہے کہ مجھے پھر سے [illegible] تمہاری شکل میں مل گیا۔"

"شاید۔ بہرصورت اب میں آ گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"خوش آمدید۔ تمہیں اس گھر کی فضا خود خوش آمدید کہتی ہے۔ تم سفر کی تھکان اتار کر تازہ دم ہو جاؤ پھر باتیں ہوں گی۔ میں انکو آج ہی بتاؤں گا۔ سب ہوا ہے، روزانہ اس کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ تمہارا کمرہ تیار کیا جا چکا ہے۔"

میں نے اس جملے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ خاموشی سے پیچھے چلتا رہا۔ پھر بطور شناسائی جاننے کو شاہ عالم نے چند رسمی باتوں کے بعد کہا۔

"تم یقیناً بڑے رانا صاحب کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہو گے۔ یاد رکھو تم نے یہاں کے حالات کی تفصیل بتانی ہے۔"

"نہیں، میں نے اس دوران اپنی زندگی ان اوقات سے بالکل الگ گزاری ہے۔ اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ میری غیر موجودگی میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں؟"

"افسوس رانا جہانگیر اپنی عادت سے ... رانا جہانگیر کی موت

کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ رانا محل پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ شروع ہی سے عیش و عشرت سے اپنی زندگی کی جانب گامزن تھے کہ اچانک بڑی بیگم صاحبہ بیمار ہو گئیں اور ایک مہینے کے اندر اندر دنیا سے چلی گئیں۔ بڑے رانا صاحب اب آزاد ہو گئے تھے، جو کہ آج تک کوئی خاندانی پابندی تھی تو بڑی بیگم ہی کی تھی۔ خود تو سلطنت زندگی عیش و عشرت میں گزار دی کبھی کچھ کر کے نہ دیا۔ رانا جہانگیر نے جو دولت کمائی کبھی اسے اپنی ملکیت نہیں سمجھا اور چھوٹے رانا صاحب کو ہمیشہ بڑے بھائی کی حیثیت دی۔ ان کی ہمیشہ کفالت کی۔ ان کے جائز و ناجائز اخراجات برداشت کرتے رہے۔ کبھی انہوں نے نہیں کہا، مرحوم نے بڑے ہی اچھے انسان تھے وہ۔

رانا صاحب بڑی بیگم کی موت کے بعد سیر و تفریح کرنے کے لیے کہیں چلے گئے۔ اور جب واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک حسین و جمیل عورت تھی جو پست درجے کی اداکارہ اور آوارہ عورت تھی۔

رانا محل کا ماحول رانا جہانگیر کے نزدیک بڑا پاکیزہ تھا لیکن یہ لوگ عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ بے چارے رانا جہانگیر نے اسے بھی کسی نہ کسی طرح برداشت کیا اور وہ دوسری بیگم کو بھی برداشت کیا جانے لگا۔ لیکن دوسری بیگم نے تھوڑے ہی عرصے کے بعد رانا محل میں اپنی من مانی شروع کر دی۔ جس کی مخالفت کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ رانا صاحب کی حالت روز بروز خراب ہونے لگی۔ اور اس نے بڑی ہی شرم و لحاظ سے خوشی خوشی ترک کر دی۔ اس کے دوست یہاں آنے لگے۔ رانا محل کا تقدس ختم ہو گیا اور سرور کی نظروں سے ایک عجیب و غریب حیثیت اختیار کر لیا۔

www.paksociety.com

ماما جان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کو کوئی
تبدیلی نظر نہیں آئی صاحب کی ... سب ... میں نمودار ہو گئی تھیں
کیونکہ ... کی وجہ سے ... رہنے لگے تھے ... دونوں
کے درمیان ... ناپسندیدہ ہو گئی ... ایک
رات ... سے ... طریقے سے ... 
اور ... نے ... کے ... حصے میں ... کر دیا ... 
نے ... سے ... کر دیا تھا۔
"اوہ، یقینا ... صاحب اس ... کی ... گوشہ
نشین ہو گئے۔"
"یہ بات نہیں ہے۔" شاہ عالم نے سرد لہجے میں کہا۔
"پھر کیا بات ہے؟"
"وہ ... عورت ... کر ... بیوی گئی ہے
کہ اس کے بعد ... کسی کو اپنی صورت نہیں دکھا سکتے۔ وہ
کسی سے نہیں ملتے، لیکن اگر ... کوشش کر سکتے ہو۔" شاہ
عالم نے ... میں کہا۔
... خاموشی سے اس کی ... سن رہا تھا۔ چند لمحات
خاموشی ... کے بعد ... پھر بولا۔
"اور ... کی ... ہی چاہیے کتنے دیے
کے بعد تم یہاں آئے ہو؟"
"... میں ... کر ... " ... نے جواب
دیا۔
"... سے اس خاندان کا ... ہوں۔ میرے
... خاندان کے ... کر کے چلے آئے ہیں
... کے ... ایک ... کے
... کر ... اس خاندان کی
... سے ... 
... نے اپنی ... 
... میں ... اپنی ... کر چکا ہوں ... آپ کو تمام
... آپ کو ... 
... اگر آپ
... کی خواہش ہے کہ خاندان
... اپنے خاندان کی ... 
ہے۔"
... ایک ... 

جب ... کہ ... سے ... کے ... جواب
دیا۔
"... میں ... کسی ... نہیں کی تم
آپ ... نے مجھے ... شادی ... 
داخل ... دروازہ بند ... 
... کر کہا۔
"لیکن وہ ... بھی میرے غصے ... 
... کہ وہ ... 
"... بہت ... 
... کا ... کر ... مسعود ...
... مجھے ... 
... جاتی ہیں ... 
... زندگی ... 
... گئے۔"
"... مدد کی ... 
... مدد کر سکتے ہو ... راستے میں ...
... تعلق ... میں ... بات
... لیکن جب
میں ... کسی ... کے لئے ... کہ تم ...
اسی طرح ... جس طرح میں چاہتی ہوں ... نہیں
... کہ تم یہاں آ گئے۔ اب
اس کے ... حالات میں ... اور جب
میں ... کسی مقصد کے لئے ... تو تم اس ... میری ...
... ہے اس کے ... میں ... زندگی کا ... 
... کی تمہاری دنیا میں ... 
... کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
"وہ ... ہے۔ لیکن جب میں ... کے ... کے بارے
میں کچھ بھی نہیں جانتا تو پھر ان کے درمیان خود کو کیسے ضم کر سکتا
ہوں ... کسی بھی وقت میرے بارے میں تجھے
... اور میں ... 
جاؤں گا۔"
"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"
"تو پھر مجھے ... کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل تو
بتا دو ... کچھ ... ضرور ہوگا۔"



... نہیں ... انتظار ... 
... تفصیلات ... 
... کوئی ... 
... کوشش ... 
... ہیں۔
... کسی شخص کے
... میں ... 
... کے ... 
... بالکل ... 
... کسی شخص کو
... تفصیلات مجھے معلوم
ہوتی ... گیا۔
... خاندان ... 
خاندان ... 
... کے ... 
... 
... 
... اس علاقے
... خاندان کی ... 
... سب سے
... 
... 
... عورت ... 
... 
... 
... چہرہ ... کر دیا
... سامنے ... 
... سے
... دوسروں کے سامنے ... 
کا تھا۔
... خاندان کی ... 
... کسی طرح ... 
دولت ... 
... دولت ... 
... بکھری ہوئی ہیں ... 

پرسش

• شام کی سانولی سلونی اداسی
صرف ... ہے
... کے خواب
ایک دن کے لیے بھی ... ہیں

• شاعرا کیا ... تجھ سے
تیرے پلو اٹھائے سکتا ہوں؟
مجھے بہت ... 
تھک گیا ہوں

کاش
پرندہ لوگ
جاگ جاتیں
جیسے قیامت کے دن مردے جاگیں گے

• کیا شاعر
ایک تقلید سے زیادہ اہم ہے؟
جی ہاں، اگر وہ اچھی شاعر ہے
کیسے؟
جو احمق دنیا کے منہ پر گھونسا مار سکتا ہے
وہ شعر نہیں کہہ سکتا

• ادب میں امن کا کیا سوال؟
ادب
مسلسل جنگ ہے

• مجھ سے سوئے بازی کرنا چاہتے ہو؟
کیا تم نے کسی درخت کو
تعاقب پیچھے دیکھا ہے؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا مالک اور وارث ہے۔

رانا مسعود ان سب میں چھوٹا تھا لیکن اس کی کہانی بہت عجیب ہے۔ رانا مسعود ایک لڑکی کو چاہتا تھا جس کا نام گلرخ تھا۔ گلرخ بھی اچھے خاندان کی لڑکی تھی۔ ایک اچھے گھرانے کی چشم و چراغ ہو سکتا تھا یہ گھرانہ رانا فیملی سے متعلق ضرور تھا لیکن رانا فیملی کی شان کے زمانے میں بھی اس کی ساکھ بہت زبردست تھی اور گلرخ کے گھرانے کی لڑکیاں اچھے خاندانوں میں بیاہی گئیں۔

رانا مسعود گلرخ کو چاہتا تھا۔ بچپن ہی سے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ شاید گلرخ کے ذہن میں بھی رانا مسعود کے لئے کوئی جگہ تھی۔

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ رانا جہانگیر بھی گلرخ سے متاثر ہو گیا۔ رانا مسعود چونکہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا اس لئے وہ یہ کوشش نہیں کر سکتا تھا کہ گلرخ کو حاصل کر لے، وہ چاہتا تھا کہ پہلے تھوڑا بہت اپنے آپ کو مستحکم کر لے، اس کے بعد گلرخ کے والدین سے رانا جہانگیر کے ذریعے بات کرے گر رانا جہانگیر کی دولت اپنے بھائیوں کے لئے کھلی ہوئی تھی۔ رانا جبار اس پر عیش کر رہا تھا۔ رانا مسعود چاہتا تو خود بھی اپنے بھائی کی دولت کو سہارا لے کر اپنا مقصد پا سکتا تھا لیکن وہ ذرا خوددار قسم کا آدمی تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور دولت کمائے۔

اس نے اپنے خیال کا ذکر رانا جہانگیر سے کیا۔ رانا جہانگیر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کا اپنا کاروبار اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ چاہے تو خود اس کو فروغ دے سکتا ہے۔ رانا مسعود نے یہ بات تسلیم کر لی اور رانا جہانگیر کے ایما پر ہانگ کانگ چلا گیا۔

تقریباً ایک سال کے بعد ہانگ کانگ میں اسے تار ملا کر فوراً واپس پہنچے رانا جہانگیر کی شادی ہو رہی ہے۔

رانا مسعود خوشی خوشی واپس آیا اسے بتایا گیا کہ رانا جہانگیر گلرخ سے شادی کر رہا ہے ... حالات خطرناک ہو گئے ... چلا، گلرخ کی ... کی طرف سے یہ سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ سب ... فضول ہی تھا۔ گلرخ کی ... کیا کیفیت تھی ... رانا مسعود نے بھائی کے مقابلے میں ... تو نہیں اٹھائی لیکن وہ خود اس شادی میں شریک نہیں ہو سکا

اور خاموشی سے کہیں چلا گیا۔ اس کے بعد رانا مسعود نے رانا محل کا رخ نہیں کیا۔ بہت عرصے تک اسے تلاش کیا گیا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

مجبوری رانا جہانگیر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا اور گلرخ بیوہ ہو گئی۔ رانا جہانگیر کا صرف ایک بیٹا ہے جس کا نام سلیم ہے، وہ صرف سات سال کا ہے۔ رانا سلیم کی زندگی پر کچھ کاتلانہ حملے ہو چکے ہیں ... یہ کتنی خوفناک بات ہے ... تقدیر تھی کہ وہ بچ گیا اور اس سلسلے میں ... شاہ عالم رانا سلیم کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہیں لیکن وہ ان کا اظہار نہیں کر پاتا۔ بہرطور تم پرانے لوگوں کا بہت انحصار ہے اور تمہارے واپس آنے کے بعد انہیں خاصی ڈھارس ہو گئی ہے۔ یہیں یہاں کے حالات تمہیں اب کیسے سنبھالنا ہے؟

"کمال ہے، میں کیا سنبھالوں گا ان حالات کو، مجھے یہاں آخر لانا کیوں ہے؟"

"آہستہ آہستہ۔ آہستہ آہستہ ہی تمہیں سب کچھ بتانا ہوگی۔ فی الحال جتنا بتا دیا ہے، وہ تمہارے علم میں رہنا ہوگا۔ اب ان حالات کے تحت تم اپنی مرضی کے مطابق کچھ کام کر سکتے ہو۔"

"مگر تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ اس ... سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"ہاں! ابھی میرے لئے ممکن نہیں ہے اور بابر داد خان! تمہارے لئے ضروری بھی نہیں ہے۔ تم صرف مجھ سے معلومات حاصل کیا کرو۔ بابر داد خان جتنی تمہارے لئے ضروری ہوں۔ اس کے لہجے میں ایک طرح کی سختی تھی ... اس سختی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے اسے پکارا۔ لیکن اب وہ میرے نزدیک موجود نہیں تھی۔

نجانے اس عجیب و غریب شخصیت کے کن الجھنوں میں ... یا تھا۔ بہرطور زندگی گزارنے کے لئے کبھی الجھنیں بھی ... ثابت ہوتی ہیں ورنہ زندگی اگر کوئی اقتصادی رہ جائے ... ایک گہری ... کرانے والی بات ... میں ... مجھے پتہ نہیں کیسے ... خصوصیت تھی۔

زندگی اگر کوئی رخ اختیار کر لیتی تھی تب ہم ... تھے اور یہ کسی انجانی ... ہو گئی تھی لیکن ... کے لئے بہر حال کچھ ... تھی ... رانا مسعود ... کر رہی تھی۔ رانا محل میں مجھے آئے ہوئے تقریباً ... ہو گئے تھے اس دوران میری ملاقات ایک بار بھی گلرخ سے نہیں ہوئی



نرگس اور دوسرے لوگ ... زیادہ تر میرا تعلق شاہ عالم ہی سے رہتا تھا جو مجھے جائیداد کے حسابات وغیرہ سمجھا رہا تھا۔ اس نے مجھے زمینوں کے سلسلے اور دوسری چیزوں کے بارے میں بتایا۔ میں ... تمام الجھی ہوئی ... ہو رہا تھا حالانکہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس دوران میری ملاقات رانا جبار سے بھی ہوئی ... میری ... شاہ عالم نے ... رانا جبار کی ... کے ایسے ہیں کچھ ... تمام ملازموں کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ ... سلسلے میں ... رانا محل کا معمول ... ختم ہو جاتا تھا۔

یہ دروازہ اس کمرے کا تھا ... رانا مسعود تھے اس ... گھوم کر دیکھنے سے ... ہر وقت ... ایک ... تھا جو ... رہتا تھا۔

میں ... کئی بار رانا محل ... جہاں ... چکا تھا اور ... رات کی بات ہے ... شاہ عالم رانا محل کے ... ہوئے سب کچھ ... کے پاس بیٹھا مجھ سے گفتگو کر رہا تھا ... رات کی تاریک فضاؤں میں ایک ... شاہ عالم اس کو سنتی ... کو سنتے ہی ... کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" میں نے اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر پوچھا۔

"ارے ... جلدی آئیے۔ جلدی آئیے براہ کرم جلدی آئیے۔" اس نے کہا اور ... ہاتھ پکڑ کر محل کے اندرونی حصے کی جانب بھاگا۔ ... تمام ... دیکھ ... ایک جگہ ... رانا محل کے ... شاہ عالم ... ایک ... کمرے کے دروازے ... دروازہ کھل گیا ... ایک حسین ... عورت ... شاہ عالم کو دیکھ کر ... چونک پڑی۔

"... کیا ... شاہ عالم؟" اس نے ... کے ... سے ... کہا۔

"... شاہ عالم ... ہو گیا۔

سلیم کہاں ہیں؟"

"سو رہے ہیں۔ کیوں کوئی خاص بات؟"

"بس نہیں، ہماری تحویل میں دے دو۔" شاہ عالم نے کہا۔

"اوہ ... کیا ہے ... کیا ... ؟" عورت نے آہستہ سے کہا۔ اسی وقت کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی اور اس تیز روشنی میں مجھے ایک حسین نسوانی پیکر نظر آیا۔ سفید لباس میں ملبوس نیم خوابیدہ آنکھیں، بکھرے ہوئے بال، حسین چہرہ، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے خشک اور جلتے ہوئے ہونٹ، دراز قد۔ قامت وہ ... حسین ترین عورت تھی۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ ٹھٹک کر رہ گئی ... دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔

"گلرخ ہے ... اپنے انداز میں اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ تم اسے پہچان گئے ... ہو۔" میں چونک پڑا۔ میں نے گہری نگاہوں سے گلرخ کو دیکھا ... آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی ایک لمحے ... گزر گیا اور اسی وقت شاہ عالم نے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"خود کو سنبھالئے ... صاحب ... کی آواز جو آپ نے سنی تھی خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"رانا محل میں ایک بھوت نظر آتا ہے۔ سفید لباس میں ملبوس ایک لڑکی سامنے ... دیکھ کر تمام ملازم خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور وہ بھوت رانا محل کی وسعتوں میں سفر کرتا رہتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے سلیم کی تلاش ہوتی ہے ... یہ سلیم کا قتل ... ہوتا ہے تاکہ ... براہ کرم یہ بات اپنے تک ہی رکھئے۔ سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیجئے۔"

شاہ عالم کی اس سرگوشی پر میں چونک پڑا۔ دوسری طرف گلرخ بھی ... تھی ... کیفیت ... ختم ہو گئی اور اس نے ... کر چہرے پر ... عورت کے نشانات ... ہوئے تھے۔

"شاہ ... کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں ... عالم ... سلیم کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"سلیم ... کیا نہیں ... ضروری ہے؟"

"نہیں بس ایسے ہی ... اٹھا لائیے ... شاہ عالم ... انہیں اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"سونے دیجئے ..."



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے کھوجکرکے کی وردات کھڑکی بند کرنے لگا تو گل رخ کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ میں اور شاہ عالم وہیں رک گئے تھے گل رخ ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ایک زرنگار کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ وہ عورت جسے شمسہ کے نام سے پکارا گیا تھا وہ سلیم کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ شاہ عالم خونخوار نگاہوں سے اطراف میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ اور جب اس نے چاروں طرف اطمینان پایا تو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ساتھ باہر جانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے بھی روک دیا اور کہنے لگا۔

"آپ یہاں کا خیال رکھیں میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا ہے شمسہ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے دوسری عورت کو آواز دی اور وہ عورت شانوں پر ایک شال ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں صرف گل رخ اور میں رہ گئے تھے یا پھر وہ بچہ جو گہری نیند سو رہا تھا۔ سات سال کا ایک خوبصورت سا بچہ جسے دیکھ کر بانہوں میں بھر لینے کو دل چاہے۔ ایسے حسین بچے بہت ہی کم ہوتے ہیں میں نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا گل رخ مجھے تک رہی تھی۔ پھر میری اس سے نگاہیں ملیں تو اس نے آنکھیں جھکا لیں اور آہستہ سے بولی۔

"کیسے ہو مسعود؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے نا؟" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا میں خاموش رہا۔ اصل تو ذہنی طور پر عمر کی اس منزل میں تھا جب وہاں گفتگو کرنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے میں تو ان مراحل سے کبھی کا گزر چکا تھا لیکن میری عجیب و غریب کیفیت تھی کہ از کم زندگی کے ابھی سال کم کر دیئے تھے شکل و صورت چہرہ جسامت سے میں اب بائیس اٹھائیس سال کا کوئی نوجوان نظر آنے لگا تھا۔

مجھے اپنی فطرت میں بھی نمایاں تبدیلی محسوس ہونے لگی تھیں اور یہ سب کچھ اسی کا مطلب تھا۔ عام حالات میں میری ان باتوں پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ تو میری نگاہوں کے سامنے تھا۔

"مجھ سے بات بھی نہیں کرو گے مسعود میرا کیا قصور تھا، بتاؤ تم جس طرح مجھے چھوڑ کر گئے تھے اس کے بعد میں کس کے سہارے جدوجہد کرتی کوئی علم تھا مجھے تمہارے بارے میں کہ کہاں گئے تھے تم مجھ سے۔" اس نے سوال کیا اور میں گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔

"اب ان باتوں کی ضرورت ہے گل رخ تم جو ایک مقدس ہستی ہو گئی ہو میں تمہارے بارے میں اب کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتا۔"

"ہاں تم میرے بارے میں کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتے لیکن میری زندگی کو برباد کر چکے ہو ذرا یہ کون ہے کہ تم یہاں کیوں آ گئے آخر تم جانتے تھے مسعود کہ میں شادی کی باتیں نہیں کرنا چاہتی تم میرے پہلے اور آخری چاہت تھے۔ میرے سامنے نہ آتے تو میں اپنی زندگی سکون سے گزار دیتی لیکن تم نے یہاں آ کے مجھے پھر سے بے سکون کر دیا ہے یہ بات ہو کہ میں ہوں آئے ہوئے مجھ سے ملنے کی کوشش بھی کی کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے دنیا کا خیال بھی تھا ورنہ خود تمہیں تلاش کرتی ہوئی تم تک پہنچ جاتی۔"

"گل رخ اب ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے بس رکھو کہ راز کو حقیقت برقرار رہے تمہاری زبان سے نکلا ہوا کوئی بھی لفظ تمہیں رسوائی کے گڑھوں میں دھکیل دے گا۔ اور ہمارے وہ دشمن جو سلیم کی جان لینا چاہتے ہیں موقع پاکر ہماری ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"مسعود، میں مانتی ہوں کہ میں ایسی باتیں کر رہی ہوں جو مجھے نہیں کرنا چاہئیں لیکن مجھے میری زندگی کے ان ماہ و سال کا حساب تو دے دو جو میں نے یہاں بیٹھ کر گزارے ہیں۔ شاہ جہانگیر مرحوم بہت اچھے انسان تھے انہوں نے میری دلجوئی کی مجھے کبھی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا۔ لیکن انہیں یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میرے اور تمہارے مابین کوئی ایسا سلسلہ چل رہا ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی ہمارے درمیان نہ آتے۔"

"ٹھیک ہے گل رخ لیکن قصور میرا بھی تو نہیں ہے۔ تمہارے خاندان کی عائد کردہ شرطیں اس قدر سخت تھیں میں اس ماحول میں سفر کرنا تاجہانگیر کی دولت کے بل بوتے پر بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں کیا تم اس وقت جرأت سے کام لے کر یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ تم شاہ جہانگیر سے نہیں بلکہ مسعود سے شادی کرنے کی خواہش مند ہو۔"

"میں نے کہا تھا میں نے ایک ایک سے چیخ چیخ کر کہا تھا لیکن کسی نے میری نہ سنی۔"



"تو اب بھی میرا قصور کیا ہے۔ مجھے جواب دو۔"

"تم چلے کیوں گئے تھے یہاں سے؟"

"تم نہیں سمجھو گی کہ میرے جانے کی وجہ کیا تھی اگر میں یہ سب برداشت میں تبدیل کر جاتا تو مجھے جانے کی نوبت نہ پڑتی اور وہ ایسے ہی میں بھی ایک عام انسان تھا اپنی خواہش رکھتا تھا لیکن خیر اب ان باتوں سے نفع نہیں ہے۔"

"ہاں جیسا بھی تھا اچھا ہی تھا۔" گل رخ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا پھر وہ چونک پڑی۔

"اور یہ وہ لوگ کہاں چلے گئے؟"

"کون۔ شاہ عالم اور شمسہ؟"

"ہاں۔"

"شمسہ کون ہے؟"

"شاہ عالم کی بیوی۔ بے چاری میرے پاس ہی رہتی ہے سلیم کی زندگی کی حفاظت کے لئے اس نے بھی خود کو وقف کر دیا ہے۔ وہ لوگ بڑے ہی معاون رہتے ہیں میرے ساتھ۔"

"تم نہیں جانتے مجھے کن حالات کا شکار ہونا پڑتا ہے۔"

"سلیم پر اس سے قبل حملے ہو چکے ہیں۔"

"بے شمار۔ کچھ لوگ اس معصوم کی جان لینے کے خواہاں ہیں ایک بار جب یہ میرے ساتھ باغ میں تھی خدا جانے کہاں سے سانپ نکل آیا وہ تو خیریت تھی کہ میں نے سانپ کو دیکھ لیا اور اس وقت میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر سانپ کو مار ڈالا۔ سانپ بے انتہا زہریلا تھا اس کی تصدیق بعد میں ہو گئی۔ اس کے بعد ایک روز میں سلیم کو سیر و تفریح کرانے لے جا رہی تھی کہ کار اچانک بری طرح بجلی کے ایک کھمبے سے ٹکرائی۔ ہمارے چوٹیں آئی تھیں لیکن زخم معمولی نوعیت کے تھے اور پھر ایک شام سلیم کے اوپر ایک وزنی پتھر آ گرا۔ ایک لمحہ ادھر ادھر ہو جاتا تو اس کا بدن کچل کر ختم ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بھی کئی بار سلیم پر اسی طرح کے حملے ہو چکے ہیں جو بظاہر اتفاقیہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی ہی ہوتی ہے کہ سلیم کی جان چلی جائے۔ تاکہ کھل کر اس پر حملہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس طرح کی کوششیں کر رہے ہیں کہ وہ معصوم جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔"

"تمہیں سلیم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟"

"کیا کہہ رہے ہو مسعود، وہ میری اولاد ہے میرا بچہ ہے لیکن دل کی ایک بات میں تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں۔"

"ہاں، ہاں کہو۔" میں نے پوچھا۔

"اس دولت کی کوئی فکر اس محل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے میری زندگی تو یہاں دو کوڑی کی ہے جو میری طلب تھی وہ آرزو تھا اس کے بعد تو زندگی صرف کھینچنے کی چیز ہے کوئی ملی سلیم کو اپنی خوشی سے لیا اور اب تو آزاد ہے اور آزادی سے زندگی بسر کر سکتی ہے میں کسی گوشے کو پا لیتی اور اپنی زندگی سکون سے گزار دیتی یقین کرو مجھے اب اس دنیا کی طلب نہیں میں اپنے لئے اب کچھ بھی حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے گل رخ لیکن تمہارا مطلب ہے تمہیں اس کی زندگی کے لئے سب کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جانتی ہوں لیکن میں خود مردہ کیفیت میں ہوں، اور مسعود میں مردہ ہوں۔" گل رخ کی سسکیاں ایک بار پھر ابھرنے لگیں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہے مجھ سے؟

بہر طور میں نے سمجھنے کی کوشش بھی کی تھوڑی دیر کے بعد شاہ عالم اندر آ گیا۔

"اب حالات بہتر ہیں میں نے چار آدمیوں کو اسی کمرے کے گرد تعینات کر دیا ہے سب خاص آدمی ہیں اور وہ جاگ کر بیگم کی حفاظت کریں گے۔ آؤ۔" میں شاہ عالم کے ساتھ باہر نکل آیا شاہ عالم آہستہ آہستہ چلتا ہوا میری خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"یہ عورت بلاوجہ نہیں ہے میں بڑے غور و خوض سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اکثر کبھی کبھی راتوں کو موسیقی کی آوازیں ابھرتی ہیں اور سفید پوش کو یہاں دیکھا جاتا ہے۔ ملازمین ڈر کر اپنے اپنے کمروں میں دبک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ بھی اس عورت سے خوفزدہ ہیں۔"

"کیا اس نے کوئی ایسی کارروائی کی جس سے کسی ملازم کو کوئی نقصان پہنچا ہو؟"

"ہاں، ایک مرتبہ دو ملازموں نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کے بدن سے گزرتے ہوئے چلے گئے۔ اس وقت سے یہ روایت بہت زیادہ ہولناک ہو گئی ہے اور اب کوئی ملازم اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے شاہ عالم۔ یہ بھوت کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"سو فیصدی۔ کوئی فراڈ۔ کوئی ایسی مصنوعی چیز جسے کسی



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خاص ذریعے سے محل میں گھمایا جاتا ہے۔ لیکن میں جاننا چاہتا ہوں بہت اچھی طرح جانتا ہوں یہ ان لوگوں کی ایک سازش ہے جب وہ اپنے اس طرح کے حملوں میں ناکام رہے تو انہوں نے جیوت کا یہ کھیل شروع کر دیا ہے تاکہ کسی خاص موقع پر سلیم کو کوئی حادثہ پیش آ جائے اور اس کا ذمہ دار اس جیوت کو قرار دیا جائے۔ جبکہ کسی جیوت کی کارکردگی پر کون کیا کر سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اسی قسم کی کوئی سازش ہے۔"

"تم نے خود کبھی اس کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی ہے؟"

"جی، میں توہم پرست نہیں ہوں لیکن میں حالات سے کسی حد تک متاثر رہتا ہوں۔ اب جب بھی مجھے موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں سلیم کی خیریت معلوم کرنے چلا جاتا ہوں۔ اس سے پہلے شاید اس بوجھ کو سنبھالتے ہوئے تھک [illegible] لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے مضبوط بازو [illegible] تھکے۔"

"خوب شاہ عالم! ایک بات مجھے مکمل کر بتاؤ؟"

"جی؟"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں جو سلیم کو ہلاک کرنے کے خواہش مند ہیں؟" میرے اس سوال پر شاہ عالم گردن جھکا کر خاموش ہو گیا پھر آہستہ سے بولا۔

"[illegible] مسعود صاحب [illegible] یہاں موجود تھے اور تنہا تھے۔ رانا سلیم کی حفاظت کر رہا تھا [illegible] تھی کہ رانا سلیم کو کسی ایسے [illegible] کا شکار ہونے دوں۔ اس سلسلے میں میں نے گل رخ بیگم سے کہا تھا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو رانا محل چھوڑ کر کہیں اور چلی جائیں۔ رانا محل کے اندر [illegible] خطرات میں گھری ہوئی ہیں انہیں کسی ایسی جگہ بھیج دیا جائے گا جہاں ان کے دشمن ان تک نہ پہنچ سکیں انہیں زندگی گزارنے کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں سارے انتظامات کر دوں گا۔ اور اس وقت تک انہیں روپوش رہنا پڑے گا جب تک کہ رانا سلیم جوان نہ ہو جائیں۔ لیکن گل رخ بیگم نے میری اس بات کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ تنہا یہ سب کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی اور میں جان ہتھیلی پر رکھ کر زندگی گزار رہا تھا۔ میں صرف ایک ملازم ہوں رانا صاحب میری [illegible] نہیں [illegible] کوشش کر سکوں۔"

"لیکن اشارہ تو دے سکتے ہو مجھے۔"

"نہیں رانا صاحب۔ یہ بھی بہت مشکل کی بات ہے۔ آپ کو اشارہ بھی نہیں دے سکتا۔ اس سے جواب میں آپ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے [illegible]"

[illegible] شخصیت ہو سکتی ہے جس کے اقدام میں [illegible] شاہ عالم تھا کہ آخر کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوگا جس پر شاہ عالم کو شبہ ہے وہ ذہین آدمی ہے۔ صرف کچھ معلوم لوگوں کا تصور ذہن میں [illegible] میں نہ ہوگا بلکہ اس نے کسی پوائنٹ پر غور بھی کیا ہوگا۔ سوچتے سوچتے دفعتاً میرے ذہن میں ایک سنسنی سی جاگی۔ رانا جبار۔ کیا شاہ عالم کو رانا جبار پر شبہ ہے اور پھر دفعتاً اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کا شاہ عالم کو احترام کرنا پڑتا ہو لیکن رانا جبار کیا شے ہے یہ بات بھی دیکھنا چاہیے وہ گوشہ نشین کیوں ہو گیا ہے۔ ایسی کون سی بات ہے؟ میں نے سوچا۔

خاصی رات گئے تک ہم دونوں جاگتے رہے اور [illegible] کے بعد کوئی آواز سنائی نہ دی مجھے نیند آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے شاہ عالم سے کہا۔

"کیا خیال ہے کیا ہم اب بھی جاگتے رہنا چاہیے؟"

"میرا خیال ہے اب آپ آرام سے سو جائیے۔ موسیقی کی آواز تھم چکی ہے اسے آج بھی ناکامی ہوئی ہے اس لئے وہ دوبارہ [illegible] اب آپ سو سکتے ہیں۔"

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ نیند ضرور آ رہی تھی لیکن ذہن میں بے شمار خیالات بھی تھے آخر یہ سب کیا ہے [illegible] کا یہ چکر کون ہے جو بے چارے معصوم سلیم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے میں نے اس بچے کی شکل دیکھی تھی اور مجھے اس پر بہت پیار آیا تھا۔ جانے کیوں میرے دل میں ایک خواہش جاگی۔ مجھے [illegible] اس کی حفاظت کرنا چاہئے۔ وہ ہلاک نہیں ہونا چاہئے۔ اسے زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔ بہرصورت یہ خیالات میرے ذہن میں آتے رہے اور پھر میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح جاگا۔ رانا محل کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر شاہ عالم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ شاہ عالم مجھے ایک نئی جائیداد کے بارے میں کچھ تفصیلات دے رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

"شاہ عالم۔ یہ تمام معلومات تم مجھے کیوں دے رہے ہو۔ آخر میرا ان سے کیا واسطہ؟"

"میری خواہش ہے رانا صاحب کہ آپ ایک [illegible] کی حیثیت



سے ساری ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ یہ بہادر شخص تنہا ہے جبکہ رانا جہانگیر کے بیٹے کو اس وقت تک تحفظ دیں جب تک وہ جوان ہو کر خود یہ تمام کاروبار سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائے۔"

"مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس بچے کا مستقبل شدید خطرے میں ہے۔"

"اس کی زندگی ہی خطرے میں ہے مستقبل کی بات آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"اس کی تعلیم وغیرہ کا کیا بندوبست ہوگا۔ اس کا کوئی معقول انتظام تو نہیں ہو سکتا [illegible] سات سال کا ہو چکا ہے۔"

"حالات ہی ایسے ہیں رانا صاحب۔ اب آپ ہی بتائیے کہ تعلیم وغیرہ کا سلسلہ کیسے شروع کیا جائے کون ہے جو اس کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرے گا۔ اپنے طور پر گل رخ بیگم اسے تعلیم دیتی ہیں۔ وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہے لیکن کسی اسکول یا کالج میں اسے نہیں داخل کرایا جا سکتا۔ چونکہ ہر جگہ اس کے تحفظ کے لئے وہ بندوبست نہیں ہو سکتا جو رانا محل میں موجود ہے۔ میں نے اپنے طور پر سلیم کے گرد حصار قائم کر رکھا ہے اور کوشش یہ کرتا ہوں کہ وہ ایک لمحے کے لئے اپنے محافظوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس کے باوجود اس پر اتنے حملے ہو چکے ہیں کہ اگر ایک بھی بار قدرت اس کی مدد نہ کرتی تو وہ اب تک موت کی آغوش میں جا سویا ہوتا۔ بس ایسے حالات میں اب آپ ہی بتائیے کہ ہم اسے اسکول یا کالج میں کیسے داخل کرا سکتے ہیں؟"

"تو کیا وہ جاہل رہے گا؟"

"ہاں اس حد تک جاہل رہے گا کہ اسے باقاعدہ کوئی ڈگری نہیں مل سکے گی لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کے پاس اتنی جائیدادیں ہیں کہ وہ ساری زندگی عیش و عشرت میں گزار سکتا ہے اس کے علاوہ گل رخ بیگم اسے جو تعلیم دے رہی ہیں وہ بھی نہایت مناسب ہے میں تو کسی ایسے استاد کے چکر میں بھی تھا جو اسے گھر پر تعلیم دے سکے لیکن پھر یہی خیال آ جاتا ہے کہ کہیں استاد اس کے دشمنوں سے مل نہ جائے اس طرح اسے باآسانی ہلاک کیا جا سکتا ہے۔"

"تم کب تک اس طرح اس کی حفاظت کرتے رہو گے، شاہ عالم؟"

"جب تک میرے دم میں دم ہے۔ ناگواروں کی توجہ ابھی اس طرف نہیں گئی ہے کہ شاہ عالم کو قتل کر دیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جس دن ان کے ذہن میں یہ بات آ گئی وہ سب سے پہلی کوشش یہی کریں گے کہ مجھے ہلاک کر دیں اور اب تو آپ بھی آ گئے ہیں۔ اوہ!" دفعتاً شاہ عالم چونک پڑا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"رانا صاحب ایک بات کہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"رانا صاحب آپ کی زندگی کو بھی یہاں خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ بھی وہ ہیں جو رانا جہانگیر کی جائیداد کے حصے دار ہو سکتے ہیں یعنی ان کے بھائی۔ اس حیثیت سے آپ کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوگا۔" میرے ذہن میں ایک لمحے کے لئے [illegible] سی پھوٹ پڑی۔ اگر اس محل میں میری زندگی خطرے میں ہے تو پھر [illegible] لیکن اسی وقت مجھے اپنی [illegible] کا خیال آ گیا جو ہزاروں آنکھوں سے میری حفاظت کرتی تھی اور ایک لمحے کے لئے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔

"ارے میری فکر نہ کرو تم شاہ عالم میں اپنے معاملات سے خود نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب اگر خطرات ہیں تو کیا حرج ہے میں نے ایک وفادار کی حیثیت سے آپ سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں۔"

"شاہ عالم میں آج رانا جبار سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ممکن نہیں ہے ویسے آپ کوشش کر دیکھیں۔"

"کیا کچھ لوگوں کا اس سلسلے میں تقرر کیا گیا ہے کہ وہ رانا جبار کی رہائش گاہ پر پہرہ دیں؟"

"ہاں دو ملازم رہتے ہیں اور رانا جبار نے انہیں ہدایت کی ہے کہ وہ اس طرف کسی کو نہ آنے دیں۔"

"کیا مجھے بھی اس سلسلے میں روکا جائے گا؟"

"میرا خیال ہے نہیں کیونکہ آپ ان کے بھائی ہیں آپ سے زیادہ قریبی آدمی اور کون ہو سکتا ہے [illegible] آج تک [illegible] نہیں آیا! چھوٹے رانا جبار کے بعد حیثیت رکھتا ہے لیکن یہ ملازم آپ کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے میں آج رانا جبار سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں تیار ہو کر چل پڑا۔ میں



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس شخصیت سے ملنا چاہتا تھا جو بے حد پُراسرار تھی۔ ہر چند کہ وہ میرا بھائی تھا لیکن ظاہر ہے دنیا کی نگاہوں میں عام لوگ تو یہی سمجھتے تھے اصل بات تو میں ہی جانتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اس حصے میں پہنچ گیا جہاں جانے کے لئے ایک راہداری سے گزرنا پڑتا تھا۔ راہداری کے موڑ پر دو ملازم کھڑے ہوئے تھے وہ مجھے دیکھ کر مؤدب انداز میں کھڑے ہو گئے میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے جھک کر مجھے سلام کیا تھا

"میں اندر جانا چاہتا ہوں۔"

"جناب۔ رانا صاحب سے پوچھے بغیر؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو مجھے کہ میں کون ہوں؟"

"جی ہاں جانتے ہیں لیکن یہی حکم ملا ہے کہ کوئی بھی ہو اسے اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ یہی دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو ہماری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اس کے باوجود میں رانا صاحب سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم میں سے ایک اندر جا کر رانا صاحب سے ملاقات کی اجازت لے آئے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے ایک ملازم سے پوچھا

"فضلو حضور۔"

"کب سے رانا محل میں کام کر رہے ہو؟"

"نو سال ہو گئے۔"

"اور تم؟" میں نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

"میرا نام شیخ جمال الدین ہے۔ صاحب اور میں سات سال سے یہاں نوکر ہوں۔"

"مالک کی وفاداری بہت اچھی چیز ہوتی ہے شیخ جمال اور فضلو لیکن اگر مالک کی جان خطرے میں ہو تو اصول بدلنے پڑتے ہیں، کیا خیال ہے؟"

"ہو سکتا ہے مالک!"

"تم جانتے ہو کہ میں رانا صاحب کا بھائی ہوں۔"

"جی سرکار۔"

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں طویل عرصے کے بعد واپس آیا ہوں۔"

"معلوم ہے سرکار۔"

"مجھے تو یہ معلوم تھا کہ میرے بھائی کے ساتھ یہ سلوک ہو چکا ہے۔ اگر میں یہاں ہوتا تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

"ہاں سرکار بڑے مالک مٹ گئے۔" فضلو بولا۔

"یہاں صرف تم دونوں کی ڈیوٹی ہی رہتی ہے یا ڈیوٹی بدلتی بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مالک بس ہم دونوں یہاں رہتے ہیں۔"

"خوب۔"

"کھانا وغیرہ بھی تم ہی دیتے ہو گے۔"

"جی سرکار۔"

"تم نے رانا صاحب کا چہرہ دیکھا ہے؟"

"نہیں مالک۔"

"کبھی نہیں دیکھا؟"

"نہیں مالک۔ بڑے سرکار کے سامنے جب ہم جاتے ہیں تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹ لیتے ہیں [illegible]۔"

"تم اس وقت موجود تھے یہاں جب بڑے سرکار کو یہ حادثہ پیش آیا؟"

"نہیں مالک۔ ہم تو بعد میں کام کرنے لگے تھے۔"

"ہوں۔ بڑے سرکار کبھی باہر نہیں نکلتے؟"

"کبھی نہیں مالک۔ کمرے سے ہی نہیں نکلتے بس چار دیواری ہی میں رہتے ہیں۔"

"کوئی اور بھی نہیں آتا یہاں؟"

"نہیں سرکار۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں اندر جا رہا ہوں تم کسی بات کی شکایت کرو۔" میں نے کہا اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ میں راہداری عبور کر کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ جب میں نے دوبارہ دستک دی تو کسی کی آواز مجھے دروازے کے نزدیک سنائی دی اور پھر کچھ بھرائی ہوئی آواز ابھری

"کون ہے؟ کیا بات ہے اس وقت کیوں آئے ہو؟"

"دروازہ کھولئے بھائی جان میں آپ کا بھائی رانا مسعود ہوں" میں نے کہا۔

میرے ان الفاظ پر تھوڑی دیر تک دوسری طرف خاموشی چھائی رہی پھر وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم کب آئے رانا مسعود؟"

"مجھے تو یہاں آئے ہوئے کئی دن ہو گئے لیکن بدنصیبی ہے



مجھے آپ سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔"

"اسے اپنی بدنصیبی نہ کہو مسعود، بلکہ یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں اس وقت بھی تم سے نہیں مل سکتا۔"

"نہیں رانا صاحب آپ کو مجھ سے ملنا ہی ہو گا۔"

"یہ کسی طور ممکن نہیں ہے مسعود، میں اب اس دنیا کو اپنی منحوس شکل نہیں دکھا سکتا۔"

"رانا صاحب میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ میں اس گھر کا ملازم نہیں ہوں آپ کا بھائی ہوں۔ میں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"مسعود ضد نہ کرو میں اب کسی سے نہیں مل سکتا۔"

"میں نے کہا نا آپ کو مجھ سے ملنا ہو گا۔"

"میں نہیں ملوں گا۔ کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔ میں کسی کو اپنی شکل دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔" رانا جبار کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"میں آپ کا بھائی ہوں۔ مجھے آپ کی شکل سے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے آپ کی شخصیت سے پیار ہے۔ مجھے آپ کے دل سے پیار ہے۔ میرا دل تڑپ رہا ہے آپ کو دیکھنے کے لئے۔ آپ مجھے بتائیں رانا صاحب اتنے عرصے کے بعد میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے۔"

"میں نے کہا نا میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"میں مسعود میں نے اپنے گناہوں کی سزا پائی ہے اور اب، اب میں صرف یہ سزا بھگتنے کے لئے زندہ ہوں جب تک کہ زندگی ہے۔"

"میں آپ کو نہیں مرنے دوں گا، آپ براہ کرم دروازہ کھولئے۔"

"یہ دروازہ کبھی نہیں کھلے گا رانا مسعود، آئندہ اس طرف آنے کی کوشش مت کرنا۔ میں نے تم سے جو کچھ کہہ دیا، وہ کہہ دیا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے رانا صاحب اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" اندر سے وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں مطلب بھی نہیں بتانا چاہتا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دئے۔ دوسری طرف کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ پھر میں واپس آ گیا اس وقت میں کوئی ضد یا جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آنے والے وقت میں میں اس سلسلے میں کوئی کارروائی ضرور کروں گا۔ مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

اس رات میں نے اپنی نادیدہ قوت سے رابطہ قائم کیا لیکن کتنی آوازیں دینے کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ یہ صورت حال میرے لئے تشویشناک تھی کیونکہ یہ طاقت ہمیشہ میرے ساتھ نہیں رہتی بلکہ کبھی کبھی مجھ سے دور بھی ہو جاتی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ بہر صورت اس رات پوری رات میں [illegible] شخصیت تھی، جس سے میں تھوڑی بہت گفتگو کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔ راحد میرے ساتھ آیا تھا وہ دو دن رہا تھا [illegible] کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ دوبارہ مجھ سے ملاقات کرے گا۔ میں یہاں کے معاملات کو سنبھال لوں اس کے بعد وہ میرے پاس پہنچے گا۔

چنانچہ وقت گزرتا رہا۔ اس دن میں نے بیگم کو باہر آتے ہوئے دیکھا۔ گل رخ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دونوں ماں بیٹی باہر آ رہے تھے۔ میں جلدی سے ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ گل رخ نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں میں ایک شکایت آمیز کیفیت پیدا ہو گئی۔ وہ مجھے دیکھتی رہ گئی تھی کچھ عجیب وارفتگی تھی اس کے انداز میں۔

قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ کیسے باہر آ گئیں گل رخ؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں میں انسان نہیں ہوں، کبھی کبھی ان دیواروں میں میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔ ایسے مکان میں، میں باہر نکل آتی ہوں؟"

"بیگم ملیں؟"

"ہاں سلیم، سلیم کی زندگی بھی میرے لئے ایک عجیب سی [illegible] گئی ہے خوف، ہراس [illegible] کچھ نہیں [illegible] محل میں۔ [illegible] میرے لئے یک زندان سے کم نہیں!"

"گل رخ خود کو سنبھالو، یوں سمجھو کہ اب تم اپنے بچے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی ہو۔"

"میں نے اپنی زندگی میں کون سا سکھ دیکھا ہے۔ شروع سے [illegible] میں نہیں جانتی کہ میرا [illegible] کب ختم ہو گا [illegible]؟"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن میں دولت کی قربانیاں بھی دیا چاہتی ہیں گل رخ جو کچھ ہو رہا اس کو اب دلی تو نہیں بدلا جاسکتا، انہیں اپنی اولاد کے لئے خود کو تم ٹھیک کر دینا چاہئے۔"

"کیسی آسانی سے بات کر رہے ہو تم خود کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔"

"مجھے کیا قربانی دینا چاہئے؟" میں نے سوال کیا۔ اور گل رخ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی اس وقت شاہ عالم ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔

"کوئی ضرورت ہے چھوٹی بیگم؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔ ہم یونہی سیر کرنے نکلے ہوں۔ سلیم گھبرا رہے تھے۔" گل رخ نے کہا۔

"سلیم میاں آپ نے آپ اپنے انکل سے تو مل لئے ہوں گے، انکل آپ کو بہت اچھی اچھی کہانیاں سنائیں گے آپ کو بہت سی چیزیں دیں گے۔"

سلیم نے اپنی معصوم سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے اس بچے پر بے اختیار پیار آگیا میں نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔

"چلو بیٹا بہت کچھ دیں گے ہم۔ ہم ہی ہیں گے۔ بتاؤ بیٹا تمہیں کیا چاہئے؟"

"انکل مجھے کھلونے چاہئیں، خوب صورت خوب صورت رنگین رنگین۔"

"کہاں ہے بھئی تم نے پہلے کیوں نہیں کہا۔ شاہ عالم سلیم کے لئے بہت سے کھلونے بازار میں مل سکتے ہوں خرید لاؤ۔"

"میں ابھی ہدایت کئے دیتا ہوں۔"

"اور سلیم میاں!"

"اور شاہ عالم بھی مجھے اچھے لگتے ہیں۔" سلیم نے جواب دیا۔

"شاہ عالم بھائی بھی اچھے ہیں۔"

"جی بہتر سلیم میاں جو حکم ہے وہ حاضر ہو جائے گا۔"

"انکل آپ ہمارے ساتھ فٹ بال کھیل سکتے ہیں؟"

"ارے بھئی کیوں نہیں۔ فٹ بال کھیلیں گے ہم۔" میں نے کہا۔ شاہ عالم عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا میں نے اس سے کہا کہ فٹ بال مہیا کی جائے اور تھوڑی دیر کے بعد فٹ بال مہیا کر دی گئی۔

میں سلیم کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا۔ میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جہاں سب چاروں طرف نگاہ رکھی جاسکے۔ شاہ عالم بھی سنجیدہ تھا شاید وہ بھی بڑی عجیب سی زندگی تھی۔ سلیم کی دہری کیفیت کی آغوش میں یا تو فٹ بال کے ساتھ کھیلتا رہا۔ بہت خوش نظر آرہا تھا معصوم بچہ۔ میں نے محبت بھری پیاری پیاری باتیں کیں گل رخ خاموش سے ایک جگہ بیٹھی رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سلیم کو لے کر اندر چلی گئی۔

شاہ عالم نے سکون کی گہری سانس لی تھی۔ پھر وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ نے بڑا خطرہ مول لیا تھا راناصاحب" اس نے کہا۔

"خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ میں ان حالات کو زیادہ آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں کبھی تو دیکھوں سلیم پر حملہ کرنے والے کون ہیں۔ تم یوں کرو میرے لئے پستول مہیا کر دو۔"

"پستول میں آپ کو پیش کروں گا جبکہ اس وقت بھی میرے پاس ایک چھوٹی آٹومیٹک موجود ہے یہ آپ رکھ لیں" اس نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اس سلیم کو اب آہستہ آہستہ باہر لانا ہوگا۔ ہمیں اس خوف و ہراس کی فضا سے نکلنا چاہئے۔ دیکھیں تو سہی وہ نادیدہ دشمن کون ہیں؟"

شاہ عالم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"سلیم میاں کے لئے کھلونے وغیرہ منگوانے کا بندوبست کر دیں۔ آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

"ہاں ضرور ضرور۔ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اس کے لئے مہیا کر دو۔ بے چارہ باپ کی قربت سے ہی محروم ہے اور ... اور ..."

"اور کیا؟" شاہ عالم نے کہا۔ میں نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے زندگی کی لطافتوں سے بھی۔"

"ہاں۔ اس بے چارے کی زندگی بہت تشنہ ہے" شاہ عالم نے کہا اور چلا گیا۔ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ دل نے یہ بتایا تھا کہ وہ ماں کی محبت سے بھی محروم ہے۔ گل رخ نے اسے وہ پیار نہیں دیا تھا جو ایک ماں اپنی اولاد کو دیتی ہے۔ نجانے کیوں وہ ماں کی ممتا سے محروم تھی۔ بس اس کی کیفیت سمجھ میں آتی تھی اور وہ شاید یہ کہ اس نے زندگی بھر جو وارث قبول نہیں کیا تھا۔ دل سے بھی اور ذہن سے بھی۔ جس کی وجہ سے وہ کھوئی رہتی تھی اس سے کوئی بھی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن اس



ہی بے چارے سلیم کا کیا قصور تھا۔ وہ تو جو کچھ بھی ہوا، دو سروں کی غلطیوں کا شکار ہو رہا تھا۔ بس اس معصوم زندگی میں اس نے دیکھا ہی کیا تھا مجھے اس بچے پر بے پناہ ترس آیا شاہ عالم نے سلیم کے طلب کردہ کھلونے وغیرہ لاکر میرے سامنے ڈھیر کر دیئے اور میں یہ سب لے کر سلیم کے پاس پہنچ گیا۔ اتنا خوش ہوا تھا وہ بچہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر جیسے اسے کائنات کی تمام دولت مل گئی ہو۔ گل رخ مسکراتی نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی میں نے اس سے نگاہیں ملائیں تو وہ ہنس پڑی۔

"کیوں، اس میں ہنسی کی کیا بات ہے!"

"میں دیکھتی ہوں کہ ہر دل والی مثل آپ پہ صادق آتی ہے بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک۔"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔"

"کچھ لوگوں کی خوشیاں کسی کو کس قدر عزیز ہوتی ہیں اور کچھ لوگ ساری زندگی اداسیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔"

"تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں گل رخ تم بہر طور میرے بھائی کی بیوی ہو۔"

"ہاں نہیں تھی۔ سالار وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بنائی گئی تھی یہ شادی مسلط کی گئی تھی۔"

"لیکن اب تو وہ سب کچھ ہو چکا ہے جو ہونا تھا اب ان باتوں سے کیا حاصل؟"

"ٹھیک ہے۔" گل رخ نے بے رخی سے کہا میں وہاں سے باہر نکل آیا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب مجھے کتنا وقت یہاں گزارنا چاہیے اپنے کمرے میں آکر ایک بار پھر میں نے اپنی نادیدہ قوت کو پکارا اور اس بار اس کی آواز مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کچھ الجھے ہوئے نظر آتے ہو؟"

"حالات سے تم واقف ہو۔ مجھے کب تک یہاں اس ناگوار ماحول میں زندگی بسر کرنا ہوگی؟"

"ایک مخصوص وقت تک جب تک میں چاہوں۔"

"لیکن تمہارا یہاں سے کیا مفاد وابستہ ہے؟"

"کیا۔ وقت آنے پر تمہیں بتادوں گی تم خواہ مخواہ الجھن میں کیوں پھنسے ہوئے ہو یہاں سب کچھ موجود ہے لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں تمہارا احترام کرتے ہیں بلکہ تم اگر چاہو تو یہ سب کچھ جو یہاں موجود ہے اس کے مالک بھی بن سکتے ہو واحد لاز تنہا مالک۔"

"وہ کیسے؟" میں نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"دیکھو بابر داد خان، زندگی عیش کرنے کی چیز ہے تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ پر بڑھاپا طاری کر لیا ہے آئینہ دیکھو میں نے تمہیں جو کچھ واپس کیا ہے اس سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتے تم۔ دولت کے شائق تو نظر آتے ہو لیکن دولت کے ساتھ جو اور لوازمات ہوتے ہیں ان سے منہ کیوں موڑتے ہو۔"

"اور لوازمات سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"عیش و عشرت، حسن و جمال، رقص و موسیقی یہ سب کچھ انسان کی زندگی میں اس طرح شامل ہیں کہ ان سے الگ نہیں رہا جاسکتا جوانی ایسی ہی چیز ہے اور وہ جوانی جو کھو کر واپس آجائے بہت سے زیادہ قیمتی محسوس ہوتی ہے۔"

"لیکن میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو تو ہو۔ ورنہ اسی بے لطفی کی زندگی گزارتے ایک بار پھر بوڑھے ہو جاؤ گے۔ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر جسمانی طور پر تو میں نے تمہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کا تم یا کوئی بھی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کسی سے پوچھو۔ کسی ایسے شخص سے پوچھو جو اپنی جوانی کھو چکا ہو اور اپنی جوانی میں اپنی آرزوئیں پوری نہ کر پایا ہو اگر اسے پھر سے جوانی مل جائے تو وہ کس طرح اس جوانی کو استعمال کرے گا کبھی تم نے اس سلسلے میں بھی سوچا ہے بابر داد خان۔"

"کیا کروں۔ ذہن اس طرف راغب نہیں ہوتا۔ دل نہیں لگتا۔"

"کیوں نہیں مانتا دل، آخر مجھے بتاؤ تو سہی، کیا تکلیف ہے تمہیں۔"

"کاش تم میرے حالات زندگی جان سکتیں۔"

"جانتی ہوں۔ ایک ایک بات جانتی ہوں تمہارے بارے میں مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے؟"

"اوہو۔ تو پھر تم میرے ان پیاروں کو بھی جانتی ہو گی جن کی مجھے آرزو ہے۔"

"میں نے کہا نا سب کچھ جانتی ہوں لیکن ابھی اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا وقت آنے پر تمہیں بہت کچھ بتاؤں گی میں۔"

"پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا۔"

"جب بھی آئے لیکن اس وقت تک تمہیں میرے احکامات پر چلنا ہوگا ورنہ اگر تم نے میرے احکامات سے انحراف کیا تو نقصان بھی اٹھا سکتے ہو۔ میں کسی کو کچھ نہیں دیتی لیکن اگر دیتی ہوں تو پھر یہ چاہتی ہوں کہ وہ میرے اس دینے کا احترام کرے تم ہو کیا چیز بابر داد خان جس انداز میں تم اس ملک میں داخل ہوئے ہو وہ یہاں کے قانون کے لئے بھی قابل اعتراض ہے میں چاہوں تو کوئی بھی لمحہ تمہیں زنداں میں پہنچا سکتا ہے میں اگر چاہوں تو تم اپاہج ہو سکتے ہو میں اگر چاہوں تو تمہارا بڑھاپا واپس آسکتا ہے لیکن یہ سب نہیں چاہتی میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے تمہیں اپنایا۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

"میں تیار ہوں۔"

"اور یہ بھی بتاؤ کہ تم اپنی مرضی سے کچھ چاہتے ہو یا میں تمہارے لیے جو راستہ چاہوں منتخب کروں۔"

"مطلب یہ جب مجھے تمہارے احکامات کی پابندی کرنا ہے تو پھر تم ہی میرے لیے صحیح راستوں کا انتخاب کرو گی۔"

"تو پھر جو کچھ میں کہوں کرتے رہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"تو اس سلسلے میں سب کچھ سوچنا چھوڑ دو۔ میں ہزار آنکھوں سے [illegible] تمہاری نگراں ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میری اس نادیدہ دوست نے ایک بار پھر مجھے مطمئن کر دیا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

"ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔ سو بار پوچھو۔ میں نے کب منع کیا ہے۔"

"کل رات کو تم یہاں نہیں تھیں۔"

"ہاں میری بھی مصروفیات ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں تم سے الگ ہو جاؤں۔"

"مگر ایسے لمحات میں اگر کسی الجھن میں پھنس جاؤں تو پھر...؟"

"تم اس کی پرواہ مت کرو، میری نگاہیں دور رہ کر بھی تمہاری [illegible] اس سلسلے میں کبھی پریشان ہونے کی ضرورت

[illegible]

خیال رکھوں اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔

ایک صاحب نے ماہر نفسیات سے اپنا مسئلہ بیان کیا: "میں پلنگ پر لیٹتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پلنگ کے نیچے کوئی ہے۔ میں تنگ آ کر نیچے جا لیٹتا ہوں مگر وہاں یہ خیال ستاتا ہے کہ کوئی اوپر ہے۔ اس کشمکش میں ساری رات نیند نہیں آتی۔"

"مسئلہ گمبھیر ہے۔" نفسیات داں بولا۔ "علاج میں دو مہینے اور چار ہزار روپے لگیں گے۔"

وہ صاحب گھر چلے گئے۔ پھر لوٹ کر نہیں آئے۔ چند دنوں بعد ماہر نفسیات نے انھیں ایک بازار میں گھومتے دیکھا۔ اس نے پوچھا: "آپ علاج کے لیے نہیں آئے؟" انھوں نے جواب دیا: "علاج میں نے کر لیا ہے۔"

"کیسے؟" نفسیات داں نے جاننا چاہا۔

"میں نے ایک بڑھئی کو بلا کے دس منٹ اور چالیس روپے میں پلنگ کے چاروں پائے کٹوا دیے۔"



[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پستول بھی سنبھالے باہر نکل آئے۔ یہ سب قالینوں میں چھپا کر چھپے ہوئے تھے۔

لیکن ابھی وہ جیب کے قریب پہنچے بھی نہ تھے کہ دفعتاً ٹھٹک گئے۔ پستول ان کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں معلق ہو گئے تھے۔ وہ بدحواس ہو کر پستول پکڑنے کے لیے لپکے لیکن پستول فضا میں تیر رہے تھے۔ جونہی کسی کا ہاتھ پستول کے قریب پہنچا پستول آگے بڑھ جاتا اور چند ہی لمحات کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ یہ خطرناک بدمعاش اچانک مضحکہ خیز ہو گئے تھے۔ سامنے کے سارے نقاب پوش بدحواسی میں پستول پکڑتے پھر رہے تھے۔ پھر میں نے ان کا پستول سنبھال لیا۔ اب میں ان میں سے ایک ایک کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔ "کیا فائدہ یہ سب کرانے سے مسعود۔۔۔؟"

"یہ آواز میری نادیدہ محسنہ کی تھی۔ میرا ہاتھ رک گیا۔"

"کون ہیں یہ سب۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ لیکن اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

بدحواس لوگ تھوڑی دیر تک تو پستول پکڑنے کے چکر میں ادھر سے ادھر بھاگتے رہے اور جب انہیں صورت حال کا احساس ہوا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے کوئی نہیں رکا تھا۔ چند لمحات کے بعد میدان صاف ہو گیا۔

سلیم اب بھی سہما ہوا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اوپر اٹھایا۔ بچے کو کچھ نہیں بتایا جا سکتا تھا۔ بچہ سیدھا ہو کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ سب کیا ہوا انکل۔۔۔؟"

"کچھ نہیں بیٹے۔ جیب کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔"

"اور وہ گولیاں۔۔۔"

"کون سی گولیاں۔۔۔؟"

"بھوت ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔"

"ارے۔ کون سے بھوت۔ دیکھو میاں کوئی بھوت نہیں تھے۔ گولیاں تو برس رہی تھیں۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم ٹائر تبدیل کریں۔" میں نے کہا اور اسے سہارا دے کر بچے کو اندر لیا۔ پھر میں نے جیب کا ٹائر تبدیل کیا اور اسے اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ میری نادیدہ محسنہ نے بروقت میری مدد کی تھی۔ اگر وہ مدد نہ کرتی تو اس وقت زندگی بچانا مشکل تھی۔ راستے میں سلیم نے معصومیت سے کہا۔

"جب ابھی تا ابھی انکل۔ ایک بھوت میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تم سے کس نے کہا۔۔۔؟"

"میں نے خود دیکھا ہے اسے۔"

"اوہ۔ وہم ہو گا تمہارا۔ بھوت خود انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ انسانوں کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے ہیں اور پھر تم تو خود ایک بہادر لڑکے ہو۔ بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

رات گئے ہم گھر پہنچے تو سب انتظار کر رہے تھے۔ خاص طور سے شاہ عالم ہمیں دیکھ کر کھل اٹھا۔

"خوب۔ بڑی دیر لگا دی ہے تم نے۔ میں بہت پریشان تھی۔"

"کیوں۔۔۔؟" میں نے سوال کیا۔

"بس یونہی کوئی بات ذہن میں بیٹھا ہوا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے۔۔۔" میں نے شاہ عالم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموش ہو گئی۔ سلیم کو اس کی بیوی لے گئی تو میں نے اس سے کہا۔

"تم لوگوں نے سلیم کو بہت خوف زدہ کر دیا ہے۔ یہ خوف اس کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔ لیکن یہ ضروری تھا مسعود صاحب۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"بچہ ہے۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی زندگی کو محفوظ بنا دیا ہے۔ کیا کرتا وہ ہر وقت باہر جانے کے لیے ضد کرتا تھا۔ باہر نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ مجبوراً اسے روکنے کے لیے اسے یہ بتانا پڑا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ اس سے ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔"

"ہاں یہی لگتا ہے جیسے سلیم کے دشمن آپ کی آمد سے خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ اس مسئلے کا کوئی حل نکلنا چاہیے مسعود۔ کب تک ہم اس طرح اس کی حفاظت کریں گے۔"

"بہت جلد حل نکل آئے گا۔ تم فکر نہ کرو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور شاہ عالم گردن ہلانے لگا۔

رات کو میں اپنے کمرے میں بیٹھا دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اپنی نادیدہ محسنہ بھی بار بار میرے ذہن میں آ رہی تھی۔ وہ اس عمارت سے کیا چاہتی ہے۔ اس نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ لیکن کچھ بھی ہے وہ اپنے قول کے مطابق میری نگرانی کرتی ہے۔ اس وقت بھی اگر اس کی بروقت مدد شامل نہ ہوتی تو میرے لیے ان دشمنوں پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔ کوئی بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

رات کے تقریباً بارہ بجے تھے۔ سلیم محل کے سارے دریچے



اور دروازے سنسان ہو چکی تھیں۔ باہر کی ساری آوازیں بند ہو چکی تھیں۔ میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ابھی اس کوشش میں کامیاب بھی نہیں ہو پایا تھا کہ دفعتاً مجھے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک محسوس ہوئی اور میں چونک پڑا۔

میں نے جلدی سے سرہانے رکھا پستول سنبھالا اور دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ "کون ہے۔۔۔؟" میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"دروازہ کھولو مسعود۔ جلدی دروازہ کھولو۔ میں گل رخ ہوں۔" باہر سے التجا آمیز سرگوشی سنائی دی۔ اور میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"خیریت گل رخ۔۔۔"

"ہاں۔"

"سلیم کہاں ہے۔۔۔؟"

"شہر کے پاس سو رہا ہے۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نے تیزی سے کچھ کہنے کی کوشش کی تو وہ جلدی سے بولی۔ "نہیں مسعود روشنی نہ کرو۔" اور میں رک گیا۔ وہ میرے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ خاموشی سے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"کوئی الجھن کوئی پریشانی۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں بہت بڑی الجھن۔ بہت بڑی پریشانی ہے۔"

"کیا بات ہے۔۔۔؟"

"میرے بارے میں غور نہیں کرو گے۔۔۔؟"

"اوہ۔ کیا غور کروں گل رخ۔۔۔؟"

"میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھا رہی مسعود۔ تمہیں دیکھ کر میری زندگی کی پیاس جاگ اٹھی ہے مسعود۔ بیتا ہوا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مسعود تم جانتے ہو میں اتنی بے باک کبھی نہیں تھی۔ تمہیں ضرور یاد ہو گا مسعود۔ کبھی انسان کیا کیا کر بیٹھتا ہے۔ بھول جاتا ہے اپنی انا اپنی خودداری کو۔ یکا یک اصل بن جاتا ہے۔ میری حیثیت گر چکی ہے کیونکہ میں ابھی بھولی ہوں تمہیں۔ تم قائل نہیں رہے۔ لیکن میری زندگی کچھ اور ہے۔"

"لیکن تم میرے بھائی کی بیوی ہو گل رخ۔"

"ہوں۔ نہیں تھی۔ تھی نہیں بنا دی گئی تھی کیونکہ۔۔۔ کیونکہ تم نے مجھے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔" گل رخ جذباتی لہجے میں بولی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے گل رخ۔"

"میں نہیں مانتی۔ میرے دل نے اب تک نہیں مانا۔"

"دنیا ملت چکی ہے گل رخ۔"

"میں جانتی ہوں مسعود۔ اب تم مجھے پیار نہیں کرتے۔ تمہارا رویہ وہ نہیں رہا۔"

"مجبوری ہے گل رخ۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے مسعود۔ اگر تم چاہو تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم۔ تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو۔"

"شادی۔۔۔؟"

"ہاں اگر چاہو تو۔۔۔ ورنہ چاہو تو ہزاروں دشواریاں ہیں۔ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہو گی۔ دولت ہے جائیداد ہے۔ سب کچھ ہے اور ہو سکتا ہے کہ خلاف جو کچھ ہو رہا وہ اس لیے ہو رہا ہے کہ وہ وارث ہے اگر اسے تمہارا سہارا مل جائے تو۔ تو اس کے دشمن ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

"لیکن گل رخ۔"

"میں تمہیں جانتی ہوں مسعود۔ ممکن ہے تمہیں یہ بات ناپسند آئی ہو۔ لیکن میں نے کبھی جہانگیر کو اپنا نہیں سمجھا۔ تم میرے سامنے نہیں تھے لیکن میں تمہیں یاد کرتی تھی اور اب۔ تمہارا حصول میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جائز یا ناجائز۔ یہ تم سوچتے رہو۔" وہ اٹھی اور تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے بند دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔

"باہر۔ یہ کیا حماقت ہے۔۔۔؟"

"اوہ۔ کیوں۔ کیا حماقت ہو گئی۔"

"پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ زندگی جو کچھ حاصل کرنے کا نام ہے تم نے اسے مایوس لوٹا دیا۔"

"او۔ شاید ذہنی طور پر میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"ذہن کو بدلو۔"

"کوشش کروں گا۔ اول تو میں ان واقعات میں ہی الجھا ہوا ہوں تم اس سلسلے میں میری مدد کیوں نہیں کرتیں۔"

"تھوڑا سا انتظار کر لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اور شمشو خود کو جلد ہی تمہارے ذہن کو بھی جوان دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ میرے مشن کے لیے بھی ضروری ہے۔"

"میں نے کہا نا کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔ اس کے بعد پھر کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔
دوسرا روز حسب معمول تھا۔ گیارہ بجے کے قریب واحد آگیا اس کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ "ہیلو رانا مسعود—!"
"ہیلو واحد۔"
"کیسی گزر رہی ہے؟"
"ٹھیک ہوں"
"واحد کے لیے کوئی خدمت—؟"
"کیا کر سکتے ہو—؟"
"یہ وہ انقلاب ہے۔ اسے سمجھا جاتا ہوں۔ چل ہی کھاؤں گا!"
واحد بولا۔
"کھل کر بات کرو واحد— میں نے اُلجھ کر کہا۔"
"آپ کو بھی کھلنا پڑے گا رانا صاحب۔"
"کیا مطلب—؟"
"آپ کو سیدھا ٹھیک ہوا میرا کام پر تھا رانا صاحب جس سے دوستی کا اندازہ آپ نے لگا لیا ہوگا۔"
"ہاں ظاہر ہے۔"
"سلیم کی زندگی کا سوال ہے۔ اس وقت تک اس کے خوف سا کچھ نہیں ہوتی رہے گی جب تک جائیداد کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ وہ جائیداد کا اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا کہ اس کا صحیح حق دار پیدا ہو جائے۔"
"صحیح حق دار کون ہے؟"
"آپ۔"
"میں کیا کر سکتا ہوں۔"
"شادی رانا صاحب۔ کل شام سے شادی۔ یہ جائیداد کوئی آبائی نہیں ہے بلکہ زہرہ بیگم کی اپنا پیدا کی ہوئی ہے اسی لیے اس کا حق دار یا تو سلیم یا اس کا باپ— وہ جو سلیم کا باپ ہو۔"
میں خاموشی سے واحد کی شکل دیکھ رہا تھا پھر میں نے کہا "میں رانا جبار کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"واحد خود واپس ہے۔"
"کیا مطلب—؟"
"میں دکھا سکتا ہوں۔"
"کیسے—؟"
"پہچان لو گے۔"
"میں نہیں سمجھا—؟"
"آج رات کو دس بجے پہنچ جانا۔ میں وہیں ملوں گا۔" واحد نے

کہا۔ میں بے حس محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا— رات تک اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ میں بے چینی سے دس بجے کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹھیک بجے میں چہروں کی فہرست چھپتا ہوا مغربی علاقے تک پہنچ گیا۔ واحد اس جگہ موجود تھا جہاں وہ دونوں پہرے دار ہوتے تھے۔
"واحد وہ کہاں گئے—؟"
"بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔"
"اب کیا کرنا ہے—؟"
"چلے جائیے۔ دستک دیجیے۔ جرأت سے کام لینا ہوگا اس وقت اندر کوئی نہیں ہوگا—!" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اور پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا میں نے دروازے کے پاس پہنچ کر دستک دی۔"
"آجاؤ— بھاری آواز سنائی دی۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ رانا جبار سامنے ہی بیٹھے تھے۔ اس وقت ان کا چہرہ بھی کپڑے میں نہیں چھپا تھا۔ جھلسا ہوا خوفناک سا چہرہ۔"
مجھے دیکھ کر وہ اُچھل کر کھڑے ہوگئے "تم—؟"
"ہاں بھائی صاحب— میں آپ کا بھائی ہوں۔"
"تم کیوں آئے یہاں—؟"
"آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔"
"تو دیکھ لو۔ اب میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کے سامنے آؤں دیکھ لیے تم— یا اب نیکی کی سزا بھگت رہا ہوں۔"
"جو ہونا تھا ہو چکا ہے بھائی صاحب۔ آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔"
"وہ بدبخت میری شکل بگاڑ کر چلی گئی۔ اب میں صرف موت کا انتظار کر رہا ہوں۔" خاموشی سے اس کونے میں سانسیں لے رہا ہوں موت کے انتظار میں۔ رانا جبار کی آواز اُبھری۔
"آپ کو علاج نہیں ہونا چاہیے۔ پورا خاندان ہے آپ کا۔"
"کیا منہ لے کر اس خاندان کے سامنے جاؤں گا۔ مسعود میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب لوگ موت کے بعد ہی میری شکل دیکھیں گے نہیں ہیں یہاں۔ تم نے مجھے دیکھ لیا۔ کیا اب تم گھر جا کر میں عام لوگوں کے سامنے آؤں۔"
"وہ سب آپ کے اپنے ہیں۔"
"ہیں۔ لیکن اب میں ان کا نہیں رہا۔ میں— میں خودکشی کرلوں گا لیکن کسی کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ میری شکل دیکھ کر چیخیں ماریں۔ مجھے یہیں مرنے دو۔"
"مجھے اس کے بعد کبھی مجبور مت کرنا۔ میں یہ [illegible] زندگی گزار رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ [illegible]



میں میں نے ایسا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اب مرحوم بھائی رانا جبار نے ترتیب دیا تھا۔ اس نے اس خاندان کی عزت ایک بار پھر حیثیت کو بلند کر دی تھی۔ مجھے چاہیے تھا کہ اس عزت میں اضافہ کرتا لیکن میں نے اسے داغدار بنانے کی کوشش کی اور مجھے ان تمام باتوں کا بخوبی احساس ہے۔ ہاں مجھے حق نہیں تھا کہ میں اس بدبخت عورت کو یہاں لا کر رکھتا۔ اس عیار کی نیت کہ شرافت لوگوں میں گزارہ کرسکے اس نے اس گھر کو گندگی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا اور جب میں نے اسے سرزنش کی تو اس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ مسعود میں اسے تلاش کرکے قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن [illegible] جب میں نے پہلی بار آئینہ دیکھا تو میں نے محسوس کرلیا کہ اب میں مردہ کا ہوں۔ اب مجھ میں دنیا کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہے۔ تم یقین کرو میں یہاں سے کہیں دور چلا جانا ایسی جگہ جہاں میرے اہل خاندان میری بو بھی نہ تلاش کرسکتے لیکن میں جانتا ہوں کہ یہاں جہاں سے میں گزروں گا [illegible] کا ایک انبار قیمتی لیتا چلا جاؤں گا مجھ میں انسانوں کے درمیان رہنے کی ہمت نہیں ہے اس لیے میں نے یہ اور تکلیف دہ محل میں اپنے آپ کو قید کرلیا ہے اس گوشے میں اب زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہوں اور میری تم سے درخواست ہے کہ مجھے یہاں پڑا رہنے دو۔ صرف اس دن یہاں سے نکالا جائے جب میری لاش [illegible] میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس شخص کے لہجے کی حالت کا کوئی پتہ نہیں چلتا تھا۔ پھر [illegible] کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے انتہائی افسوس ہے بھائی صاحب کہ میں آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو میں اس عورت کو تلاش کرنے کی کوشش کروں—؟"
"نہیں مسعود نہیں۔ میں ہمیشہ اس سلسلے میں [illegible] تم آج میرے سامنے آگئے ہو [illegible] لیکن آج کے بعد مجھ سے یہاں نہ آنا میری تم سے درخواست ہے مسعود۔ میری یہ درخواست ہے—"
"ٹھیک ہے بھائی جان اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔
تھوڑی دیر کے بعد میں رانا جبار کے کمرے سے نکل آیا میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ باہر واحد موجود تھا اور پُراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ وہ [illegible] کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔
"میں ابھی یہ چند لمحے کے بعد [illegible]

تمہارا کام بن گیا—؟
"ہاں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"کیا کیفیت پائی رانا جبار کی—؟"
"ان کا چہرہ تیزاب سے بُری طرح جھلس گیا ہے—"
"تم نے ان کی شکل دیکھی۔" واحد نے پوچھا۔
"ہاں بخوبی لیکن تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے کیا—؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں نہیں۔ میں پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ اس قدر بھیانک ہو چکے ہیں کہ اب دنیا کے سامنے نہیں آسکتے۔" واحد نے سوال کیا۔
"دنیا میں تو بہت سی بھیانک چیزیں ملتی ہیں واحد بہرطور آدمی کا سامنا۔" میں نے اس سے کہا اور واحد کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔ میں واحد کا راز بھی کھول لینا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ میرے سامنے بیٹھ گیا—
"واحد میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"
"کیا مطلب—؟"
"مطلب یہ کہ تم کون ہو اور ان سارے معاملات سے کیا دلچسپی رکھتے ہو—؟"
"میں تمہیں اپنے بارے میں بتانا ضرور پسند کروں گا [illegible] کہ میں بھی تمہارے خاندان کا پرانا واقف کار ہوں میرا معاملہ براہ راست تم لوگوں سے رہا ہے مجھے یقین ہے کہ تم مجھے نہیں جانتے ہو گے بچپن میں کبھی دیکھا ہو تو لیکن میں تمہاری پوری کہانی سے واقف ہوں اگر تم مجھے معاف کرو تو میں ذرا صاف گوئی سے کام لوں مجھے علم ہے کہ تم کل رات سے حقیقت [illegible] پاگلوں کی طرح۔ لیکن رانا خاندان کے بکھرے ہوئے [illegible] پر شاید تم اس بات کی حقیقت نہیں [illegible] اہل خانہ سے [illegible] تمہاری خیر [illegible] رانا خاندان کے بہترین افراد میں [illegible] اور اس نے [illegible] رانا خاندان کی ساکھ سنبھالی [illegible] عزت کے حصول [illegible] دوسری طبیعت کے آدمی [illegible] تم سے پیار کرتا تھا اور اپنے بڑے بھائی سے بھی [illegible] خاندان کی ساکھ [illegible] جب تم چلے گئے تو [illegible] بہت دکھ ہوا تھا [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رانا مسعود کو اگر رانا جہانگیر کو یہ بات معلوم ہوتی کہ تم بھی گل رخ کو چاہتے ہو اور اس کے حصول کی خواہش دل میں رکھتے ہو تو وہ بخوشی تمہارے لیے یہ قربانی دے دیتا لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔ تمہاری خودغرضی نہیں جانتا تھا [illegible] لے گئی لیکن رانا جبار تمہاری طرح خوددار نہیں تھے وہ اس دولت پر عیش کرتے رہے اور بے چارے رانا جہانگیر کو کبھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ دولت اس کی ہے اور اس کا بڑا بھائی کس طرح اسے برباد کر رہا ہے یہاں تک کہ رانا جہانگیر موت کی آغوش میں جا سویا اور رانا جبار کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ میں ابھی تک اس داستان میں کہیں شامل نہیں ہوں لیکن پس منظر میں ہمیشہ تم لوگوں سے منسلک رہا ہوں۔ دیکھو اور خاندان ہے جو تمہارا اپنا ہے اور تم لوگوں سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ میں اپنے آباؤ اجداد کی بات کر رہا ہوں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ درمیانی وقفے میں ہمارے تعلقات ٹوٹ گئے لیکن میں انہیں پھر سے استوار کرنا چاہتا ہوں۔" واحد نے جواب دیا۔

"بستی میں کیا کر رہے تھے۔؟"

"تفریح [illegible] اصل میں بہت سے ایسے مسائل تھے جن کا تعلق بستی سے ہے۔ یوں سمجھو کہ میں زندگی تو بستی ہی میں گزارتا ہوں لیکن [illegible] بستی سے ہٹ کر کچھ کام کرتا ہوں۔"

"ویسے مجھ کو لگا ہی تم بھی پُراسرار آدمی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں رانا مسعود، میں بہرطور تمہارا خیر خواہ ہوں ہاں، اس بات سے انکار نہیں کروں گا کہ اگر تمہارے تمام مسائل حل ہو گئے تو تم سے کچھ مانگوں گا اور۔ یوں سمجھو کہ میری وہ مانگ ہی میری ان کاوشوں کا محرک ہے۔"

"ایک اور الجھن میرے ذہن میں پیدا کر دی کہ تم ایسی چیز مانگو گے جو [illegible] ہو۔"

"مانگوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں ہو گی کہ تمہیں اسے دینے میں کوئی پریشانی ہو۔"

"ہوں، اچھا اب یہ بتاؤ کرنا کیا چاہیے۔؟"

"یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے رانا صاحب۔ تاہم جہاں تک اس کا جواب [illegible] میں دے سکتا ہوں لیکن دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"واحد، تم مجھے پہیلیاں نہ سناؤ [illegible] بہت [illegible] اس وقت میں کسی اچھے دوست کی مدد چاہتا ہوں [illegible] مخلص ہو [illegible] اپنا مخلص دوست [illegible] کر سکوں۔"

"سنیے رانا صاحب، بعض اوقات خلوص بھی ایک مصیبت بن جاتا ہے۔"

"کس کے لیے۔؟" میں نے سوال کیا۔

"مشورہ دینے والے کے لیے۔"

"اگر یہ بات ہے واحد، تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے مشورے کچھ بھی ہوں اور بے شک ان سے میرا اختلاف بھی ہو تو تمہارے خلوص پر شک نہیں کروں گا۔"

"رانا صاحب، بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں نباہ نہیں پائیں گے۔"

"کوشش کروں گا میرے دوست۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اگر آپ برداشت نہ کر سکے تو میری کیا حیثیت ہو گی میں اس بات کو سوچ رہا ہوں۔"

"اگر بات کوئی بہت ہی سخت ہوئی اور ایسی ہوئی جو میرے لیے ناقابل برداشت ہوئی تب بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کروں گا۔"

"اس کا مقصد ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہہ دوں۔"

"ہاں میرے دوست۔ تم سب کچھ کہہ سکتے ہو فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔"

"تو سنیے رانا صاحب، ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں یہ میں نہیں جانتا کہ رانا جہانگیر کی بیوہ کے ذہن میں آپ کے لیے کیا گنجائش تھی آپ ان کو چاہتے تھے آپ ان کو حاصل کرنے کے خواہش مند تھے تو کیا ان کے دل میں کیا تھی یہی آرزو پروان چڑھ رہی تھی کیا آپ مجھے اس کا جواب دیں گے۔؟"

"ہاں۔ اس وقت بھی بات تھی۔" میں نے اپنے الفاظ کو احتیاط سے استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب۔" واحد نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا میں آہستہ آہستہ اس کی فطرت سے واقف ہوتا چلا جا رہا تھا وہ جو کچھ نظر آتا تھا وہ نہیں تھا بلکہ اندر گہرائیوں میں بھی بہت کچھ تھا۔ بہرطور میں نے قدرے نیچے میں جواب دیا۔

"اب کیا کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے وہ شادی شدہ عورت ہے ہو سکتا ہے لیکن بیوگی کی زندگی گزار رہی ہے [illegible] کے ذہن کی گہرائیوں میں بھی کچھ اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"لیکن میں دو سرا [illegible] رانا صاحب جہاں آپ کو پوری ذہانت سے کام لینا ہے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"آپ، مسز جہانگیر کے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکیے یا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔"



"دین سے فائدہ۔" میں نے بغور واحد کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"دین سے کب نا ہیں ایک شکل ہے کہ آپ مانظل کو بچا سکتے ہیں۔" واحد نے کہا۔

"مگر کس طرح یہ بات تو بتاؤ۔"

"ٹھہریئے ایک منٹ۔" واحد نے کہا اور دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھا پھر اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکنے لگا میں اس کی ان حرکات کا دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے مطمئن انداز میں میرے پاس آ بیٹھا۔

"آپ کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو کوئی سلیم کو قتل کرنے کا خواہش مند ہے اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ رانا فیملی کی دولت پر اپنا قبضہ جما لے سلیم اس دولت کا جائز اور واحد وارث ہے کسی کو سلیم کے علاوہ دوسرا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس دولت کو اپنے تصرف میں لائے کیا آپ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی انہیں لوگوں میں شمار ہیں کہ اگر آپ رانا فیملی سے کچھ حاصل کرنا چاہیں تو قانونی طور پر نہیں حاصل کر سکتے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں آپ۔؟"

"یہی کہ یہ دولت رانا جہانگیر کی اپنی ملکیت ہے اس نے اپنے بازوؤں سے یہ سب کچھ کمایا ہے اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرے۔"

"ویری گڈ۔ یہی میں کہنا چاہتا تھا اور یہی وہ نکتہ ہے رانا صاحب جو بہت سے رازوں کا افشا کرتا تھا یعنی اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ سلیم کو قتل کرنے کی کوشش کرنے والا رانا فیملی کی دولت کے حصول کا خواہش مند ہے۔"

"لیکن وہ کون ہو سکتا ہے۔؟"

"کوئی بھی ہو۔ دولت کا لالچ ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے میں اس سلسلے میں کسی کا نام نہیں لوں گا لیکن جو کوئی بھی ہے ہم اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کس طرح۔؟"

"رانا سلیم کے تحفظ کے لیے اگر ہم حویلی میں کسی کو ہلاک بھی کر دیں تو یہ کوئی بات اصولی طور پر غلط نہیں ہو گی اور یہاں کے معاملات کی اطلاع پولیس کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"

"کیا مطلب۔ یہ انکشاف میرے لیے نیا تھا۔"

"جی ہاں۔ پولیس اس قضیے میں ملوث ہو چکی ہے کئی بار پولیس کے محکمے کے بہت سے افراد یہاں آ کر راتیں گزار چکے ہیں۔"

راتیں گزار چکے ہیں؟۔ لیکن کمال کی بات ہے مجھے اس سلسلے میں کبھی اطلاع نہیں ملی۔"

"بات خاص پرانی ہے اتنی پرانی کہ اب لوگوں کے ذہن میں بھی نہیں رہی ہے اس لیے آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہو گا۔"

"لیکن یہ بات تمہارے علم میں ہے۔"

"ہاں میں نے عرض کیا ناکہ باقاعدہ اس کی رپورٹ موجود ہے پولیس آفیسران یہاں کے چکر بھی لگا چکے ہیں اور یہاں کے لوگ ان سے اس قدر بددل ہو چکے تھے کہ اس کے بعد انہوں نے محل میں ہونے والے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا مناسب نہیں سمجھی کیونکہ پولیس اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے چلو مان لیا کہ پولیس کے کانوں میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے تو پھر۔؟" میں نے سوال کیا۔

"تو پھر یہ کہ کیوں نہ اس بھوت کا شکار کر لیا جائے۔"

"بھوت کا شکار۔" میں نے تعجب خیز نگاہوں سے واحد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ وہ بھوت جو رانا سلیم کی تاک میں ہے اور یقیناً کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے چوک ہو ہی جائے گی اور رانا سلیم قتل کر دیا جائے گا۔" واحد نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا تب واحد بولا۔

"اور اس سے قبل کہ رانا سلیم کے خلاف یہ سازش کامیاب ہو جائے ہمیں اس بھوت کو ہلاک کر دینا چاہیے۔"

"لیکن لیکن، تمہارے خیال میں وہ بھوت کون ہو سکتا ہے۔"

"میں نے عرض کیا ناکہ اس سلسلے میں، میں اتنی بڑی حیثیت نہیں رکھتا کہ حقیقتوں کو سمجھ پاؤں لیکن رانا سلیم کا کوئی بھی دشمن اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس محل میں رہے اور زندہ رہے۔"

"ہوں۔ کیا اس بھوت کو شکار کرنا اتنا ہی آسان کام ہو گا۔ کیا اس سے پہلے اس کی کوشش نہیں کی جا سکی۔"

"نہیں اس کو ہلاک کرنے کی ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی اگر کبھی اس کے خلاف۔ کوئی خفیہ کارروائی کی بھی گئی تو اس کی اطلاع اس بھوت کو ہو گئی اور وہ جلتوں نظر نہیں آیا آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ آپ کے آنے کے بعد وہ شاید ہی کبھی نظر آیا ہو۔"

"ہوں۔ لیکن واحد ہم اسے ہلاک کیسے کریں گے۔؟"

"اس سلسلے میں بھی واحد کی خدمات حاضر ہیں بشرطیکہ آپ اس کا بیڑہ اٹھائیں۔"

"میں تم سے اس موضوع پر ذرا ایک دو دن کے بعد بات



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کردوں گا واحد۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ہم کوشش کریں گے کہ سلیم کو اس مصیبت سے نجات دلائی جاسکے پھر مسعود بھوت کو ہلاک کرنے کے بعد کیا ہوگا۔؟"

"ایک دوسری صورت بھی ہے میں آپ کو پیش کرنا چاہتا تھا رانا مسعود۔" واحد بولا۔

"وہ کیا۔؟"

"مجھے اندیشہ ہے کہ رانا مسعود اپنی فراخدلی سے کام لے کر کسی بات کا برا نہیں مانیں گے رانا صاحب سلیم کے تحفظ کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ صرف ایک بھوت کو ہلاک کر دیا جائے ایسے ایسے ہزاروں بھوت رانا محل میں پیدا ہو سکتے ہیں دولت بڑی خراب شے ہے انسان اس کے چکر میں پھنس کر ایسی مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے کہ ان سے نکلنا اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے لیکن اگر سلیم کی زندگی آپ کو عزیز ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ رانا جہانگیر کی نسل و نشان باقی رہے تو پھر آپ کو ایک اور کوشش کرنا ہوگی رانا مسعود۔"

"کیسی کوشش۔؟" میں نے سوال کیا۔

"گل رخ کو اس کا ماضی یاد دلانے کی کوشش اسے ماضی میں واپس لانے کی کوشش۔ یہ کوشش کہ وہ آپ سے دوبارہ شادی پر رضامند ہو جائے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو واحد؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا حالانکہ یہ بات جتنی آسان تھی واحد نہیں جانتا تھا میری ایک معمولی سی کوشش گل رخ کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تھی وہ تو اس بات کا اظہار کر ہی چکی تھی لیکن ظاہر ہے میں کسی دوسرے کو اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے رانا مسعود کہ آپ دشمنوں کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں ان کے ارادوں پر پانی پھیر دیں رانا جہانگیر کی دولت اس کی بیوی کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے بیٹے کی ہے آپ رانا سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیں گے دولت کے مشترک مالک آپ ہوں گے کم از کم اس وقت تک جب تک رانا سلیم جوان نہیں ہو جاتا اور پھر جوانی ہی سے کیا ہے ظاہر ہے کہ گل رخ آپ کی بیوی ہوگی اس کی دولت آپ کی دولت ہوگی اس طرح رانا مسعود صاحب سارے لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور آپ اس دولت کے واحد مالک ہوں گے آپ اس دولت کا ذرا تصور کریں رانا صاحب یہ کسی طرح اس دولت سے کم نہیں ہے جو کبھی آپ کے خاندان میں تھی۔ آپ کتنے ہی بڑے جوہری ہوں کتنا ہی کاروبار ہو۔ لیکن اتنی دولت آپ کے لیے حاصل کرنا مشکل کام ہوگا۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔"

"بس واحد کو یہی کہنا تھا اب مجھے اجازت دیجیے۔"

"پھر کبھی ملاقات کرو گے واحد۔؟"

"آپ کے حکم کا منتظر ہوں گا جب آپ حکم دیں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تمہارا کوئی فون نمبر وغیرہ۔؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ آپ نوٹ کر لیجیے۔" واحد نے کہا اور میں نے اس کا فون نمبر ذہن نشین کر لیا تھا

"اس فون پر ہمیشہ ملتے ہو۔؟"

"ہاں ملوں گا۔ اس وقت تک جب تک آپ دوبارہ طلب نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں فون کے ذریعے مطلع کر دوں گا"

"فون پر نہیں۔ فون کو ٹیپ بھی کیا جا سکتا ہے۔۔ آپ فون کر کے صرف مجھے طلب کر لیں ہمارے اور آپ کے درمیان جو گفتگو بھی ہوگی آمنے سامنے بیٹھ کر ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" واحد اپنی جگہ سے اٹھ گیا اس کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ میں گل رخ سے شادی کر کے اس محل میں بیٹھ جاؤں میری نادیدہ دشمنہ نا جانے کیا چاہتی تھی ابھی تک تو اس نے اپنے کسی ارادے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بڑی عجیب، عجیب کیفیت تھی واحد بھی مجھ سے کچھ چاہتا تھا اور میری دوست بھی مجھ سے کچھ چاہتی تھی لیکن یہ کچھ میری سمجھ سے باہر تھی۔ کیا کرنا چاہیے؟

جتنا سوچتا اتنا ہی میرے ذہن میں الجھتا چلا جا رہا تھا میں یہ سب کچھ تو نہیں چاہتا تھا میں تو زندگی کا ایک طویل سفر طے کر کے ایک مخصوص مقصد تک پہنچ چکا تھا اس کے بعد تو جتنی زندگی باقی رہ گئی تھی اسے سکون سے گزارنے کا خواہشمند تھا۔

کہاں سے کہانی شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی تھی سلمان پراسرار شخصیت کا مالک اگر اپنے آبائی دشمن سے انتقام لے لیتا تو یقیناً پھر واپس آ جاتا اور باقی زندگی یہیں گزار دیتا۔ لیکن حالات میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی تھی کہ ساری صورت حال بگڑ کر رہ گئی تھی سلمان اب اس دنیا میں نہیں تھا کیا کیا جا سکتا ہے یا پھر بھی ممکن ہے کہ جس طرح میں بچ گیا تھا وہ بھی بچ گیا ہو۔ ما کلندوگا وہ پراسرار شخصیت پراسرار ذہن اور بڑا ہی ... میرے ذہن میں اگر کچھ اس معاملے میں چلا جاتا تو پھر اپنا خاندان بھی یاد آتا تھا۔ جو پھر ہندوستان میں کہیں چھپ گیا تھا ان لوگوں میں سے کوئی موجود ہوگا یا نہیں لیکن کیا کیا جا سکتا



ہی حالات اگر اجازت دیتے تو میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

لیکن... لیکن یہ میری ذہنی کیفیت اب ایسی ہے کہ میں اپنے آپ سے ہی خواب ... میں تو ایک ایسے غریب شخص کا مالک بن گیا تھا زندگی سے ایک طویل سفر کے بعد پھر اسی منزل پر لوٹ آنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن آج بے گناہ تھا میرے باپ کا خون گواہ ہے میرے دل کی انگلیاں ... جہاں سے چلا تھا واپس وہیں اب آگیا تھا اور میرے لئے ناقابل یقین ... دوسروں کے لئے ناقابل یقین تھی میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہی ہزار داد خان میرا باپ ہے ایک طویل عرصہ قبل یہاں سے گیا تھا آخر وقت کچھ نہ کچھ تو ٹوٹا لیکن مجھے وقت نے واپس ڈھال دیا گیا تھا سب کچھ میرے لئے برا نہیں تھا اگر کبھی اپنے اندر کا جائزہ لیتا تو محسوس ہوتا کہ زندگی بڑی عجیب سی چیز ہے۔

جوانی واپس آجانے سے جتنی مسرت ہوئی تھی میرے عمر گی سے بھی اس کا احساس نہیں تھا کون بوڑھا ہونا چاہتا ہے کون مرنا چاہتا ہے حالانکہ ہر شخص انسان کو تبدیل کرتی ہوتی ہیں اب ان تمام حقیقتوں کو قبول کر لیتا بلکہ کر لیا تھا لیکن اب جبکہ کچھ واپس مل گیا تھا تو ملال نہیں پایا تھا کہ اس کو ٹھکرا دیا جائے ہاں ذرا صبر سے مزید ہوتی تھی

اور اب یہ سب کچھ میری اسی محسنہ کا عطیہ تھا میں اسے کیسے نظر انداز کر سکتا تھا اس کے معاملات پر چل کر ہی تو میں زندگی کے بہتر راستے تلاش کر سکتا تھا۔ ہاں وہ زندگی چاہتا تھا ابھی دنیا میں مزید گزارنے کا خواہشمند تھا۔

میری محسنہ نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی تھی اس نے مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی خواہ میں اخلاقی حدود سے گزر جاؤں خواہ کچھ بھی کر ڈالوں۔

لیکن میری اپنی فطرت ذرا مختلف تھی میں تھوڑا سا انسانی حدود میں رہنا بھی چاہتا تھا جیسے ہی اس کی پابندی کی تھی میں نے لیکن اب۔ اب کیا کرنا چاہیے گل رخ کو میں وہ دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اول تو میں رانا مسعود نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو یہ سب کچھ میرے بس کی بات نہیں تھی

بہر طور مجھے اس نے جو مشورہ دیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ میں وہ سب کچھ اسی انداز میں کر لیتا بس بہت کچھ

لیکن اس سے قبل میں تھوڑی سی گفتگو شاہ عالم سے کر لینا چاہتا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں نے شاہ عالم کو طلب کیا اور اسے لے کر ایک تنہا گوشے میں پہنچ گیا۔

"شاہ عالم! اب آپ کے بارے میں تمہارے خیالات جاننے کا مشتاق ہوں۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں رانا مسعود میں تو آپ کے خادموں میں سے ایک ہوں۔"

"اب بتاؤ، رانا سلیم کی زندگی کے تحفظ کے لئے قانون سے درخواست کی گئی تھی۔"

"ہاں یہ خاصی پرانی بات ہے۔ جب شاید رانا سلیم پر دوسرا حملہ ہوا تھا میں نے خود پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی اس پر توجہ بھی دی گئی تھی تین چار ہفتے تک پولیس کے سپاہی حفاظت کرنے میں مصروف رہے تھے خود پولیس انسپکٹر بھی بار بار چکر لگاتے رہے لیکن وہ بھوت نظر نہیں آیا اس کے بعد تفتیش ہے وہ لوگ کافی عرصے تک کوشش کرتے رہے اور پھر کسی حد تک جھنجھلا گئے انہوں نے کہا یہ سب بار بار وہم ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کے بعد بھی پولیس والے کئی بار یہاں آئے لیکن بھوت کبھی اس وقت نظر نہیں آیا جب پولیس کوٹھی میں موجود ہوتی تھی بنا کچھ ثبوت حاصل نہ کر سکے اور اس کے بعد خود ہی شرمندہ ہو کر بیٹھ گئے۔"

"ہوں۔ مگر یہ رپورٹ پولیس میں موجود ہے کہ رانا سلیم کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے؟"

"ہاں۔ پولیس نے یہ فائل بند کر دی ہے پولیس کی نظر میں یہ سب کچھ بار بار وہم ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اور جو حادثے ہوئے۔ رانا پر ان کی اطلاع پولیس کو دی گئی؟"

"نہیں۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اس کے بعد اس کی گنجائش ہی نہ رہی۔" شاہ عالم نے جواب دیا۔

"ہوں۔ تم لوگوں نے کبھی اس بھوت کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کی کوشش کی؟"

میں نے سوال کیا۔

"نہیں صاحب۔ یہاں اس کوٹھی میں کوئی بھی اتنا دلیر نہیں ہے یہاں تک کہ میں بھی نہیں ہم لوگ سب خوفزدہ ہیں



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے سامنے تو معصوم نظر آتا ہے لیکن جب کبھی نظر آتا تھا ملازموں کی بہت [illegible] ہو جاتی تھی کسی کی مجال تھی کہ اس پر [illegible] اسے [illegible] کی کوشش کرے۔

"ہوں، ٹھیک ہے شاہ عالم [illegible] بات [illegible] جائے تو نہیں [illegible] فرض تو نہیں ہوتا؟"

"مجھے اعتراض؟" شاہ عالم نے تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے تم نے [illegible] بہت خدمت کی ہے [illegible] جتنا [illegible] زمانے سے تمہاری [illegible] ہے اس لئے تم ایک [illegible] ہو۔"

"ٹھیک ہے رانا صاحب، لیکن اب جبکہ آپ آگئے ہیں تو میں [illegible] آپ کو بہت سی [illegible] محسوس کر رہا ہوں مجھے تو آپ [illegible] جائیے۔"

"ہوں۔"

"ویسے [illegible] نہیں۔"

"شمشہ کون؟"

"میری بیوی کا نام ہے۔"

"اوہ [illegible] کیا آپ [illegible]"

"رانا صاحب [illegible] نہیں [illegible] لیکن مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں آپ کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں میں اگر آپ سے [illegible] تو مناسب نہ ہوگا۔"

"کہو تو [illegible] کیا چاہتے ہو؟"

[illegible] رانا صاحب [illegible] واحد صورت ہے [illegible] اور [illegible] کے سامنے [illegible] احساس نہ ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے [illegible]" [illegible] ہوا۔

"بہت بہت شکریہ رانا صاحب، لیکن [illegible] حالات [illegible] ہو سکتے ہیں۔"

"اور [illegible]" [illegible] دیا۔

"بے شک، لیکن [illegible] بات [illegible] دنیا میں [illegible] ہوتا نہیں آیا رانا صاحب، یہ سب کچھ تو [illegible] ایسا ہوتا ہے اس طرح [illegible] حل ہو جائیں گے تب [illegible] کا [illegible] ہے۔"

"وہ تمہیں اس کا [illegible] ہے شاہ عالم [illegible] میرے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"کیا کہیں گے؟" شاہ عالم نے کہا۔

"یہی کہ میں اپنے [illegible] شادی کر لی۔"

"نہیں رانا صاحب [illegible] یہ سب [illegible] ہے جو مناسب سمجھیں گے۔" شاہ عالم نے جواب دیا۔

[illegible] شاہ عالم [illegible] سوچنے کا [illegible] فیصلہ کن [illegible] بات نہیں کہہ سکے۔

[illegible] ایک خادم کی حیثیت سے [illegible] آپ کے سامنے رکھی ہے اس تجویز کے [illegible] آپ بھی خوب جانتے ہوں گے فیصلہ کرنا تو آپ ہی کا کام ہے۔

رانا صاحب میں تو اس سلسلے میں آپ سے درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ اس طرح [illegible] معاملات [illegible] اور بہت سی [illegible] آپ جس طرح مناسب سمجھیں کریں۔"

شاہ عالم کا [illegible] تھا۔

[illegible] دلچسپ [illegible] اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ابھی [illegible] اس سلسلے میں آخری فیصلہ نہ کر سکوں۔

[illegible] کوشش کی وہ میری [illegible] محسوس کر سکتا تھا اس کا [illegible] مجھے پہلے اس کا احساس [illegible] تھا۔

"کچھ [illegible] آواز کانوں میں ابھری [illegible]"

"نہیں [illegible] جواب دیا [illegible]"

[illegible] کہا۔

[illegible]



محسوس کر سکتا تھا اس کا [illegible] مجھے پہلے اس کا احساس [illegible] تھا۔

"کچھ [illegible] آواز کانوں میں ابھری [illegible]"

"نہیں [illegible]" اس نے جواب دیا [illegible]

[illegible]

[illegible] اس [illegible] ایک [illegible] ہوا [illegible]

"بہت [illegible] شادی کر [illegible]"

"[illegible] سوالی [illegible] شادی [illegible] زندگی [illegible]"

[illegible] زندگی [illegible]

[illegible] تمہارے [illegible] زندگی [illegible]

[illegible] اپنی زندگی [illegible] تمہارے [illegible]

[illegible] میری طرف سے تمہیں [illegible] سے [illegible]

○

رات کے [illegible] 2 بجے [illegible] چاروں طرف [illegible] چھائی ہوئی تھی۔ آج پچھلی رات تھی [illegible] میرے ساتھ [illegible] کے پاس بیٹھا [illegible] چاندنی [illegible] تھا۔

[illegible] شام ہی بادل چھا گئے تھے لیکن بادل [illegible] نہیں تھے۔ [illegible] ماحول میں [illegible] محسوس کیا جا سکتا تھا۔ رات کو یہ بادل چھٹ گئے اور آسمان صاف ہو گیا۔

لیکن چاند نہیں نکلا تھا۔ ستاروں کی چھاؤں میں چاروں طرف خاموشی کے ساتھ ایک [illegible] سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اور یہ رات شاید ہماری کامیابی کی رات تھی کہ [illegible] کے نزدیک پہلی بار میں نے اس عظیم سائے کی حرکت محسوس کی تھی۔

"ذرا [illegible]" میری آواز اچانک ابھری اور وہ جو شاید بیٹھے بیٹھے ہی اونگھ گیا تھا۔ اچانک اچھل پڑا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ دیکھو [illegible]"

"کیا ہے؟" وہ کھڑا ہو گیا۔

[illegible]

[illegible] اور [illegible] نگار بھی تھی۔ [illegible] اپنی ماں کے [illegible] پسند نہیں تھے۔ دوسری طرف [illegible] ماں بھی [illegible] اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ ایک دن ماں اور بیٹے میں [illegible] گفتگو ہو رہی تھی [illegible] مخالفت کرنے لگی [illegible] ہو گیا۔ "ماں" [illegible] کہا [illegible] کا نام و نشان نہیں رہے گا [illegible] کتاب اس وقت بھی موجود ہوگی۔"

[illegible] نے جواب دیا "تمہاری کتاب کا پہلا ایڈیشن کبھی ختم نہیں ہوگا۔"

[illegible] نے گھر آتے ہوئے [illegible] کو اپنا مجسمہ دکھایا۔ [illegible] مجسمہ [illegible] بنا کر رکھا تھا [illegible] مجسمے کا [illegible] تعریف کر چکے تو [illegible] کہا "اس مجسمے [illegible] کمال [illegible]"

[illegible]

ڈاکٹر سیموئیل جانسن نے اٹھارویں صدی عیسوی میں انگریزی کی [illegible] مرتب کی تھی۔ اس کارنامے کے بعد ایک خوش [illegible] ادیبوں کی ایک محفل میں [illegible] ایک [illegible] خاتون نے دیکھتے [illegible] جانسن کی آنکھوں کے سامنے [illegible] تم نے اپنی ڈکشنری میں فحش الفاظ بھی درج کیے ہیں؟"

"اوہ" ڈاکٹر جانسن نے متانت سے جواب دیا "گویا آپ نے وہی الفاظ تلاش کیے ہیں؟"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible] — میں نے
ڈگمگاتے ایک مت اشارہ کیا
"نہیں — وہ یہ نہیں ہے۔ [illegible]
کر پوچھو وہی ہے؟"
"وہی ہے۔"
"وہ رفیق ہی — شاید [illegible] نہیں ہوگی [illegible]
تک اس کا اعلان ہو جائے۔"
"آؤ" — میں نے کہا اور وہ عجیب سا ہنستے ہوئے چل پڑا۔
راستے میں اس نے کہا
"وہ خیال ہے جلدی کی ضرورت ہے رانا صاحب۔ [illegible]
وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ہمارے [illegible] نہیں بیٹھ سکے۔"
"کیوں؟"
"مگر شہر کے لوگ اس سے خوفزدہ ہیں۔ کوئی اس کے پیچھے [illegible] اس کے لیے [illegible] ہوگا کوئی اس کے سامنے آئے۔ اسے خلیفہ کا اعلان ہو جانے گا اور پھر کسی پہ بیٹھنے کے لیے یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔"
"ہاں۔ یہ تم درست کہتے ہو۔"
ہم دونوں [illegible] لیکن [illegible] پہنچ گئے۔ [illegible]
"[illegible] رانا صاحب۔ [illegible]"
[illegible]
"کہاں ہے؟"
"[illegible]"
"ہاں۔"
[illegible]
"بالکل — میں نے [illegible] اتفاق کیا۔"
[illegible]

[illegible]

[illegible] میں ایک عجیب کرنے دیکھے [illegible]
[illegible] بھوت [illegible] باپ [illegible]
[illegible] کوشش کرے [illegible]
[illegible] دوسری طرف سے [illegible]
[illegible]
"اوہ — وہ شاید اوپر چڑھنا چاہتا ہے؟"
"ہاں غالباً۔"
"کیا کسی بھوت کو پائپ کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے؟"
[illegible]
[illegible]
"صاف ظاہر ہے وہ بھوت نہیں ہے [illegible]
رانا صاحب اب [illegible] نہیں ہے؟"
"کیا مطلب؟"
[illegible] اگر وہ بھوت [illegible] پہنچ گیا تو پھر [illegible]
[illegible] پائپ کے سہارے اوپر پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔
دوسری بات یہ کہ اس کے اندر داخل ہونے کا [illegible]
جا سکتا۔ [illegible] رانا صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بھوت پائپ سے نیچے [illegible]
[illegible]
[illegible] خوشی سے [illegible] بھوت نے [illegible]



[illegible]
[illegible]
[illegible] بھوت [illegible]
کر دیا [illegible]
[illegible] بھوت کی طرف
[illegible]
[illegible] بھوت [illegible]
[illegible]
[illegible]
اس کی شکل دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اس وقت [illegible]
آوازیں ابھر رہی تھیں۔
[illegible] رانا صاحب
[illegible] وقت آپ
[illegible]
بات آپ کے حق میں بہتر نہ ہوگی۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کر دوں گا!
[illegible]
[illegible] رانا مسعود — آپ — اوہ
— یہ — اس نے [illegible]
"ہاں، میں نے بھوت کا شکار کر لیا ہے!" میں نے آہستہ سے کہا۔
"مگر آپ — ہم نے اسے آتے دیکھا تھا [illegible]
"کہیں سے آتے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بھوت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بھوت [illegible]
[illegible] جواب دیا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کہا۔
"لیکن یہ کون ہے؟"
[illegible]
[illegible] شاہ عالم بولا۔
[illegible]
[illegible]
"اوہ — [illegible] رانا [illegible]
"ایک بات کہیں رانا صاحب" شاہ عالم بولا۔
"ہاں کہو۔"
[illegible]
[illegible]
[illegible]
"میں بہت حیران ہوں شاہ عالم۔"
[illegible]
"نہیں [illegible]
"کیا؟"
"میں نے [illegible] ملاقات کی تھی۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کب — ؟"
"تقریباً ایک ہفتہ قبل۔"
"انہوں نے آپ سے ملاقات کر لی؟"
"ہاں، میں جا رہی تھی تو اندر گھس گیا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے منع کیا۔ لیکن میں نے ان کا جھلسا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔"
"اوہ —" شاہ عالم حیرت سے بولا۔
"یہ وہ چہرہ نہیں ہے — یہ تو بالکل صاف ہے؟"
"خدا بہتر جانتا ہے؟"
"اب کیا کرنا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔
"میری رائے میں آپ فوری طور پر پولیس کو اطلاع کر دی جانی چاہیے۔ رانا صاحب کی موت کی خبر چھپی نہ رہ سکے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خبر چھپانی بھی نہیں چاہیے۔"
"مسعود پر کوئی آنچ نہیں آنے دی گئی۔" گل رخ نے غمزدہ انداز میں کہا۔
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سلیم کی زندگی کے پیچھے مقصد کیا تھا اور ہم میں سے کون یہ کام انجام دے سکتا تھا۔ پولیس خود بھی ناکام ہو چکی تھی جو کچھ کیا گیا اپنے تحفظ کے لیے کیا گیا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ رانا جبار یہ مجرمانہ کارروائی کر رہے ہوں گے۔ بہت سے لوگ سلیم کے دشمن کو ختم کیا ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا تھا" شاہ عالم نے کہا۔

گل رخ خاموش ہو گئی۔ میں نے شاہ عالم کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پولیس کے پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک انسپکٹر، ڈی۔ ایس۔ پی اور دس پولیس کانسٹیبل آ گئے تھے۔ لاش ان کی تحویل میں دے دی گئی۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے ابتدائی کارروائی کی اور پھر مجھ سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ شاہ عالم میرے ساتھ تھا۔ اس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو صورت حال بتائی اور پھر اسے صورت کے اسی تہہ خانے کو دکھایا۔
"آپ کو شبہ تھا کہ وہ کوئی بھوت نہیں ہے؟"
"میں صرف صورت حال جاننا چاہتا تھا میں نے انسان سمجھ کر گولی نہیں چلائی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ گولی کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے؟"
"رانا صاحب۔ ایک خاص سوال کرنا چاہتا ہوں۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ ان حالات میں ان کا قتل آپ کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے؟"
"میں کسی مجرمانہ کارروائی کی حمایت کبھی نہیں کر سکتا۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ اگر رانا صاحب کا کوئی مسئلہ تھا تو وہ مجھ سے بھائی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ یہ سب کچھ کرنا ضروری تو نہیں تھا۔"
"ٹھیک ہے۔ بہر طور آپ مجھے رانا جبار صاحب کی رہائش گاہ کی تلاشی کی اجازت دیں۔"
"پولیس کی کارروائی میں کوئی مداخلت میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میں اس تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا پھر مجھے اور شاہ عالم کو بھی ڈی۔ ایس۔ پی کے ساتھ وہاں جانا پڑا۔ رات کے تہہ خانے میں وہ جگہ بہت پراسرار نظر آ رہی تھی۔ اس وقت دن میں تو کبھی یہاں مرید نہیں آتے تھے۔ تیز روشنیاں کر کے پولیس افسر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی ذہانت سے ایک ایک چپے کو دیکھ رہا تھا۔
بڑا مختصر سا سامان تھا اس کمرے میں۔ مسہری، ایک میز، چند کرسیاں، ایک آرام کرسی، مینٹل پیس، آتش دان۔ مینٹل پیس پر ایک خانہ نظر آیا جو گہرائی میں تھا۔ اس میں ہاتھ ڈالا تو ایک گول کیپسول ابھری نظر آئی۔ اسے دبایا تو ایک سمت کی دیوار میں ایک آواز کے ساتھ دروازہ نمودار ہو گیا۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے ٹارچ سنبھالی اور ہم لوگوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اندر داخل ہو گیا۔ ایک راہداری تھی جس کا اختتام ایک اور کمرے پر ہوا تھا۔ یہ کمرہ اصل جگہ سے بہت دور تھا کیونکہ راہداری بھی کافی لمبی تھی۔ اس سارے کمرے میں ایک بڑے صندوق کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ صندوق میں تالا نہیں تھا ۔۔۔!
ڈی۔ ایس۔ پی نے دو کانسٹیبلوں کو یہ صندوق کھولنے کا حکم دیا اور انہوں نے ڈھکن کھول دیا۔ اندر ایک انسانی ڈھانچہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کا لباس بھی موجود تھا۔ یہ زنانہ لباس تھا۔
شاہ عالم نے یہ لباس پہچان لیا۔ یہ اس عورت کا لباس تھا جسے رانا جبار بیوی بنا کر لائے تھے۔
"اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ عورت یہاں سے فرار نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا تھا۔"
"ہاں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" اس کمرے میں ایک اور دروازہ دستیاب ہوا۔ اس کے دوسری سمت تھوڑی سی گہرائیوں میں گہری لائن تھی۔ یہ لائن خشک پڑی ہوئی تھی لیکن اس کا اختتام بلندیوں پر ہوا تھا۔ ان جھاڑیوں کے قریب جہاں سے وہ بھوت نمودار ہوتا تھا۔



تمام صورت حال واضح تھی۔ رانا جبار یہ سلسلہ کیا کھیل رہا تھا۔ اس نے اس عورت کو قتل کر دیا تھا جس نے اس سے تعاون نہیں کیا تھا اور اب رانا جبار نے اس عورت کو اپنا ہتھیار بنا کر سلیم کے قتل کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی یہی خیال پیش کیا تھا۔ پولیس کی کارروائی صبح تک جاری رہی۔ سب کے بیانات لیے گئے اور پھر رانا جبار کی لاش پولیس ہسپتال بھجوا دی گئی۔ رانا جبار کی اس پراسرار رہائش گاہ میں پولیس کو ایک آپ کا ساتھ بھی مل گیا تھا اور میرا ایک مسئلہ حل ہو گیا تھا۔
پولیس چلی گئی۔ صرف دو جوان اس رہائش گاہ پر متعین کر دیے گئے تھے۔ شاہ عالم عجیب سنسنی خیز کیفیت میں تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔
"اب کیا ہو گا رانا صاحب؟"
"تمام مسئلے حل ہو گئے۔ اب سلیم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
"آپ رانا جبار سے ملے تھے؟"
"ہاں۔ ان کا چہرہ جھلسا ہوا تھا۔"
"ٹھیک ہے ۔۔۔!"
"اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"
"میں اب بھی وہی درخواست کروں گا رانا صاحب! آپ گل رخ سے شادی کر لیں۔ سلیم ابھی بچہ ہے۔ آپ جیسے نیک انسان کے زیر سایہ پرورش پائے گا تو اس کا مستقبل سنور جائے گا۔"
"یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے شاہ عالم۔"
"معافی چاہتا ہوں۔ دل کی بات تھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔"
میں خاموش ہو گیا۔
تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن واحد مجھ سے ملنے آیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "کیسے مزاج ہیں رانا صاحب؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"پولیس نے کوئی مسئلہ تو نہیں پیدا کیا ۔۔۔؟"
"نہیں ۔۔۔ لیکن کچھ باتیں میرے ذہن میں اب بھی الجھی ہوئی ہیں واحد ۔۔۔!"
"کیا ۔۔۔ ممکن ہے میں ان کا حل پیش کر سکوں۔"
"رانا جبار اس وقت تک آپ میں کیوں تھے؟ کیا میری آمد ان کے لیے متوقع تھی۔"
"ہاں۔" واحد نے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"
"خدا کی پناہ۔ انہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان کے پاس آنے کی کوشش کروں گا؟"
"میں نے انہیں بتایا تھا۔" واحد نے جواب دیا اور میرے کانوں کے قریب جیسے بم پھٹا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے واحد کو دیکھتا رہ گیا۔ پھر بمشکل میں نے کہا۔
"تم نے ۔۔۔ تم نے واحد! کیا تمہارا رابطہ رانا صاحب سے تھا؟"
"واحد فرید واحد ہے جسے رانا صاحب کی ایک ایک کارروائی معلوم تھی۔" واحد نے دوسرا دھماکہ کیا۔ یہ شخص ۔ یہ شخص میرے حواس خراب کیے دے رہا تھا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو؟"
"صحیح عرض کر رہا ہوں رانا صاحب ۔۔۔ بلکہ بابر داد خان صاحب۔ کیونکہ واحد ہی فرد واحد ہے جسے ایک اور راز معلوم ہے۔" واحد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کون سا راز؟"
"یہی کہ آپ رانا مسعود نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔

واحد نے مجھے متحیر کیا تھا۔ یہ شخص سب سے ہی زیادہ پراسرار تھا۔ چند لمحات کے لیے میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ واحد شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"کیا کہنا چاہتے ہو؟" تھوڑی دیر کے بعد میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔
"کچھ نہیں۔ حقیقت حال عرض کر رہا ہوں۔"
"تم نے مجھے بابر داد خان کے نام سے پکارا تھا؟"
"ہاں ۔۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ یہ آپ کا اصل نام ہے۔"
"تم یہ بات کب سے جانتے تھے؟"
"ہمیشہ سے۔ لیکن آپ کی شکل و صورت رانا مسعود سے اس قدر ملتی تھی کہ کوئی بھی دھوکہ کھا سکتا تھا۔ واحد فرد واحد ہے کہ جو حقیقتوں سے آگاہ تھا۔"
"تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو واحد! ایک سازشی ذہن کے مالک۔ مجھے بتاؤ اس سازش سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"
"ڈیئر بابر داد خان! تم مجھے کچھ بھی کہہ لو لیکن اعتراف کرو گے کہ میں تمہارے لیے فرشتہ ہی ثابت ہوا۔ اس عظیم



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اشان بابا دکا اتنک بنا دیا۔ تم اور کیا چاہتے ہو؟"

"میرے چند سوالات کے جواب دو۔"

"پوچھو۔"

"اس خاندان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"صرف ایک شناسائی سے زیادہ نہیں۔"

"اس سازش سے تمہارا کیا مفاد وابستہ ہے؟ یا تم اس سے انکار کرو گے؟"

"ہرگز نہیں، سچ یہی ہے بابا داد خان کے مجھے علم تھا کہ تم رانا مسرور نہیں ہو۔ لیکن تم اس سے اتنا زیادہ مشابہ ہو کر ہر شخص دھوکہ کھا سکتا ہے۔"

"رانا مسرور کہاں ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہاں، آج سے پورے ایک ہفتے بعد رانا سلیم پورے نو سال کا ہو جائے گا۔"

"رانا سلیم؟" میں نے چونک کر کہا۔ اور اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"ہاں، رانا سلیم۔"

"مگر اس سے تمہارا کیا کام ہے؟"

"اچھا آرام کرو، ابھی وقت سے پہلے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اب چلتی ہوں۔" آواز بند ہو گئی لیکن میرے لیے وہ سیکڑوں الجھنیں چھوڑ گئی تھی۔ بھلا رانا سلیم جیسے بچے سے اس کو کیا کام ہو سکتا ہے؟"

لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ سوائے الجھنوں کے۔ حالات جوں کے توں تھے۔ واحد دو دن تک ملنے نہیں آیا تھا۔ تیسرے دن بھی اس سے سرسری ملاقات ہوئی۔ کوئی خاص بات نہیں کی اس نے۔ لیکن اسی رات گل رخ سب کے سو جانے کے بعد میرے کمرے میں آ گئی۔ اس کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"رانا مسرور!" اس نے جذبات بھری آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کہو گل رخ؟"

"آپ نے سلیم کی زندگی محفوظ کر دی۔ اسے آپ نے ایک نئی زندگی دے دی۔ اس لیے تا کہ وہ آپ کا خون ہے۔"

"یہ میرا فرض بھی تھا گل رخ!"

"میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں بھی تو مظلوم ہوں۔ کتنا تڑپ چکی ہوں۔ کیا میں بقیہ زندگی ایسے ہی گزار دوں گی؟"

"اس کے جواب میں میں تم سے صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں گل رخ!"

"کیا؟"

"بہت جلد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے منسلک نہ ہو کر تمہیں فائدہ ملا ہے۔"

"مجھے بچہ سمجھتے ہیں؟"

"نہیں، جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ٹھوس حقیقت ہے۔ خیر میں جانتا ہوں کہ تم اب قبول نہیں کر سکو گی۔ کیونکہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گا۔"

"مسرور! آخری بار تم سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے آئی تھی۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

سلیم کی سالگرہ قریب آ گئی تھی۔ رانا محل میں ایک عام رواج چلتا تھا۔ لیکن یہاں کے مکینوں نے اسے ترک نہیں کیا تھا۔ رانا جبار جو کچھ کر گئے تھے اس کے بعد ان سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ سالگرہ پہلے سے بھی زیادہ دھوم دھام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا اور تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سالگرہ بڑے عظیم پیمانے پر منائی گئی۔ سارا دن اور ساری رات ہنگامہ رہا تھا۔ میں بھی اس میں برابر کا شریک رہا تھا۔ دوسری رات جب سونے کے لیے لیٹا تو مجھے میری محسنہ کی آواز سنائی دی۔

"یار! کیا کر رہے ہو؟"

"اوہ! کچھ نہیں۔ تم بتاؤ اس وقت کیسے؟"

"میرے کام کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔"

"خوب! میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو سنو! یہاں سے بارہ میل دور دشت میں ایک جگہ ہے۔ جہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ کل دوپہر ٹھیک تین بجے تم سلیم کو لے کر یہاں پہنچ جاؤ۔ تمہیں اس میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"سس۔۔ سلیم کو؟" میں نے ہچکچا کر کہا۔

"میں تمہارے انداز میں کوئی ہچکچاہٹ برداشت نہیں کروں گی۔ میں نے تمہارے لیے عیش و عشرت کے دروازے کھول دیے ہیں، اور تم میرے کام میں الجھن محسوس کر رہے ہو۔ کیا کیا نہیں دیا میں نے تمہیں؟ اور کیا چاہتے ہو مجھ سے تم؟ ایک بار کہو تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ اس کے باوجود تم۔"

"لیکن میں تمہارے کام سے انحراف نہیں کر رہا۔ بس سلیم معصوم بچہ ہے۔ اسے نقصان پہنچانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"کل ٹھیک تین بجے تم اپنا کام انجام دو گے۔" اس کے لہجے میں حکم تھا۔ اس کے بعد مجھے اس کی آواز سنائی نہ دی۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ دل کی حالت کچھ عجیب ہو رہی تھی۔ خود اپنی ذات کے لیے اسرار بن گیا تھا۔ کس طرح زندگی بدل گئی۔ کیا تھا کیا ہو گیا تھا۔ کئی بار دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ یہ میری سرزمین تھی۔ میرے اپنے بھی یہاں تھے۔ اب نہ جانے کون زندہ ہو، کون مر چکا ہو۔ اگر انہیں تلاش کر دوں تو شاید کسی کا پتہ چل جائے۔ لیکن میں ایک الجھے جنجال میں پھنس گیا تھا۔

اس کے بعد کا وقت سخت پریشانی کے عالم میں گزرا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن سارا دن اور ساری رات کے سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔



دوسرے دن میں اپنے اس ارادے میں پختہ تھا۔ البتہ میں نے ایک فیصلہ اور بھی کیا تھا۔ اگر سلیم کی زندگی خطرے میں ہوئی اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے سلیم سے کہا۔ "سلیم! تمہیں وہ باغ یاد ہے جہاں ہم گئے تھے؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں چلیں گے۔"

"سچ۔۔؟" سلیم خوش ہو کر بولا۔

"ہاں، تمہیں وہ جگہ پسند آئی تھی نا؟"

"بہت۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ہم چلتے ہیں۔"

سلیم کو تو خیر کیا اعتراض تھا اور میرے ساتھ اس کے جانے پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ کسی نے نہ پوچھا کہ میں سلیم کو کہاں لے جا رہا ہوں۔ میں اسے لے کر جیپ میں چل پڑا۔

کھنڈرات کا فاصلہ بارہ میل دور تھا۔ چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ اور دور دور تک ویران کھنڈر بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں نے جیپ یہاں روکی تو سلیم بولا۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟"

"آؤ تھوڑی دیر تک کھنڈر میں رہیں گے۔ دھوپ بہت تیز ہے۔ ذرا کم ہو جائے تو باغ چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے انکل!" اس نے کہا۔ میرا دل لرز رہا تھا۔ کھنڈر ویران پڑے تھے۔ دفعتاً مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"یار! آ گئے تم۔"

"ہاں، میں آ گیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"انکل! یہ کس کی آواز تھی؟" سلیم نے پوچھا۔

"تم نے سنی؟"

"ہاں، کوئی کسی یار کو پکار رہا تھا۔ مگر آپ نے اس کا جواب کیوں دیا؟"

"آؤ سلیم! آ جاؤ۔" میں نے کہا اور معصوم بچہ میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

"سیدھے آؤ۔ اس طرف چلے آؤ۔" میری نادیدہ دوست کی آواز ابھری۔ اور میں آگے بڑھ گیا۔

"یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے انکل؟ کوئی نظر تو نہیں آ رہا۔"

"خاموشی سے چلے آؤ۔" میں نے کسی قدر کرخت لہجے میں کہا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ آواز میری رہنمائی کر رہی تھی۔ اور کھنڈرات کے دروں میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سایہ میرے آگے آگے چل رہا ہو۔ مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سائے کا غلام ہو گیا ہوں۔ میں اس کی آواز کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں، اور اس آواز کی تعمیل کرنا میری سرشت بن گئی ہے۔ میں اگر چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہ سکوں۔

لیکن بھاگنا تو ویسے بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس آواز نے میری بڑی رہنمائی کی تھی۔ اس آواز نے مجھے اس نئے ماحول میں ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ اور سب سے حیرتناک بات یہ تھی کہ اس نے میری جوانی واپس لوٹا دی تھی۔ ہاں، انسان خواہ کتنی ہی ترقی کرے۔ اپنی ذات پر کیسے ہی تہذیب کے خول چڑھا لے۔ لیکن جوانی بڑی دلکش چیز ہوتی ہے اور اس کے جانے کے بعد یہ آرزو رہتی ہے کہ کاش یہ لمحات پھر ابھی آ سکتے۔ جوانی پھر مل سکتی۔

لیکن مجھے تو ایک طویل زندگی مل گئی تھی۔ مجھے اپنی ذات میں جو تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں انہیں میں خود بھی یقین کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا لیکن بہرطور وہ حقیقت تھی۔ میں عمر کی اس منزل پر پہنچنے کے باوجود پھر سے اپنی عمر کے بہت سے سال پیچھے کی طرف لوٹ گیا تھا۔

سلیم میرے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ شاید میرے کرخت لہجے نے اسے اور بھی زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ آخر میں اس کے لیے اجنبی ہی تو تھا۔ بہرطور وہ اب تک مجھ پر اعتبار کرتا آیا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی اتباع کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری نادیدہ محسنہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔ بہت سے دروں اور بہت سی راہداریوں سے گزرتا ہوا میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جسے اس حویلی یا پراسرار کھنڈر کا صحن کہا جا سکتا تھا۔

یہ صحن خاصا وسیع اور عریض تھا۔ چاروں طرف محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک ویران بارہ دری میرے سامنے تھی اور درمیان میں ایک چھوٹے سے چبوترے پر ایک مجسمہ ایستادہ تھا۔ میں نے اس مجسمے پر کوئی توجہ نہیں دی اور وہاں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تب ہی اس کی آواز ابھری۔

"یار! یہ میرا نیا مسکن ہے۔ اس مجسمے کے نزدیک پہنچ۔" اس نے کہا۔

اور میں حیران سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس مجسمے کے پاس پہنچ گیا۔ مجسمہ کسی عورت کا تھا۔ ایک پرہیبت اور مکروہ صورت، انتہائی گھناؤنا چہرہ۔ خوبصورت



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور سلیم اب بھی میرا دامن پکڑ کر بیٹھا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ انکل واپس چلئے۔ پلیز چلئے۔ یہاں سے چلئے۔

لیکن میرے چہرے میں اب تبدیلیاں ہوتی جا رہی تھیں۔ میرے سر کے بال کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ میری آنکھوں میں خون اترنے لگا تھا۔

ہاں خون میں کوئی رنگ شروع نہ تھا بلکہ ملکانہ کی بجا۔

میں نے سلیم کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے ننھے ریشمی بال میری مٹھی میں آ گئے۔

انکل! اس کی دردناک چیخ ابھری لیکن اب میرے دل میں اس کے لیے رحم کا شائبہ نہیں تھا۔ میں نے مضبوطی سے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے تھے۔ پھر میں نے اسے جھنجوڑا اور طشت پر اس کی گردن جھکا دی۔

وہ تڑپ رہا تھا۔ چلا رہا تھا۔ میں نے گھٹنا اس کے پیٹ پر رکھا۔ طشت میں رکھی ہوئی تیز دھار والی چھری اٹھائی اور دوسرے لمحے یہ چھری سلیم کی گردن پر پھیر دی۔ سلیم کی گردن سے خون ابلنے لگا۔ طشت خاصا وسیع تھا۔ ابلتا ہوا خون تھا اور اس ابلتے ہوئے خون کی چند چھینٹیں میرے لباس پر بھی پڑیں۔ لیکن میں اسے دبوچے رہا۔ اس کا جسم کٹ گیا تھا۔ اور خون کی کلیاں بھی رہی تھیں۔ خون طشت میں گر رہا تھا۔

لیکن اس میں ایک بے رحم قصائی تھا۔ ایک جانور تھا۔ درندہ تھا۔ پاگل ہو گیا تھا میں۔ میرا دماغ اس کم بخت اپسرا کے زیر اثر تھا اور مجھے اس معصوم بچے کے بہتے ہوئے خون کی ذرہ برابر پرواہ نہیں تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ خوش ہو رہی ہے۔

لیکن اب اب میرے احساسات کچھ بھی نہیں تھے۔ سلیم کا پھڑکتا ہوا بدن آہستہ آہستہ سرد ہو گیا۔ اب اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے تھے۔

تب میں نے اسے طشت سے اٹھایا اور ایک طرف دھکیل دیا۔ طشت خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں تھکے تھکے سے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ چھری میں نے ایک طرف ڈال دی تھی۔ پھر اس کی منحوس آواز ابھری۔

"شکریہ بابر داد خان! اب ایک کام اور کرو۔"

"کیا؟"

"اس طشت کو اٹھاؤ اور میرے سر پر ڈال دو۔"

"تمہارے سر پر؟"

"ہاں! میرے سر پر۔ تمہارے سامنے میرا مجسمہ موجود ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں نے اس طشت کو اٹھایا۔ سر سے بلند کیا اور اپسرا کے مجسمے کو خون سے نہلا دیا۔ سفید مجسمہ خون سے تر ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا اس کے اعضاء میں جنبش ہو رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ میں دو قدم پیچھے ہٹ کر اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خون کے قطرات سر سے پاؤں تک بہہ رہے تھے۔ لیکن ایک بھی قطرہ زمین پر نہیں گرا تھا۔ مجسمہ ان قطرات کو جذب کر رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی تازگی دوڑتی جا رہی تھی۔ ہاں! یہ میرا وہم نہیں تھا۔ یہ میرا احساس نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت تھی۔ سو فیصدی حقیقت تھی کہ اس کے خدوخال میں تبدیلی سی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جھریاں اور جھریاں تک خدوخال جو تھوڑی دیر پہلے نہایت کریہہ نظر آ رہے تھے۔ اب قدرے بہتر ہو گئے تھے۔ لیکن قدرے ان کی نحوست اور کرختگی اور نحوست اب بھی باقی تھی۔ تب مجھے اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"نہیں میرے لیے ابھی بہت سے کام کرنے ہوں گے بابر داد خان! اس کے بعد۔ اس کے بعد میں نئی زندگی نیا حسن حاصل کروں گی۔ ہاں! مجھے وہ سب کچھ مل جائے گا جو میری ملکیت تھا۔ مجھے تم! تم نے ہی یہ سب کچھ ضائع کیا تھا۔ اور اب تم ہی مجھے میری جوانی اور حسن واپس دو گے۔ یہ میرا فیصلہ تھا۔ اور اسی فیصلے کے تحت میں نے تمہیں ایک نئی زندگی دی۔ ورنہ تم کیا سمجھتے ہو اس ویرانے میں گیدڑ تمہارے پیٹ کی انتڑیاں نکال کر کھا جاتے۔ تمہاری آنکھیں نکال لیتے۔ تمہارے وجود کا ایک ایک ذرہ ختم کر جاتے۔ لیکن میں نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ میرے شکر گزار رہو بابر داد خان! میرے شکر گزار رہو۔ میں نے تمہیں نئی زندگی اور نئی جوانی دی ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید میرا ذہن اس کے اثر سے آزاد ہوتا جا رہا تھا۔ وہ درندگی اور وہ وحشت جو تھوڑی دیر پہلے بدن میں سرایت کر گئی تھی۔ اب ختم ہو چکی تھی۔

میرے بدن کو سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ اور مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے خون کر دیا ہے۔ میں نے وحشیانہ انداز میں ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس معصوم بچے کی لاش میرے سامنے پڑی ہوئی تھی اور اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔



"انکل۔ انکل! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے کیوں مارا انکل! انکل! میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا؟ انکل! انکل!"

"نہیں۔" میں وحشت سے چیخ پڑا۔ میرے چاروں طرف انکل انکل کی پکار گونج رہی تھی۔ میں نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور پھر وحشیانہ انداز میں تہہ خانے کی گردان کرتا ہوا واپس پلٹ پڑا۔

میرے وجود میں کپکپی ہو رہی تھی۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میرا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ میں نے بہت برا کیا ہے۔ بہت برا کیا ہے۔ آہ! بہت برا کیا ہے میں نے۔ بہت ہی برا کیا ہے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ باہر نکلا سامنے ہی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔

اب کس سمت رخ کرتا۔ میں نے تو اپنا خاندانی چراغ بجھا دیا تھا۔ ہاں! میں نے وہی چراغ بجھا دیا تھا جس کی حفاظت کے لیے میں نے رستم جاگیر کو قتل کر دیا تھا۔ اس وقت میں مخلص تھا۔ لیکن۔ لیکن میں تو اب بھی مخلص تھا۔ لیکن کون مانتا میری بات کو۔ اگر میں وہاں جا کر یہ کہتا کہ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی سحر کے زیر اثر یہ سب کچھ کیا ہے۔ ہاں، میں نے افریقہ کی خونی ملکہ کے جادو کے شکنجے میں جکڑ کر سلیم کو قتل کیا ہے۔ تو سب میرا مذاق اڑائیں گے۔ سب یہی سمجھتے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ سلیم کو قتل کرنے سے میرے کچھ اور مقاصد بھی ہوں گے۔

ہاں یہ مقاصد تو کھل کر سامنے بھی آ جاتے۔ اگر میں گلرخ سے شادی کر لیتا تو۔۔ اس کی تمام دولت فی الحال میرے تصرف میں ہوتی۔ لیکن یہ خدشہ ہمیشہ میرے ذہن میں رہتا کہ تھوڑے عرصے کے بعد سلیم اس کا مالک و نگران بن جائے گا۔ یہ اس کے باپ کی جاگیر تھی۔ میرا کچھ نہیں تھا۔

اول تو میں رانا مسعود کی حیثیت سے ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اگر ایسا کر دیتا تب بھی یہ سب کچھ میرے قبضے میں نہ آتا۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب میں اس محل کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جیپ کا رخ شہر سے باہر جانے والی سڑک کی جانب ہو گیا۔ میں جیپ دوڑائے جا رہا تھا۔ کافی دور پہنچنے کے بعد میرے حواس کچھ بحال ہوئے۔ پیٹرول اب بھی وافر تھا۔ میرے پورے اعضاء پر ایسا بوجھ طاری تھا جیسے منوں بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ یا جیسے میں ساری رات اور سارا دن شدید مشقت کرتا رہا ہوں۔

کیا ہو گیا تھا مجھے، کیسے گل والے، کیا سلیم کا قتل کر کے لپ گئے۔ گلرخ بے چاری کا کیا ہو گا۔ وہ تو بڑی مظلوم عورت تھی۔ بڑا مظلوم بچہ تھا۔ کاش وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہوتا۔ کاش وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہوا ہوتا۔ کاش۔

ضمیر کی چبھن مجھے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ معصوم بچہ بار بار نگاہوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ لیکن سب بیکار۔ مجھے اس کی چیخ کر رہا تھا۔ میری ایک ایک کوشش اس ایک مسئلے کی تھی جیسے خود بخود ہو گیا تھا میرے ہاتھ لوٹ گئے۔

میں سفر کرتا رہا۔ کافی دور چلنے کے بعد پیٹرول کے ختم ہونے کا احساس ہوا۔ اور میری نگاہیں پیٹرول کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ کافی فاصلے پر ایک پیٹرول پمپ نظر آیا تھا۔ میں وہاں پہنچا جیپ کی ٹنکی فل کرائی اور ادائیگی کر کے آگے بڑھ گیا۔

میری کوئی منزل نہیں تھی۔ بس جہاں تک پہنچ جاتا۔ لیکن اس دیوانگی کے سفر کے بعد میں نے خود کو دہلی میں پایا۔

میں ہائی روڈ سے دہلی پہنچ گیا۔ دہلی پہنچنے کے بعد میں تھکا ماندہ سیدھا رہائش گاہ میں آ گیا۔ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر میں نے اپنے کمرے میں پناہ لی تھی۔

ذہن کی عجیب سی حالت تھی کہ الامان الحفیظ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ ذہن پر زبردست بوجھ طاری تھا۔ کمرے میں لیٹے ہوئے مجھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے پھر وہی منحوس آواز سنائی دی۔ جسے میں پہچان چکا تھا۔ میں اسے اپنی نادیدہ محسن کہا کرتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ میری دشمن تھی۔ میری بدترین دشمن تھی۔ ہاں اپسرا۔

اپسرا جس نے مجھے زندگی کی شدید اذیت میں گرفتار کر دیا تھا۔

"بابر داد خان! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"ہاں، میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ خونی ملکہ تو نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ فضول باتیں جاری رکھیں تو پھر میں تم پر لعنت بھیج دوں گی۔ اور اس کے بعد تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا۔ اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"ہاں، میں تیار ہوں۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لے کسی چیز سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں ڈرتا نہیں ہوں صرف تم نے جو مذاق کیا ہے کہ ایسے وہ میری ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔ میں اپنے ضمیر کی اس خلش کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔ ہم دونوں معصوم بچے تھے تمہارا کیا بگاڑا تھا، بولو، جواب دو۔ تم نے اس معصوم بچے کو زندگی سے کیوں محروم کر دیا؟" میری آواز بلند ہوتی گئی۔

"بابر داؤد خان! جیسے ہو کچھ بھی پچھتاوا ہے اس کا حصول میرے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے سپاہی کی زندگی نہ پائی تو میں بھی تمہاری ہی طرح موت کی خواہش میں جا سوؤں گی اور اذیت کا شکار رہوں گی۔ مجھے جائیداد کے حصول کے لیے سب کچھ کرنا ہے۔ اور اس کے ذریعے [illegible] کہ تم ہو اس لیے تمہیں بھی میری مقصد برآری کے لیے عمل کرنا ہے۔" اس نے کہا۔

"خدا کے لیے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے وہی میری زندگی کے لیے کافی ہے۔"

"بھلا دو ان تمام باتوں کو، بھلا دو۔ بے وقوف انسان زندگی کی لذتوں سے لطف اندوز ہو۔ میں تجھے بھی بہتر کروں گی۔ دیکھو نہیں، اتنا جلد ختم ہونا ممکن ہے۔ تم نے مجھ سے میری حکومت کیوں چھینی؟ کیوں لگے تھے اس بے وقوف داؤد خان کے پاس میری سرکوبی کے لیے۔ تم نے میرے قتل کے لیے سلطان کا ساتھ دیا اور جب میں قتل ہو گئی تو میرا ساتھ تم نہیں دے سکے۔ تم نے مجھے کیوں تباہ کیا؟ اس بچے کی موت کے لیے تم اتنے فکرمند ہو لیکن میری جو صدیوں کی کاوشیں اور صدیوں کی زندگی تم نے چھینی اس کا کوئی احساس تمہارے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔"

"تم ۔۔۔ تم شیطان ہو، جادوگرنی ہو، تم خونی ہو، نہایت کریہہ عورت ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں۔ بہرطور سلطان جب تم میرے دشمن بن کر کیوں آئے؟ تم نے مجھے فنا کرنے سے پہلے کیوں نہیں سوچا کہ تم کسی کو تباہ کر رہے ہو؟"

"میں اسے تمہیں تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"کسی کے بچے کی سی ۔۔۔ سلطان تمہارا کون تھا؟ اس سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ ایک غیر آدمی کا بیٹا! ایک غیر شخص کی اولاد۔ بھلا تم کیوں اس کے لیے سر بکف ہو گئے کہ میری تباہی کے لیے چل پڑے۔ تم اس کے سگے ہو یا بابر داؤد خان! اور حقیقت کی

اور اگر تم نے میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو میں تمہیں اس طرح تباہ و برباد کر دوں گی کہ تم موت کو ترس جاؤ گے۔ ہاں، میں تمہیں موت نہیں دوں گی بابر داؤد خان! میں تمہیں ایسی اذیتیں دے کر ماروں گی کہ تم یاد رکھو گے زندگی بھر۔"

"دیکھو ایسا مت کرو۔ مجھے معاف کر دو۔ میں نے جو کچھ کیا تھا وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا تھا۔ سلطان سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے کبھی اسے بیٹے سے کم نہیں سمجھا، اس کی خواہش کے لیے میں مجبور ہو گیا تھا۔ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ لیکن تم کسی اور کو اس کام کے لیے منتخب کر لو۔ مجھے جانے دو۔ میں کسی حالت میں بھی یہ سکون نہیں کر سکوں گا۔ تمہارے لیے اب میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ تمہیں وہی سب کچھ کرنا ہو گا جو میں چاہتی ہوں۔ اب اٹھو اور کسی بار میں چلے جاؤ۔ تم شراب پی کر ذہنی سکون محسوس کرو گے۔ شراب ہی تمہارے ذہنی سکون کا حل ہے۔ مجھے! میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہی ہوں۔ مجھے اس بات پر آمادہ نہ کرو کہ میں تمہاری دشمن بن جاؤں۔"

"شراب ۔۔۔" میرے ذہن میں شراب کی ہلکی سی خواہش پیدا ہو گئی۔ واقعی میں اس وقت خود کو بہک جانا چاہتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں شراب کا سہارا لوں۔ مگر افسوس اس وقت اس نے یہ بات بہتر کی تھی۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال گزرا اور میں نے اس سے کہا۔

"مادام اسلامی زرگیلا! تم اپنی اس زندگی سے کب تھک جاؤ گی؟ کیا تم اس طویل و عریض زندگی کا [illegible] نہیں گئیں۔ کیا تمہیں زندگی سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی؟"

"فضول باتیں کرتے ہو۔ جذباتی ہو رہے ہو۔ زندگی کوئی کم چیز نہیں ہے۔ بستر مرگ پر پڑے ہوئے سو سالہ بوڑھے سے سوال کرو کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے تو وہ جواب دے گا کہ اسے زندگی دے دی جائے۔ اس زندگی اتنی ہی قیمتی چیز ہے۔ یہی حسین شے ہے۔ تم جس چیز سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو، اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ ختم ہونے کو ہے، موت اگر تمہاری شہ رگ کے قریب پہنچ جائے تو تم زندگی مانگو گے۔ اس وقت تم اپنے سارے افکار و خیالات بھول جاؤ گے اور تمہارے دل میں صرف ایک ہی آرزو ہو گی، یہ کوشش کہ تم زندہ رہو۔ یہ انسانی تصور ہو کر



جینا ہے۔ لوگ خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہ صرف ایک جذباتی لغزش ہوتی ہے۔ اگر اس لغزش سے ایک لمحہ بھی انہیں سنبھلنے کا مل جائے تو موت کی بجائے زندگی کی آرزو کریں۔ چنانچہ موت کو اتنا آسان نہ سمجھو۔ موت بہت ہولناک چیز ہے۔ میں بھی زندگی کی خواہاں ہوں۔ رہی سلطان کی بات تو سنو! میں تمہیں یہ بتانا پسند کروں گی کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں، وہ زندہ ہے۔"

"لیکن ۔۔۔ کہاں ہے وہ؟"

"یہ سوال غیر ضروری ہے۔ بس تمہارے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پروفیسر [illegible] بھی زندہ ہے۔ ریزل بھی زندہ ہے اور وہ شخص جس نے میرے خلاف ایک طویل کارروائی کی تھی وہ بھی زندہ ہے۔ وہ سارے کردار بھی موجود ہیں۔ [illegible] اپنے دشمن [illegible] مناسب وقت آنے پر میں اس کے لیے ایک [illegible] کسی گھٹن [illegible] میں نے کسی کو معاف نہیں کیا ہے۔ [illegible] تو سلطان میرے تحفظ میں ہے۔ میں اس کی حفاظت کر رہی ہوں۔ تم نہیں جانتے، تم نہیں جانتے وہ میرے صدیوں کا پیار ہے۔ ہاں، بابر داؤد خان! میں ہزاروں سال سے اسے چاہتی ہوں۔ اب سے بہت پہلے، بہت پہلے، بہت پہلے وہ ایک بار میرے سامنے آیا تھا۔ یہ ہزاروں سال قبل کی بات ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور میں جان سے اس پر فریفتہ ہو گئی لیکن وہ میری ملکیت نہیں تھا۔ میں نے اس عورت کو قتل کرا دیا جس نے مجھ سے پہلے اس پر تسلط قائم کر رکھا تھا اور اس کے بعد وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا۔

تب مجبوراً مجھے اسے بھی موت کی نیند سلانا پڑا لیکن میں جانتی تھی کہ وہ آئے گا۔ وہ پھر واپس آئے گا [illegible] لیکن [illegible] مجھے تو بس اس کا انتظار تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد وہ آیا۔ [illegible] بابر داؤد خان! اب میں اس دشمن کو دوستی میں بدلنا چاہتی ہوں [illegible]

میری ملکیت سے محروم کر دیا۔ میری محبت مجھ سے چھین

لی جائے۔ میں شدید نفرت کا شکار ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود میں سب سے زیادہ [illegible] سلطان میرا مرکز ہے۔ [illegible] لیکن اب وہ میرے سامنے موجود ہے۔ میں اسے بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ [illegible] ایک دن وہ میری ملکیت ہو گا۔ [illegible]

میں [illegible] اس کی آواز میرے کانوں میں [illegible] کرتی رہی۔

"سلطان زندہ ہے۔ لیکن وہ کہاں ہے؟ آہ وہ کہاں ہے؟ کاش وہ مجھے مل جائے۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے۔ [illegible] اگر وہ مجھے مل جائے تو میں [illegible] کروں۔"

[illegible] جانب چل پڑا۔

[illegible] میں نے شراب [illegible] اور پھر خود کو شراب میں [illegible] درحقیقت شراب نے میرے ذہن کو سکون بخشا تھا۔ اس کا مشورہ بھی [illegible] تھا۔

جب [illegible] پینے کے بعد میرے ذہن کا تسلط [illegible] کم ہوا تو میں نے اس [illegible] کے بارے میں [illegible] سے سوچا۔

سلیم میرے ساتھ [illegible] تک گیا تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی۔ [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

واقعی یا دو میرے لئے مصیبت بن سکتا ہے۔

ہر چند کہ مجھے یقین تھا کہ اس کا میرا ساتھ دے گی۔ میرا تعاقب کرے گا۔ لیکن بہر طور دل کے اس خوف کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے شراب کے چند اور گھونٹ لئے اور میرے دل سے یہ خوف بھی مٹ گیا۔ میں خاصا مسرور نظر آنے لگا۔

پھر میں نے سوچا کہ اب اس جیب کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہیں ہے اسے یہیں چھوڑ دیا جائے اور ٹیکسی سے گھر واپس جایا جائے۔ یہ جیب میرے لئے مصیبت بن سکتی ہے۔

نشے کے باوجود احساس بڑی سمجھداری کا تھا چنانچہ میں واپس ایک ٹیکسی سے گھر آیا۔ شراب کا نشہ میرے ذہن پر مسلط تھا۔ میں نے اپنے نوکر کو بلایا اور اس سے مزید شراب لانے کے لئے کہا۔ ملازم نے مجھے شراب لا کر دے دی تھی۔

میں پیتا رہا اس وقت تک پیتا رہا، جب تک میرے حواس میرا ساتھ دیتے رہے اور اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔

میری زندگی کے معمولات پھر سے جاری ہو گئے تھے۔ عرصے تک میرے ذہن پر وہ واقعات سوار رہے۔ سلیم کی موت میرے ہاتھوں واقع ہوئی تھی میں اس کے لئے اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا رات کی تنہائیوں میں جب کبھی اس کا خیال آ جاتا تو میرے کانوں میں اس کی معصوم چیخیں گونجنے لگتیں۔

"انکل، انکل میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا انکل آپ کا کیا بگاڑا تھا؟"

میں بے چین ہو جاتا لیکن اس بے چینی کو دور کرنے کے لئے میں نے اب باقاعدہ شراب کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ حقیقت شراب مجھے ہر تفکر سے آزاد کر دیتی تھی وہ میرا بہترین سہارا بن چکی تھی حالانکہ میں نے تو یہ سنا تھا کہ یہ سکون زندگی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے لیکن میرے لئے تو وہ دوست بن گئی تھی مجھے جو احساس سے نجات دلا دیتی تھی میری زندگی کے معاملات جانکاہ سے کوئی خلا پیدا نہیں ہوا تھا ان دنوں اب میں نے مختلف تفریحات میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا کہ غلط قسم کی موت کی بھی میرے نزدیک اب کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

کبھی کبھی ریس کورس بھی جایا کرتا تھا لیکن اس سلسلے میں بھی میری تقدیر حیرت انگیز طور پر میرا ساتھ دے رہی تھی میں نہیں جانتا کہ یہ میری تقدیر تھی یا اس کی مہربانیاں جس گھوڑے پر داؤ لگاتا اسے جیتنا ہی ہوتا تھا۔

یہاں تک کہ میں پورے ریس گراؤنڈ میں بہت مشہور ہو گیا۔ لوگ میرے پیچھے پیچھے پھرنے لگے بڑے بڑے جواری میرے کھیل پر حیران رہ جاتے تھے وہ تعجب سے مجھے دیکھتے تھے میں جان بوجھ کر ایسے گھوڑوں کا انتخاب کرتا تھا جو مریل ہوتے تھے، جن کے جیتنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا۔

میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ کم از کم اندازہ تو لگاؤں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے لیکن حیرت انگیز بات تھی کہ وہ گھوڑا حیرت انگیز طور پر جیت جاتا تھا چنانچہ میں ریس کورس میں شہنشاہ کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا لوگ مجھے گھوڑوں کا بادشاہ کہنے لگے منچلوں نے یہی نام رکھ دیئے تھے ان لوگوں نے میرے بہت سے تعریفی میرے گرد ہی چکر لگاتے رہتے تھے ان میں بڑے بڑے لوگ تھے وہ سب کے سب اس بات کا اندازہ لگانے کی میں کس گھوڑے پر داؤ لگاتا ہوں۔ بہت سے لوگ ریس کورس کے جیتنے والے بھی میری وجہ سے پریشان ہو گئے تھے۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا جادو کرتا ہوں چنانچہ میرے مشاغل میں سب لوگ کافی متاثر ہو گئے تھے لیکن یہ تو کھیل تھا کوئی مجھ پر اعتراض کیسے کر سکتا تھا اس سلسلے میں میری دوستی بہت سے لوگوں سے ہو گئی تھی جن میں کوشل نامی ایک نوجوان بھی تھا کوشل بہت خوبصورت جوان تھا بہت ہنس مکھ طبیعت کا مالک مجھے اس کی شخصیت بہت پسند آئی تھی۔

میں دوسرے لوگوں سے صرف رسمی سی سلام دعا کرتا تھا لیکن کوشل سے خدا کی محبت سی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ اس سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی میری ریس کورس میں ملاقات ہوئی تھی یہ ریس کورس میں کھیلنے نہیں جاتا تھا بس جب کبھی دل چاہتا تو معلومات کے لئے وہاں پہنچ جاتا آج بھی عجیب نام آیا ہوا تھا

میں ابھی سے پہلا اپنی گاڑی میں بیٹھا کرتا تھا جس کے لئے میں نے ایک ڈرائیور نوکر رکھا ہوا تھا آج جب میری گاڑی ریس کورس پہنچی تو کوشل میری گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔



"ہیلو ہیرو! میں کئی ریسوں میں تمہارا انتظار کر چکا ہوں مگر ریس میں تم کیوں نہیں آتے یار؟" اس نے بے تکلفی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بس کوشل میں جیتنے کے لئے کھیلنے نہیں آتا۔ دل گھبراتا ہے تو کھیلنے آ جاتا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے ہزاروں آنکھیں تمہارا کمال دیکھنے کی منتظر رہتی ہیں بہت سے لوگ تمہارا منتظر رہتے ہیں تم تو جانتے ہو تو ان میں ایک نئی زندگی دوڑ جاتی ہے اس دن ریس کا لطف بڑھ جاتا ہے۔"

"خیر یہ تو تم لوگوں کی اپنی اختراع ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔"

"یار آؤ کہیں بیٹھ کر باتیں کریں جب ریس شروع ہونے میں ابھی کافی دیر باقی ہے آؤ ہوٹل چلتے ہیں۔" وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا ریس کورس کے اطراف میں بہت سے ریسٹورنٹ بکھرے ہوئے تھے پرسکون ریسٹورنٹ کے ٹھنڈے ماحول میں ہم ایک میز پر بیٹھ گئے اور اس نے میری اجازت سے میرے لئے ایک مشروب منگوا لیا۔

"میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ہمارا ہماری ملاقات ریس کورس گراؤنڈ میں ہوئی ہے لیکن میرے خیال میں ہمارے درمیان اتنے فاصلے نہیں رہنے چاہئیں کہ ایک دوسرے سے کوئی واقفیت حاصل نہ کر سکیں۔"

"ہمارے درمیان کبھی یہ کافی ہے کوشل کہ ہم دونوں دوست ہیں۔"

"دوست ذکیہ میرے دوست! ابھی تو ہم صرف شناسائی کی حد پر ہیں۔"

"دوستی میں کبھی حد بھی مقرر کر دی جاتی ہے انسان کی اپنی کاوش ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا تم مجھے دوست نہیں سمجھتے ہو؟"

"میں دوسری فطرت کا آدمی ہوں کوشل مجھے معاف کرنا میں عہد کا یقین ہی نہیں کرتا۔"

"میں تمہاری شخصیت میں بہت دلچسپی لے رہا ہوں بابر یقین کرو اس لئے نہیں کہ تم ریس جیتنے والوں میں سے ہو بس میں تم سے متاثر ہو گیا ہوں ممکن ہے تم اس بات کو یہی سمجھو کہ میں تم سے دولت سمیٹنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں کوشل میں یہ نہیں سمجھتا۔ دولت تو آنی جانی شے ہے کوئی بھی کہیں سے حاصل کر سکتا ہے یہ ساری باتیں ہی فضول ہیں۔"

"تو پھر تمہارے بارے میں میں تم سے سوالات کر سکتا ہوں؟"

"کرو۔ لیکن براہ کرم مجھے جواب کے لئے مجبور نہ کرنا۔"

"اتفاق یہ کہ جس سوال کا جواب مناسب نہ سمجھو مت دینا۔ یعنی کوشل کو کم از کم دوسروں سے ممتاز ہونے کا اتنا موقع تو مزید دو۔" اس نے کہا اور میں آنکھیں بند کر کے ٹھنڈے مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا اس نے بھی اپنا گلاس اٹھایا چند گھونٹ لئے اور بولا۔

"تم اکیلے اکیلے کیوں رہتے ہو کچھ پریشان ہو کیا بات ہے میں نے تمہاری شخصیت میں کبھی تر و تازگی نہیں پائی۔ حالانکہ جسمانی کمالات سے اور چہرے سے تم انتہائی صحت مند، تر و تازہ معلوم ہوتے ہو لیکن تمہارے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پائی جاتی ہے۔"

"یہ وہ سوال ہے جس کا جواب میرے لئے ممکن نہیں۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار! پہلے ہی سوال پر ہی پھسل گئے۔ اچھا دوسرا سوال بتاؤ۔ بمبئی میں کہاں رہتے ہو؟"

میں نے اسے اپنا پتہ بتا دیا۔

"شکریہ۔ اگر میں کبھی تم سے ملنا چاہوں تو وہاں آ کر مل سکتا ہوں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دوسری بات یہ بتاؤ۔ عورت کا تمہاری زندگی میں کیا دخل ہے؟"

"کوئی نہیں۔"

"لیکن میں نے یہاں ریس کورس میں کئی عورتوں کو تمہارے گرد منڈلاتے دیکھا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اب خیر یہ بات میں جانتا ہوں یہاں جو خواتین آتی ہیں وہ لڑکیاں سی ہوتی ہیں لیکن ایسے لوگ بھی جن میں مردوں سے کوئی تعلق برا نہیں سمجھا جاتا۔"

"میرا مطلب یہ کہ کوئی توجہ نہیں دیتا کوشل تم نے بھی تو سوچا کیا ہو گا۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"یہ تو تمہاری اچھائی ہے ابسعلا خان تمہاری شرافت ہے یہ تمہارے لئے ہی… میں تم ان کے لئے مجبور نہیں،" کوشل نے کہا۔

"کیا میں ان میں سے کسی کو بھی اپنے لئے مجبور نہیں سمجھتا تم مجھے بتاؤ کون سی ایسی خوبیاں ہیں جو شہرت سے زیادہ میرے ساتھ دیکھی جاتی ہوں یا جنہیں میں نے خاص اہمیت دی ہو؟"

میں نے جواب دیا۔

"یار تمہاری بات تو یہ ہے کہ تم خود ہی ان کے لئے تیار ہو… ہو تم ان تمام باتوں کا کوئی خاص مقصد تلاش کرنا… بہر حال میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے یہ سوالات کر رہا ہوں۔"

"ہاں، ہاں کوئی حرج نہیں ہے میں اس بات کو برا نہیں محسوس کرتا۔" میں نے جواب دیا۔

"تم شادی شدہ ہو؟" کوشل نے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"اور اہل خاندان میں کون کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"کوئی نہیں۔ تنہا ہوں۔"

"کمال ہے ہر چیز انوکھی اور نئی ہے خیر مجھے یہ بتاؤ کہ کوئی عورت تمہیں صحیح معنوں میں متاثر کیوں نہیں کر پائی ہے؟"

"بس اس طرف توجہ نہیں دی ہے۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی کوئی لگاؤ ہوگا تم میں، کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو تمہارے وجود میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کئے ہوئے ہے تم اس دنیا سے بیزار نظر آتے ہو اپنی دلچسپی نہیں لیتے ان سارے معاملات میں گھوڑے کھیلتے ہو اس میں کوئی شک نہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گھوڑے تمہارے… جن گھوڑوں نے کبھی کوئی ریس جیت کر نہیں دی جب تم اس پر داؤ لگا دیتے ہو تو اس میں ایسی زندگی دوڑ جاتی ہے جیسے وہ… یہ ساری باتیں ہیں لیکن تمہارے اندر وہ زندگی اور وہ جوانی کیوں نہیں ہے جو جوانی کا خاصا ہوتی ہے؟"

"کوشل تم میرے بارے میں خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہو ایک عام سا آدمی ہوں کوئی اہمیت کوئی خاصیت نہیں ہے مجھ میں اب… کیا کروں کہ وہ گھوڑے جیت جاتے ہیں جن کو میں… بہت اچھا چھوڑو آج تم کس گھوڑے پر کیوں لگا رہے ہو؟"

"ہوں وعدہ،" کوشل نے کہا۔

"ہاں۔"

"تو پھر تنگ لنگ پر آج داؤ لگاؤ۔ گھوڑا لوگوں کی توقع کے مطابق جیت جاتا ہے لیکن مقابلہ ریس میں فلانی لنگ کے ساتھ جو گھوڑے دوڑ رہے ہیں وہ سب ہی نامی گرامی گھوڑے ہیں اور فلانی لنگ کی حیثیت بہت مشکوک ہو گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے یہ تم لو میری طرف سے جاؤ اور فلانی لنگ پر لگا دو۔"

میں نے نوٹوں کی چند گڈیاں نکال کر اسے دے دیں کوشل ہنسنے لگا تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ جیت جائے گا۔" اس نے کہا۔

"لگا دو۔ لگا دو میں خود بھی نہیں لگا رہا۔" میں نے کہا اور کوشل خاموش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد ہم اٹھ گئے پہلی ریس شروع ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ گھوڑے ٹریک پر پہنچ چکے تھے اور بکنگ… میں نے اس ریس میں کوئی گھوڑا نہیں لگایا میں جس طرف سے بھی گزرتا تھا لوگوں کا ہجوم میرے پیچھے ہوتا تھا ہر شخص یہ جاننے کی کوشش کرتا تھا کہ کون سا گھوڑا میں نے لگایا ہے۔

اس وقت بھی لوگ اسی توقع میں میرے پیچھے پیچھے چل رہے تھے لیکن میں آرام سے جا کر انکلوژر میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا کوشل میرے ساتھ تھا کوشل نے بھی میری تقلید میں ریس نہیں کھیلی تھی دوسری ریس میں اس نے پوچھا۔

"اب کوئی گھوڑا کھیلنا ہے؟"

"آج کا کھیل تمہارے ذمے ہے کوشل جیسا تم پسند کرو۔" میں نے کہا۔

"تو پھر کیا خیال ہے اس ریس میں ہم شیر فلانی کو لگا لیں؟"

"لگا دو۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری طرف سے بھی کچھ لگانا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں میری طرف سے بھی لگا دو۔" میں نے جیب سے ایک نوٹوں کی گڈی نکال کر کوشل کو دے دی کوشل جا کر گھوڑے پر لگا آیا۔ میری دیکھا دیکھی بہت سے لوگوں نے شیر فلانی پر رقم لگائی اور نتیجہ وہی ہوا شیر فلانی جیت گیا تھا۔

جیکی میرے سلسلے میں ہمیشہ پریشان رہتے تھے اور کتراتے تھے کیونکہ میں نے… ریس کورس میں کم از کم جیکی بھی لگاتا… کوشل گھوڑا… لگایا ہوا



تھا وہ تھا ایک حسینہ جمیل خاتون میری جانب بڑھیں اور بڑی بے تکلفی سے بولیں۔

"ہیلو ڈیئر!"

"ہیلو۔" میں نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں تمہارے پاس؟"

"تشریف رکھئے یہ میرا دوست کوشل ہے۔"

"کون کوشل؟"

"ہاں۔"

"کون سا گھوڑا کھیلنا ہے؟"

"یہ یہ تو یہی جانے۔"

"تم کسی کو ٹپ نہیں دیتے؟"

"نہیں میں کسی کو کوئی ٹپ نہیں دیتا۔"

"مجھے تو… یقین ہے کہ کئی… ریس کھیل رہی ہوں لیکن… جیتی۔"

"تم اچھی… کھیلو میں تم سے ناواقف ہوں۔"

"میرا نام سیری ہے۔ جانا سیری۔"

"شکریہ مس سیری۔ میرا نام تو تم جانتی ہو اس لئے اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

"تم ریس کے شہنشاہ ہو۔"

"شاید ایسی بات ہو۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"پلیز مجھے بتا دو اس ریس میں تم کون سا گھوڑا کھیل رہے ہو؟"

"کوشل سے پوچھ لینا۔"

"بہتر ہو جائے گی۔ میں کوشل کا تعاقب کروں۔"

"جیسا تم پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔ ایسے اٹھ کر… چلی گئی… مجھے ہنسی آ رہی تھی… یہ بات… کوشش… میں جانتا تھا کہ… مہربان ہے اور وہ میرے لئے بہت کچھ کر سکتی ہے… بہ حیثیت خاص… بہت سی… آسائشیں… لیکن… سمجھ سکتا تھا۔

میرے… ہم بیٹھے… آ رہا تھا…

لے لیتا تو یہ بچہ تھوڑی دیر کے لئے رنج ہو جاتا تھا لیکن اس کے بعد پھر وہی احساس، پھر وہی عجیب سا کرب میری ذات پر مسلط ہو جاتا ابھی تک میرے سلسلے میں کسی کا سوال نہیں ہوا تھی… پر کیا گزرتی… میرے بارے میں کس نے کس انداز سے سوچا تھا ابھی تک مجھ پر کوئی ضرب نہیں آئی تھی۔

… بیٹھا… دفعتاً میری نگاہ ایک بوڑھے آدمی پر پڑی وہ اس قابل نہیں تھا کہ ریس کھیلتا۔ داڑھی سفید تھی بھووں کے بال تک سفید تھے عمر اسی بیاسی سال کے درمیان ہوگی لیکن نہ جانے کیوں ریس کھیلنے آیا تھا اس سے پہلے بھی ایک دو بار میری نگاہ اس پر پڑی تھی… قسم کے… ہوتا تھا اور جب اس کا گھوڑا ہار جاتا تو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کیفیت نظر آتی۔

ایک دو بار میں نے اس پر غور کیا تھا لیکن ظاہر ہے اس قابل نہیں تھا کہ اس پر توجہ دی جاتی آج وہ میرے سامنے کے حصے میں خاموشی سے کھڑا… گھوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً کوشل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"باہر لوگ… ہے اب شیر فلانی پر کسی نے توجہ نہیں دی حالانکہ اچھا گھوڑا ہے۔"

"جو جس پر لگانا چاہے لگائے، وہ لوگ… شیر فلانی پر کیا آئے؟"

"ہاں۔" کوشل نے جواب دیا وہ میرے نزدیک آ کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد ریس شروع ہو گئی ریس شروع ہونے سے چند ساعت قبل میری نظر سیری پر پڑی تھی کوشل نے اسے دیکھ کر مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس نے کہا۔

"مس جان سیری بھی شیر فلانی پر لگا کر آئی ہے!"

"ٹھیک ہے۔ جیسا انہوں نے مناسب سمجھا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم نے بھی شیر فلانی پر لگایا ہے نا کوشل؟"

"جی ہاں…" کوشل… جواب دیا اور میری مسکراہٹ… اس نے کچھ نہیں کہا تھوڑی دیر کے بعد ریس ختم ہو گئی لیکن حیرت… ریس میں ایک اور گھوڑا جیت گیا تھا جس کا نام… تھا میں نے… ہارنے والوں پر توجہ نہیں دی۔ جان سیری کا چہرہ… کوشل میرے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔



www.paksociety.com

"یہ کیا ہوا بابر داد خان آج پہلی بار تمہارا گھوڑا ہار گیا ہے؟"

"یہ تم لوگوں کی حماقت ہے کوشل۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جس گھوڑے کی طرف میں اشارہ کروں گا وہ جیت جائے گا۔ تم یقین کرو وہ صرف اتفاقات ہی ہیں کہ وہ گھوڑا جیت جاتا ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو بابر داد خان ...؟"

"ہاں کوشل میں سچ کہہ رہا ہوں۔" دفعتاً جان میری کوشل کے پاس پہنچ گئی۔

"تم ... تم ذلیل آدمی تم نے بیرسٹ ساتھ دھوکا کیا ہے! ہمارے ساتھ فریب ہو گیا ہے آپ کا۔"

"تم نے ہمیں لالچ دلایا ہے نا ...؟"

"میں نے کیا تم سے جب یہ بات کہی تھی آپ کو یہ فضول باتیں کرنے کا حق کس نے دیا؟"

"آہ میں ہار گئی میں ہار گئی" وہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتی وہاں سے آگے بڑھ گئی کوشل نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لئی پھر اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔

"بابر داد خان اپنے کوشل کو بھی نہیں بتاؤ گے ______ یہ سب کیا چکر ہے؟"

"کیا بچا یار کیوں پریشان کر رہے ہو؟ میں نے سے زیادہ نہیں کہا تھا۔"

"بابر داد خان میں نے شرطیں لگائی ہر پریشان لگا ہی میں نے تمہارے نام سے کہا اس گھوڑے پر لگا دیا تھا۔ وہ جیتا ہے ابھی دیکھو، یہ بھی کبھی نہیں جیتا تھا اس میں نے سوچا بابر داد خان کے نام پر یہ گھوڑا جیتنا چاہیے اور یہ گھوڑا جیت گیا۔ بیشتر آج تک کسی ریس میں نہیں جیتا۔ تم بھی یہ بات جانتے ہو ..."

"تو اب اس میں بھی میرا ہی قصور ہے۔ جہاں تم نے جس پر جو داؤ لگا دیا ہے اس کا ذمہ دار میں کیسے ہو سکتا ہوں؟"

"بابر داد خان آج میں نے بہت زیادہ جیتا ہے۔ معاف کرنا مجھے بہت بڑی ... "

"بہرحال کوشل فضول باتوں سے گریز کرو۔ شاید تم نے یہ کہا ہو لیکن اتفاق سے جیت گیا اور بابا تو ہارنا میرے نزدیک ناممکن ہے۔ ... مجھے کوئی جیت نہیں ملی اگر وہ جیت جاتا تم ... اگر اس پر رقم لگاتے تو جیت جاتی ... کوئی جیت نہیں ہوئی۔ یہ سب ... جانے بہرحال کسی چیز کا کبھی بھی جیت میں دخل ہوتا ہے۔"

"میں حیران ہوں۔ میں واقعی حیران ہوں" جب کوشل نے جیت کی رقم حاصل کی تو جان میری اس کے قریب ہی موجود تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"تم نے مجھ سے فراڈ کیا ہے کوشل۔ تم نے مجھ سے فراڈ کیا ہے۔"

"کون سی خاتون ہیں آپ، خواہ مخواہ میرے سر پڑ رہی ہیں۔ کیا میں آپ کے لیے کسی کی مدد دوں یا۔" جان میری جھلاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی کوشل نے میری رقم لا کر میرے حوالے کر دی اور پھر بیٹھ گیا۔

"اس کے بعد دو ریس اور کھیلیں گے۔ بابا جان ریس میں کھیلیں گے؟"

"مجھے تم بدنام کر رہے ہو۔" میرے جواب دیا پتہ نہیں مجھے اب اس بات کی بیزاری سی ہو گئی تھی۔ ضرورت سے زیادہ ہی ریس کی باتیں کرتا تھا۔ میں تو بس دلچسپی کے لیے یہاں آیا تھا گھوڑا جیت جائے یا ہار جائے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دفعتاً میری نگاہ ایک بوڑھے شخص پر پڑی اور نجانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" بوڑھے نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں میں چمک ابھری۔

"اس ریس میں آپ کون سا گھوڑا کھیل رہے ہیں؟"

"فیصلہ نہیں کر پایا۔" اس نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے گولڈن اینجل کھیلئے۔" میں نے کہا۔

"کیا ...؟" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"اگر آپ پسند نہ کریں تو دوسری بات ہے۔ میں نے تو مشورہ دیا ہے۔"

"کھیل لوں ...؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ گولڈن اینجل کھیلئے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ بہت تھوڑے سے پیسے تھے اس کے پاس۔

"کیا آپ گولڈن اینجل پر ہی تم کھیلیں گے؟"

"ہاں میرے پاس یہی ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو مجھ سے ادھار لے لیں۔"

"میں نے اندازہ لگایا کہ ... " اسے سمجھ آیا ... جو بے جواب دیا اور ... 



گولڈن اینجل ہی جیتا تھا جب وہ جیتا تو بڑے میاں میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کی تقدیریں بنا دیتے ہو لیکن میں نے کبھی تم سے بھیک نہیں مانگی۔ تم نے خود ہی مجھے دیا ہے تو تمہارا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔"

"بزرگ میں نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔ میرا خیال تھا کہ گولڈن اینجل جیتے گا۔ اس لئے میں نے آپ سے اس کے بارے میں کہہ دیا۔ بیٹے میں تم سے کچھ مزید گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں کیا مجھے کچھ وقت دو گے؟" کوشل بھی میرے نزدیک ہی تھا۔ بے چین نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

"بے وقوف کو منہ نہ لگایا کرو۔ یہ بڈھے میاں ہر ہفتے ریس کورس آتے ہیں اور رستے پیٹتے گھر چلے جاتے ہیں اگر تم ایسے لوگوں کو لفٹ دینا شروع کر دی تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

"کوشل یہ میرا ذاتی معاملہ ہے پلیز اس سلسلے میں تم مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو۔" میں نے اس سے کہا اور کوشل برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بڑے میاں خاموش تھے کوشل کی باتیں انہوں نے بھی سنی تھیں لیکن ان کا برا نہیں مانا تھا۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولے۔

"مجھے کچھ وقت دو گے؟"

"ہاں۔ ہاں آیئے اس طرف آ جایئے۔ مسٹر کوشل پلیز ہم لوگ کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔" میں نے کہا اور کوشل کسی قدر ناراض سا ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"جی؟"

"میرا نام تھورڈ یک ہے مرزا تھورد یک کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔ میں تمہیں صرف ایک بات بتاؤں۔ ریس کھیلنا میری عادت نہیں ہے نہ مجھے اس سلسلے میں کوئی چاہت ہے۔ بس ... مجھے میری ... زندگی بہت ... ریس کی کھیلتا ہوں ... شوق نے مجھے ... میری زندگی ... میرے ... کے بعد ... خیال ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"میں نے کہا ... کیا بیگم صاحب ..." میں نے جواب دیا۔

"میری اتنی ... بیٹے جتنی تم ... ہے۔" بامشکل ...

سال کی عمر ہے میری لیکن اسی سال کا بوڑھا ہو کر رہ گیا ہوں بہرحال اس احساس کے ساتھ میں نے اپنے بچوں کا حق مارا ہے۔

"واقعی۔ رمی صاحب ... تو آپ کی صحت عمر کے مقابلے میں بہت خراب ہے۔"

"اسی کی وجہ یہی ہے صاحب میں ریس کورس آتا ہوں سوچتا ہوں یہاں مقدر بگڑا تھا ممکن ہے یہیں سے بن جائے۔ تم شاید یقین نہ کرو کئی سال کے بعد آج میں پہلی ریس جیتا ہوں۔ ہوں۔ بہر طور بابا یہ شوق اس حیثیت سے بڑا ہے اگر آپ کے پاس چند لاکھ پیسے ہوں اور آپ اپنے شوق کی تکمیل کے لئے انہیں پھینک دیں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن باقاعدگی سے یہاں آ کر زندگی داؤ پر لگا دینا عقل کی بات نہیں ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔"

"بابا آپ کو ابھی بیٹی ... کتنی رقم درکار ہے؟"

"قرض لوں گا نہ خیرات ہاں۔ تم جو کچھ ہو میں جانتا ہوں۔ اگر تم اس سلسلے میں کوئی مہربانی کر سکو تو میں تاز ندگی تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"لیکن میں ایک شرط کے ساتھ۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں بتاؤ۔"

"اگر آپ اپنی مطلوبہ رقم جیت جائیں تو اس کے بعد آپ ریس کورس نہیں آئیں گے۔"

"مجھے یہ اس قابل نہیں ... کہ اب ان ... دلچسپی ... ورنہ اصل ... کوئی ... نہیں ہے بس یہ مصیبت ہے ... ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کتنی رقم چاہیے آپ کو؟"

"تقریباً سولہ ہزار ... پاس ہے۔"

"یہ سولہ ہزار ... آپ ... اس گھوڑے پر ... جس کی ... "

نوادرات کے شوقین امریکی سیاحوں کو مصر کے لوگ نادر و نایاب چیزیں دکھا رہے تھے۔ "یہ دیکھیے!" انھوں نے ایک سکہ امریکیوں کی جانب بڑھایا "یہ نہایت قدیم سکہ ہے۔ صدیوں سے میرے خاندان میں محفوظ ہے اور دست بدست مجھ تک پہنچا ہے۔"

"لیکن ہمیں تو یہ کچھ زیادہ قدیم معلوم نہیں ہوتا۔"

"خود دیکھیے" سکہ پلٹ کر دکھایا گیا "سکے پر اجرا کی تاریخ درج ہے۔ ۲۵۰ قبل مسیح۔"

"ٹھیک ہے۔" مرزا تصور بیگ نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔ مسٹر کرشل پھر میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مسکرا کے مجھے کہا۔
"یار معاف کرنا تمہارے سلسلے میں رقابت کا شکار ہو گیا تھا۔ اصل میں بات یہ تھی کہ مجھے وقت آ گیا تھا اور میں [illegible] میری [illegible] لیکن مجھے [illegible] غلطی پر تھا۔"
"بڑے میاں [illegible] یہ تو اچھی بات ہے۔"
"شکریہ مسٹر کرشل [illegible]"
"کوئی اور گھوڑا بتلائیے نا۔"
"جی نہیں لیکن اگلی ریس میں، میں اسے گھوڑا ضرور بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔
"اور اس غلام کو بھی۔" مسٹر کرشل نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا، "لیکن اتنی رقم لگا کر مسٹر کرشل کہ آئندہ مجھے یہاں ریس کورس میں داخل ہونے دیا جائے۔"
"ہاں ہاں میں جانتا ہوں اس بات کو، ویسے لوگ میری اور تمہاری قربت کو پسند نہیں کر رہے۔"
"دشمنوں کی باتیں جانے دو۔" میں نے جواب دیا اور کرشل خاموش ہو گیا۔ دوسری ریس شروع ہوئی۔ میں نے گھوڑوں کو دیکھا اور پھر ایک گھوڑے پر میری توجہ مرکوز ہو گئی۔ خاصا اچھا گھوڑا تھا اور اسے جیتنا چاہیے تھا۔ میں نے مرزا تصور بیگ کو اس گھوڑے کا نام بتا دیا اور مرزا تصور تقریباً سات ہزار روپے جیت گئے۔
آخری اور نویں ریس میں بھی میں نے مرزا تصور کو گھوڑا بتلایا اور مرزا تصور کی حالت خراب ہو گئی [illegible] ہزاروں روپے [illegible] تھے۔ پھر گیارہ ہوں اور آخری ریس میں [illegible] اپنا پسندیدہ گھوڑا کھیلا۔ اس گھوڑے پر مرزا تصور بیگ نے تقریباً تیس ہزار روپے لگائے تھے اور جب وہ جیت کر آئے تو ان کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔
تقریباً نوّے ہزار روپے ان کے پاس موجود تھے۔
"لیجیے مرزا صاحب، آپ کا کام ہو گیا۔"
"ہاں ہاں۔" انہوں نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا اور پھر کہنے لگے۔
"ایک اور احسان کرو گے مجھ پر؟"
"جی فرمائیے۔"
"مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ میں اپنے قدموں سے چل کر جا سکوں گا۔" مجھے ہنسی آ گئی لیکن میں ان کی [illegible] کیفیت سمجھتا تھا۔ کرشل بھی میرا ساتھ چاہتا تھا لیکن میں نے اس سے معذرت کی اور مرزا تصور بیگ کو ان کے گھر لے چلا۔ میری گاڑی مرزا تصور بیگ کے بتائے ہوئے راستوں پر جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک پچھلے سے بوسیدہ مکان کے سامنے پہنچ گئی۔
"یہ مکان بہت معمولی ہے بیٹے لیکن اگر پسند کرو تو میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لو۔"
"ضرور۔" میں نے جواب دیا۔ گھر کے ماحول کو میری نگاہیں ترس گئی تھیں۔ میرا اپنا گھر بھی تھا لیکن وہاں صرف ملازم تھے۔ میں ایک محبت کرنے والے گھرانے کا منتظر تھا۔ مرزا تصور بیگ اندر پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اس کمرے میں بٹھا دیا۔ معمولی سا فرنیچر تھا لیکن سلیقے سے آراستہ۔ پھر میرے پاس ایک بزرگ خاتون آئیں اور میں نے انہیں سلام کیا۔
"جیتے رہو بیٹے، کیسے ہو، خیریت سے تو ہو؟"
"جی آپ کی دعا ہے۔" بزرگ عورت عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
"بیٹے مرزا صاحب ابھی مجھے بتا چکے ہیں کہ آج وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ میں نے کبھی ان کے ان مشاغل کو پسند نہیں کیا [illegible] نہیں دیکھا اور پھر اس عمر میں تو آدمی شرم کرتا ہے لیکن جوانی کے بگڑے ہوئے ہیں کہاں سدھرتے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے عجیب سا احساس ہوا ہے۔ ایک عجیب سا احساس۔"
"کیا۔ میں نہیں سمجھا۔؟"
"تمہاری شکل کا ایک اور آدمی بھی دیکھ چکی ہوں لیکن یہ میرے بچپن کی بات ہے۔ بس اس کی تصویر میری نگاہوں میں رہ گئی ہے۔"
"میں نہیں سمجھا۔ کون تھا وہ۔؟"
"اس کا نام بابر داد خان تھا۔" بزرگ خاتون نے کہا اور میرے بدن میں جھنجھناہٹ سی پیدا ہو گئی۔ میں تیز نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا، پھر میں نے کہا۔
"کون بابر داد خان تھا؟ کہاں کا رہنے والا تھا؟" [illegible]
میں [illegible] انہوں نے جو کچھ بتایا اس نے میرے ہوش و حواس چھین لیے۔ یہ میرے ہی گھر، میرے ہی خاندان کا تذکرہ تھا۔ [illegible] مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ خاتون میرے لیے بالکل اجنبی تھیں، میں انہیں نہیں پہچانتا تھا لیکن یہ میرے باپ کا تذکرہ کر رہی تھیں۔
"پورا نام کیا تھا اس شخص کا، جو مجھ سے مشابہ تھا؟"
"ملک بابر داد خان۔"
"آپ کا اس سے کیا تعلق تھا؟" میں نے سوال کیا۔
"میں رشتے میں اس کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ میرا نام زاہدہ ہے۔"



خاتون نے جواب دیا اور ماضی کے دریچے میرے سامنے کھلتے چلے گئے۔ زاہدہ مجھے یاد تھی۔ میری پھوپھی زاد بہن تھی۔ بچپن میں ہم لوگ کافی [illegible] لیکن زاہدہ سے مجھے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔
میں تو اپنے ددھیال کے تمام افراد سے نفرت کرتا تھا۔ ملک خداداد خان نے یہ نفرت میرے دماغ میں بٹھا دی تھی۔ میری ماں کے ساتھ اس حویلی میں جو سلوک ہوا تھا اور میرے ننھیال کے ساتھ ملک صاحب نے جو جو کارروائیاں کی تھیں، انہوں نے مجھے ملک خاندان سے بالکل بد دل کر دیا تھا۔
میرے بہت سے بہن بھائی تھے۔ پتہ نہیں کون، اب اس وقت کہاں ہو، کیا کر رہا ہو، یہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ دل میں بار بار یہ آرزو جاگی تھی کہ ان لوگوں سے ملوں، ان کا اندازہ لگاؤں، ان کا جائزہ لوں لیکن پھر دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ بس جب ان کے درمیان جا کر کیا کرتا اور آج میرے خاندان کی ایک خاتون میرے سامنے آ گئی تھیں تو مجھے مسرت ہو رہی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ اگر میں اظہار کر دیتا کہ میں ہی ملک بابر داد خان ہوں تو کیا وہ یقین کر سکتی تھیں؟ وہ مجھے بیٹا بیٹا کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں جبکہ وہ مجھ سے تین سال چھوٹی تھی۔
ہاں زاہدہ مجھ سے کئی سال چھوٹی تھی۔ بچپن میں دو چار بار میرے ساتھ کھیلی بھی تھی لیکن یہ بالکل بچپن کی بات تھی۔ میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی اور آج وہ مرزا تصور بیگ کی بیوی تھی۔ ایک بوڑھی اور کمزور سی شکل خاتون۔ ایک لمحے کے لیے تو میرے ذہن میں بہت سی خواہشیں ابھری تھیں۔ بے اختیار یہ سوالات ذہن میں سر ابھارنے لگے تھے کہ پوچھوں تو سہی کہ ملک خداداد خان کی حویلی کا کیا حال ہے لیکن میں نے خود کو روک رکھا اور فوری طور پر یہ تمام باتیں ملتوی کر دیں۔
اس کے لیے مجھے بہت کچھ سوچنا تھا۔ اپنی عمر کا تعین بھی کرنا تھا [illegible] کہ میں یقین کر سکتا تھا کہ میں بابر داد خان ہوں [illegible] ایک [illegible] میرا کمال خود [illegible] لیکن خیر [illegible] خود کو سنبھال لیا تھا [illegible] سکا تھا۔
"خوشی کی بات ہے۔ بہرحال یہ اتفاقات ہوتے رہتے ہیں [illegible] تمہاری بات [illegible] رشتہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں تمہیں کچھ تصویریں دکھاؤں۔"
"ضرور ضرور۔ مجھے خوشی ہو گی۔" میں نے کہا۔
"بھئی کہاں کی بات ملا کر بیٹھ گئی ہو بیگم، تمہیں تو ہر وقت اپنے خاندان ہی کی سوجھتی ہے۔ ممکن ہے بابر داد خان [illegible]" مرزا تصور بیگ پر [illegible] ان کی آنکھیں عجیب سے انداز میں بھر آئی تھیں۔
"زاہدہ کیا نام بتایا تھا آپ نے اپنے خاندان کے نوجوان کا۔"
"بابر داد خان۔" بزرگ خاتون نے جواب دیا اور مرزا تصور بیگ پھر حیرت سے مجھے دیکھنے لگے پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"کیا یہ صرف اتفاق ہے بابر صاحب۔"
"ہاں۔ مجھے بھی سن کر ہنسی آ رہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔؟" زاہدہ بیگم نے پوچھا۔
"اتفاق سے ہمارے اس محسن، ہمارے اس دوست کا نام بھی بابر داد خان ہی ہے۔"
"کیا واقعی۔" زاہدہ بیگم چونک کر بولی تھیں۔
"ہاں خاتون یہ صرف اتفاق ہے کہ میری شکل آپ کے خاندان کے ایک فرد سے ملتی جلتی ہے اور میرا نام بھی۔"
"واقعی یہ تو تعجب کی بات ہے۔ بابر داد خان بیٹے تم کہاں کے رہنے والے ہو۔؟"
"[illegible] زمین کا ایک چھوٹا سا [illegible] ہے۔ ویسے میں ابھی [illegible] میں رہتا ہوں۔"
"اس سے پہلے کہاں رہتے تھے؟"
"بھئی [illegible] میں [illegible] رہا۔"
"گویا [illegible]؟"
"جی ہاں [illegible]"
"پھر تو واقعی [illegible] تمہارے بزرگ [illegible] خاندان کے [illegible] شکل ملتی ہے [illegible] بابر داد خان۔"
"ہوں۔ آپ نے تصویریں رکھی ہیں؟" میں نے کہا۔
"تھوڑی [illegible] تصویریں دکھاتی ہوں۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی ایک [illegible] ہوئے [illegible] خاص [illegible] خاندان کی [illegible] آنکھیں جھکی ہوئی تھیں [illegible] بہت [illegible] سا تھا۔
اپنی [illegible] پریشان [illegible]

WWW.PAKSOCIETY.COM

w.paksociety

paksociety





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آئی تھیں۔ لیکن میں نے مملکت کبھی تو توجہ نہیں دی تھی لیکن اس
بینک سے نکالا گیا تو ہم دونوں کو کوئی بھی نہیں کر سکے۔ کرنیا ہندگی دور
میں مسلمان اور پھر تاہم چونکہ کوشل کی شکست تھی کوشل میرا دوست
تھا۔ ملا۔ کیونکہ تھا کہ میں کوشل کو روک سکتا کہ حالانکہ یہ
دوستی بہت زیادہ پرانی نہیں تھی لیکن جس طرح ہم دونوں بے تکلف
ہو گئے تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے بہت سوں کی بڑا تکلیف دہ
تھا۔ میں کوشل کی شکست کو اس سے چھین لوں۔
اور چھینے کا سوال اس لئے بھی نہیں پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ہم
دونوں کے مذہب جداگانہ تھا۔ ناصر تو مسلمان ہوں اور وہ ہندو
تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے گا۔ اس کا کوئی راستہ نکالا گیا یہ
وقت ایسے کرکے سب کچھ کر لوں۔
کوشل نوجوان ہے پتہ نہیں کیوں کوشل نے ہندو نہیں ہوئے
اپنے مذہب سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتی جتنی لڑکیاں رکھتی ہیں لیکن دو تو
اس کے برعکس اپنے دوست سے بہت زیادہ بڑھانے لگی ہے حالانکہ
دو جانتی ہے کہ میرا مسلک کے رجحانات سے تعلق نہیں لگتا لیکن میری عمر
تو تم ایسی ہے کہ میرے یہاں ایک طویل تجربہ ہے اس تجربے کی
بنیاد پر کے زندگی میں جانا چاہیے۔ کرتیا کو کیا ہے وہ تو آگے
قدم بڑھا رہی ہے۔ کہ اس نے کیا نہ کروں سوچنا ہوں اور پھر جب
کال پریشان ہو گیا تو ایک بار پھر بات چیت کی خاطر میں نے اس کا سہارا
لیا تو اس کی وہ اپنے مذہب کے خلاف اب میرے پاس نہیں آئی
تھی۔ ایک بات ہو گئی تھی نہ جانے کہاں جا رہی تھی۔
"ہمرا ایمان جلی ہے تو؟"
"میں کہاں جاؤں گی جان من تم میرے پاس موجود ہو"
اس کی آواز میرے کانوں کے قریب سنائی دی اور میں ایکدم اچھل پڑا اس وقت
تنہائی تھی ہر طرح کی گفتگو اس سے کر سکتا تھا۔ میں نے تحیر زدہ انداز
میں ادھر ادھر دیکھا اور اس کی ہنسی کی آواز میرے کانوں میں ابھری
"کیا بات ہے بہت پریشان ہو بابر ولد خان۔"
"تم پریشانی کی بات کرتی ہو ابھرا میں زندگی سے بیزار
ہوں۔"
"ارے ارے کیسے نا سپاس انسان ہو میں نے تمہیں زندگی کی
تمام لطافتوں سے بھرپور کر دیا ہے کیا نہیں ہے تمہارے پاس مجھے
بتاؤ کیا کچھ نہیں ہے تمہارے پاس اور تم زندگی سے بیزاری کا
مظاہرہ کر رہے ہو بابر ولد خان یہ تو بہت عجیب بات ہے تم اپنے آپ
کو دیکھو اور دوسروں کو دیکھو کہ فرق ہے تم میں اور ان میں تم عیش و
عشرت کی زندگی گزار رہے ہو جو بیان کر دوں لوگ تصور نہیں کر سکتے اس کے
باوجود تم اس زندگی سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہو!"

"بس بس منطق نہ بگھارو میرے سامنے تم دنیا کی مسائل ہو۔"
"مگر مجھ سے تو تم ان باتوں سے دور ہو سکتے تم جا ہو ہو سکتی ہو بیمار،
جا سکتی ہو لیکن میرا اس دنیا کا ایک فرد ہوں میرے مددگار
ہونے سے بھاگ سکتے ہیں ہر جگہ میرے لئے مشکلات موجود ہیں تمہاری
سوچ تم سے مختلف نہیں کی فرمائش کیا ہوگی؟"
"اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے بابر ولد خان کہ تم نے دوستوں
پر اعتماد کرنا نہیں سیکھا اگر تم اپنے ساتھی کی طرف لوٹ جاؤ تو تمہیں
مشکلات بھی مشکل نہیں لگے۔ تم نے کبھی کسی پر اعتماد نہیں کیا یہ بہت
بری بات ہے اعتماد کرنا سیکھو۔"
"دوست ہیں؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"میں نے کہا کہ تم ناشکرے ہو کیا میں تمہاری دوست نہیں
ہوں؟"
"دوست تھیں تو چلی کیوں گئی تھیں؟"
"کہیں بھی چلی گئی تھی اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے
جب تم کسی الجھن میں پھنسو گے اور میں تمہارے پاس موجود نہ ہوں گی
تو تم مجھ پر طنز کرنے میں حق بجانب ہو گے بابر ولد خان ویسے بابر
ولد خان دو تم میرے محبوب ہو اور میں تم پر جان نچھاور کرتی ہوں اور
یہ بات تم کو سمجھ لینا ہے کہ تمہاری کسی الجھن کو سکتی ہوں ہم دونوں
ایک دوسرے کے تعاون کے لئے بنے ہیں۔"
"اور اب تو میں مکمل طور پر تمہارے سامنے آگئی ہوں چنانچہ یہ
میری ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہر طرح کی الجھنوں سے بچاؤں لیکن
حقیقت میں تم یہ کام میرے ساتھ مل کر کرو گے تمہیں ہندو کے کام کرتے رہو
میں بھی تمہارے ساتھ تمہیں ہندو کی طرح بنا دوں گی اور ہر وہ خواہش جو
تمہارے دل میں پیدا ہوگی اسے پورا کرنا میرا فرض ہوگا یہی کام
تمہیں بھی کرنا ہوگا اب مجھے بتاؤ تم کون سی مشکل میں ہو۔ دیکھو
تمہارے لئے کے رئیس لوگوں میں شہنشاہوں کی طرح لوٹ رہے ہو
ہو ہر طرح کی آسائشیں مہیا ہو گئی ہیں اور تم زندگی سے
بیزاری کا اظہار کر رہے ہو۔"
"مگر مجھے تمہاری ضرورت ہوتی ہے تو تم کیوں نہیں ملتیں؟"
"اس لئے کہ وہ ضرورت بے معنی ہوتی ہے ایسی مشکلات
جن کا حل تم خود تلاش کر سکتے ہو ان میں مجھے شامل کرنا بے کار
بلکہ زیادتی ہے میرے ساتھ ہاں جہاں کہیں میں تمہارے
ذہن میں شدید الجھن محسوس کروں گی وہاں تم سے دور نہیں
رہوں گی یہ اپسرا کا وعدہ ہے۔"
"تو اس وقت کی الجھن سے واقف ہو تم؟"
"کیوں نہیں لیکن تم اسے الجھن سمجھ رہے ہو تا یہ نہیں



کیوں تم اپنے ذہن میں پرچھائیں لئے بیٹھے ہو میں تم سے کہہ چکی
ہوں کہ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس وقت تک جب تک کہ
میں نہ چاہوں چنانچہ جو دل چاہے کرتے رہو جہاں اپنی زندگی
کے لئے خطرہ محسوس کرو یا اپنے ذہن میں شدید پریشانی محسوس
کرو مجھے آواز دے لینا اس وقت اگر میں تمہارے پاس نہ آ پہنچوں
تو پھر آئندہ تم میرے احکامات پر عمل نہ کرنا۔"
"اوہ۔ اور اب مجھے بتاؤ اس لڑکی کا کیا کروں؟"
"کوشل کی بات کر رہے ہو؟"
"ہاں۔ وہ ہندو ہے لیکن میری بیوی تارہ لغاری کی وہ
ہمشکل ہے میرا دل اس سے قریب ہوتا ہے لیکن مستقبل کے
احساسات مجھے کوئی غلط قدم اٹھانے سے روکتے ہیں۔"
"غلط قدم۔ بیوقوف آدمی انسان بنی نوع جذبات کے
سپرد ہوتا ہے اور جو خواہش اس کے دل میں پیدا ہو جائے وہ
غلط نہیں ہوتی وہ مجبور ہے اس خواہش کی تکمیل کے لئے تمہارے
دل میں اس لڑکی کے لئے جو بھی تاثرات ہیں تم انہیں قبول کر لو اور
دل کی ہدایات پر عمل کرو عقل سے سوچنا چھوڑ دو کیونکہ دنیا
میں نے سنبھال لیا ہے بس تمہاری مددگار کی طرح تم میں موجود
رہوں گی۔"
"تو پھر کوشل میرا دوست ہے... اس کا میں
کیا کروں؟"
"فضول باتیں ہیں تمہارے بارے میں دنیا میں کسی نے سوچا
اگر آج میں تمہارے ساتھ نہ ہوتی اور تم کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچ
جاتے تو جانتے ہو کیا ہوتا بمبئی کی کسی سڑک پر بیٹھے بھیک مانگ
رہے ہوتے لوگ تمہیں بھیک بھی نہ دیتے تمہارے جیسے لوگ
پر تم ان پڑی ہوتی بال سفید ہو چکے ہوتے اور یہ سب چیزیں
بہت بڑی حیثیت ہو سے رہے ہیں تمہاری طرف تھوکنا بھی پسند
نہیں کرتے تھے جب دنیا تمہارے لئے نہیں سوچتی تو تم دنیا
کے لئے کیوں سوچتے ہو سنو تم نے حیات ابدی کی جانب قدم
بڑھا دیئے ہیں یہ ابھی ابتدا ہے اگر تم میرے معاون کار رہے
تو میں تمہیں دیکھتے رہو کیا سے کیا بنا دیتی ہوں۔"
"مگر میں اس دنیا میں بہت زیادہ عرصے جینا نہیں چاہتا۔"
"مرنا چاہتے ہو۔" اپسرا نے پوچھا اور میں خاموش ہو کر ادھر
ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔
"بولو جواب دو۔ اگر تم یہ خواہش بھی کرو تو میں ابھی وقت
پوری کر سکتی ہوں۔ مجھے ہنسی آگئی ظاہر ہے میں مرنا نہیں چاہتا
تھا۔ زندہ رہنے کی جس بات کا تذکرہ میں نے ابھی کیا تھا وہ بھی

پتہ نہیں کیوں جھنجھلاہٹ میں میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ انسان
تو واقعی بڑی کمزور شے ہے۔ بہر حالت تمہیں زندگی سے کچھ رہا چاہتا
ہے اور پھر میرے لئے تو زندگی بے حد آسان ہو گئی تھی لیکن یہ
وقتی جھنجھلاہٹ تھی جس کی شکایت میں اپسرا سے کر رہا تھا چنانچہ
چند لمحات کے بعد میں نے خود کو سنبھال لیا اور مسکرا کر بولا۔
"نہیں اپسرا میں مرنا نہیں چاہتا۔"
"تو پھر جھگڑا کس طرح جیو جیسے انسان جیتے ہیں کسی
پریشانی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں ہدایت دیتی
رہوں گی۔"
"ٹھیک ہے بھائی ٹھیک ہے میں تو اب تمہارے جال میں
پھنس ہی گیا ہوں جو کچھ تم کہو گی کروں گا۔"
"دیکھو بابر ولد خان ایسی باتیں آئندہ مت کرنا۔ تم میری
قرابت کا کوئی اندازہ یا احساس نہیں رکھتے تم وہ ہو جس نے مجھے تباہ کیا
جس نے میری ہزاروں سال قدیم شکست مجھ سے لی اور میں نے تمہیں
یکھ لیا کہ حالانکہ تم میرے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے جب چاہوں
تمہیں چٹکیوں میں مسل دوں لیکن میں ایک دوسری طبیعت
کی مالک ہوں میں اپنے دشمنوں ہی سے اپنا کام نکالنا جانتی ہوں
اور اب دیکھ لو کہ ہم دشمنی کی حدود سے نکل کر دوستی کے کن
مراحل میں داخل ہو گئے ہیں چنانچہ تم مجھ پر اعتماد کرو اور مجھ

## ٹھنڈی مچھلی

رملا ایک چھوٹی مچھلی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
اس میں یہ خوبی رکھی ہے کہ اگر یہ ماہی گیر کے جال
میں پھنس جائے اور جال کی رسی ماہی گیر کے ہاتھ
میں ہو تو ماہی گیر اس کی ٹھنڈک سے کانپنے لگے
گا۔ ماہی گیر مچھلی کے اس وصف کو جانتے ہیں چنانچہ
جب انہیں پتا چلتا ہے کہ ان کے جال میں رملا مچھلی
پھنس گئی ہے تو وہ جال کی رسی کو درخت سے باندھ
دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مر جاتی ہے۔ پھر اسے نکال لیا
جاتا ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس کی ٹھنڈک والی
صفت باقی نہیں رہتی۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر بھی بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی۔"

آواز بند ہو گئی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ واقعی اس سے گفتگو کرنے سے ذہنی تھکن دور ہو گئی تھی بہت سا بوجھ میرے ذہن سے ہٹ گیا تھا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر سوچا کہ آئندہ اس سلسلے میں پریشان نہیں کروں گا۔ ہاں جب کبھی ضمیر کے احساسات جاگے تو خود کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ دوا اس کے نتائج سے زندگی کی تمام تر خوشیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

دوسرے دن حسب دستور گیلارڈ میں پہنچ گیا۔ ابھی چند ہی لمحات ہوئے تھے گیلارڈ میں داخل ہوئے کہ میں نے دروازے سے کویتا کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ پیکاک بلیو کلر کی ساڑی میں وہ قیامت لگ رہی تھی۔ میں نے بے شمار نگاہیں اس کی جانب اٹھتی ہوئی دیکھی تھیں۔

میک اپ سے بے نیاز چہرہ، بکھرے بکھرے بال، درحقیقت وہ دیکھنے کے قابل لڑکی تھی۔ نگاہیں اسی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ہم دونوں ایک کیبن میں داخل ہوئے تو بہت سی ٹھنڈی آہیں ہمارے کانوں میں گونج اٹھیں۔ کویتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ کیبن کا پردہ کھینچ کر ہم اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"بڑی مشکل ہے بابر صاحب! انسان کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا ہے۔"

"یہ بات نہیں، یہ مشکل تو آپ نے ان لوگوں کے لئے پیدا کی ہے کویتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کیوں؟"

"اتنی خوبصورت رنگ کی ساڑھی اور ایسے خوبصورت کھلے ہوئے رنگ پر لوگ پریشان نہ ہوں گے تو کیا ہوگا؟" وہ آہستہ سے ہنس پڑی تھی۔ پھر ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرنے لگے۔ ویسنا سے بھی زیر بحث آیا۔ کویتا نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی تھی بس گردن جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ جب میری بات ختم ہو گئی تو وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ بھی ہو بابر جی، سب سے پہلا کام تو آپ یہ کیجئے کہ کوشل کو میرے راستے سے ہٹا دیجئے۔ آپ یہ بات کان کھول کر سن لیں کہ اگر آپ کی نہ ہوئی تو پھر اس جیون میں کسی کی نہ ہوں گی۔"

"لیکن کویتا کیا تم میرے لئے اپنا دھرم بدلنے کو تیار ہو؟"

"[illegible]" وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیوں، کیا اس دھرم میں رہ کر میں تمہاری جیون ساتھی نہیں بن سکتی؟" اس نے سوال کیا۔

"دیکھو کویتا! میں ہر چند کہ زیادہ مذہبی انسان نہیں ہوں لیکن زمانہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے، یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گا کہ میں اپنا دین تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ لوں، یہ میں ہرگز بھی نہیں سوچ سکتا کویتا۔"

"مگر میں تو سوچ سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہی کہ اگر دھرم بدلنے ہی کی بات ہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"اوہ۔" میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ کویتا تو واقعی بڑی ہی وفاداریوں کا ثبوت دے رہی تھی۔ وہ میرے اس قدر قریب ہو جائے گی، اس کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس سے اس سلسلے میں ایک سوال کر ڈالا۔

"کویتا! برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہو نا، کون برا مان رہا ہے تمہاری باتوں کا؟" وہ آپ سے تم پر اتر آئی۔ آہستہ آہستہ وہ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔

"کویتا، کوشل بھی خاصی شکل و صورت کا مالک ہے اور پھر تمہارا منگیتر بھی ہے، مجھ میں کیا رکھا ہے جو تم اسے چھوڑ کر میری طرف راغب ہو رہی ہو؟"

"بابر دادا یہ نہیں کہ کس انسان میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ آپ مجھے ایک بات بتائیے کہ جیسی؟ دوسری آپ کو نہ ملی ہوں گی۔ لیکن آپ یہاں میرے پاس موجود ہیں، باہر بھی بہت سی لڑکیاں ہیں، کیا ان میں سے کوئی آپ کی دوست نہیں بن سکتی؟ آپ یہ بتائیے کہ آپ نے میری بات کیوں مان لی؟"

"ہاں، کویتا اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان نہ جانے کب کسی نہ کسی کی جانب راغب ہو ہی جاتا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔"

"اور پھر گہری نیند سو گئے۔" کویتا مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں رات کو ایک پل بھی نہیں سو سکی، میری آنکھیں ابھی تک سرخ ہیں دیکھ رہے ہوں گے آپ۔ میں جاگتی رہی ہوں، نیند ہی نہیں آئی۔"

"اوہ کویتا اتنی پریشان نہ ہو میرے لئے۔"



"ہوں، اس لئے کہ ہمارے راستوں میں رکاوٹیں ہیں اور کوشل ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

"حالانکہ وہ میرا دوست ہے۔"

"میں بھی تو آپ کی دشمن نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا کویتا سوچیں گے اس بارے میں، ابھی بیٹھے بیٹھے یہ کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔"

"کچھ بھی ہو جائے، بس میں نے آپ سے کہہ دیا کہ میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی بابر جی! چاہے مجھے یہ سارا سنسار چھوڑنا پڑے۔" اس نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات ابھر رہے تھے حالانکہ السا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میری راہ کی مشکلات دور کرنے میں وہ میری معاون ہو گی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ ایک عورت کی حیثیت سے میری راہ میں مزاحم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے اس سے پہلے بھی مجھے بہت کچھ کہا تھا۔ اس معصوم عورت کے سلسلے میں جو اپنا بچہ میرے ہاتھوں کھو چکی تھی جس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی۔ السا نے کہا تھا کہ میں اسے حاصل کر لوں لیکن میں اتنا خطرناک انسان نہیں تھا۔ اب کویتا میرے راستے میں آئی تھی، ہر چند کہ ستارہ شناسی کی مشکل ہونے کی حیثیت سے میرا دل اس کی جانب کھینچتا تھا لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ کتنی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اگر وہ اپنا گھر چھوڑ دے۔ اگر میں اسے یہاں سے لے کر نکل جاؤں تب بھی جتنے ہنگامے کھڑے ہوں گے اور مجھے جن جن نگاہوں سے دیکھا جائے گا ان تمام باتوں کا مجھے احساس تھا لیکن دل [illegible] تھا۔ میں نے سوچا کہ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

پھر تھوڑی دیر تک میں کویتا کے ساتھ رہا اور پھر ہم دوسرے دن اپنے مکان پر ہی ملنے کا وعدہ کر کے اٹھ گئے۔ باہر کویتا کی کار موجود تھی۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چلی گئی اور میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر آ گیا۔

دوسرے دن صبح تقریباً گیارہ بجے ہوں گے کہ ایک کار میرے گھر کے دروازے پر آ کر رکی اور میں نے فوراً پہچان لیا۔ کوشل کی کار تھی۔ کوشل پونا سے آیا ہوا تھا۔ میں نے عجیب سے انداز میں اس کا استقبال کیا۔ آج میرے استقبال میں وہ گرمجوشی نہیں تھی جو کوشل کے لئے پہلی تھی لیکن وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

"سیدھا پونا سے آ رہا ہوں، بس ایک ہفتہ تم سے دوری بھی برداشت نہیں ہو سکی۔" اس نے کہا۔

"ارے کوشل ڈیئر تم واقعی اچانک ہی آ گئے۔" میرے ذہن میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد کویتا نے آنے والی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں آ گئی تو کوشل پر اس کی آمد کا کیا اثر پڑے گا۔ "میں نے اس سے سوال کیا۔

"کویتا سے ملے؟"

"نہیں ابھی کہاں، سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے کویتا سے زیادہ مجھے تم سے پریم ہے۔"

"کوشل ایک بات بتاؤ، کیا کویتا کا اور تمہارا سلسلہ بہت عرصے سے چل رہا ہے؟"

"بہت عرصے سے تو نہیں، جب سے وہ میری منگیتر بنی ہے میں اس کے ساتھ رہتا ہوں یہاں۔ جب میں آتا ہوں ہم دونوں کی شامیں بلکہ دن ساتھ ساتھ ہی گزرتے رہتے ہیں۔"

"ہوں۔ کویتا تم سے متاثر ہے؟"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن میری منگیتر ہے، آج نہیں تو کل متاثر ہونا پڑے گا اسے۔" کوشل نے بڑے اعتماد سے جواب دیا اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک اور کار کی آواز ابھری، کویتا برآمد ہوئی۔ کوشل کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے لیکن پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ کویتا ہنستی مسکراتی آ رہی تھی۔ آج بھی وہ ایک ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی میں ملبوس تھی اور انتہائی پیاری لگ رہی تھی۔ جتنے پہلے دوسری کلر کی ساڑھی میں۔ وہ جس بے تکلفی سے یہاں آئی تھی، کوشل کو اس سے کچھ احساس سا ہو گیا اور ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ کویتا نے کوشل کو دیکھا اور ٹھٹک گئی۔

"ارے، تم؟ تم کب آئے کوشل جی؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔" کوشل نے جواب دیا۔

"اچھا، بغیر اطلاع کے آ گئے اور اب میرے پاس آنے کے بجائے تم بابر جی کے پاس آ گئے ہو۔"

"نہیں نہیں، بس اب ہم تمہارے ہی پاس آنے والے تھے۔"

"اچھا۔" کویتا نے ایک [illegible] شکایتی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ "[illegible] کیوں لگا لیا، ہمارا تو کچھ اور ہی پروگرام تھا بابر جی۔" [illegible] کہ کوشل اس کی اسی طرح بے تکلفی سے یہاں آمد کو بڑی [illegible] کر رہا ہے۔ چند لمحات تو کویتا کچھ جھینپی سی رہی لیکن اس کے لہجے نے بے تکلفی کو ختم کر دیا۔

"کل شام کو ہم ذرا گھیا [illegible] پروگرام بنے ہوا تھا بابر جی۔" اس نے کہا۔

"ارے، کیسا پروگرام؟"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھا اچھا بھول گئے ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس کام کے لئے نہیں گے اب آپ تیار ہو جائیے میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔" میں ایک لمحے کے لئے چکرا کر رہ گیا تھا کون سے کام کی بات کر رہی تھی وہ لیکن پھر میں فوراً سمجھ گیا کوشل کو وہ درمیان سے کاٹنا چاہ رہی تھی وہ۔

"کوئی پروگرام تھا آپ لوگوں کا؟" کوشل نے چپکے سے ایسے میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں کوشل آپ بھی ہمارے پروگرام میں شریک ہو سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے لوگوں سے ملا تھا۔ کوشل میں شام کو تمہارا انتظار کروں گی۔ شام کو تم گھر پر آ جانا آج رات میں ہم لوگ مصروف ہیں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے میں شام کو آ جاؤں گا۔" اچھا یار صاحب میں چلوں۔" کوشل نے پوچھا اور میں منہ کھول کر رہ گیا۔ کوشل خود ہی چلا گیا تھا۔ کویتا اس کے جانے کے بعد گہری سانس لے کر مسکرانے لگی۔

"کیسی رہی؟" اس نے پوچھا۔

"یہ اچھا نہیں ہوا کویتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا ہو یا برا مجھے اس کی چنتا نہیں ہے۔ جب میرا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تو پھر خواہ مخواہ اس کے غم میں گھلنے سے کیوں سوچا جائے؟"

"مگر کویتا شاید یہ تم نے ٹھیک [illegible]"

"دیکھو یار! اگر تم نے ایسی باتیں کیں تو اچھا نہیں ہوگا بس ہم کچھ نہیں سوچیں گے بس بیٹھے رہیں گے شام کو ہو سکتا ہے وہ [illegible] ختم کر دوں گی کہ تنگ کرنے آئے تو دیکھا جائے گا۔ آج جشن ہوگا۔"

"کویتا تم آگ سے کھیل رہی ہو۔"

"میں آگ سے کھیلنا جانتی ہوں۔ آپ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھائیں" جواب دیا۔

میں نے ایک لمبی سانس لے کر گردن ہلا دی۔ کویتا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس طرح مطمئن نہیں پا رہا تھا۔ ایک طوفان کھڑا ہونے لگا۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ کویتا آخر میرے لئے نشانہ بن جائے گی لیکن میں بھی اس فساد سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا تھا۔ [illegible]

چکر میں پھنسا لیا۔ لیکن کویتا کی ضد کے آگے یہ ساری باتیں بیچ معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ رات کو تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک میرے ساتھ رہی۔ شام کو تقریباً پانچ بجے ہم سمندر کنارے نکل گئے تھے اور باقی وقت وہیں گزرا۔ پھر کویتا کو اس کے گھر پر چھوڑنے کے بعد میں واپس اپنے گھر آ گیا۔ دل میں خدشہ تھا کہ کوشل کہیں میرے گھر پر موجود نہ ہو۔ ظاہر ہے کویتا نے جو وقت اسے دیا تھا اس وقت وہاں نہیں تھی۔ کوشل اسے میرے ساتھ دیکھ کر گیا تھا۔

اس لئے اس نے اس کے گھر والوں کو بھی آگاہ کیا ہوگا کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ پتہ نہیں اس وہاں کیا ہنگامہ آرائی ہوئی ہو۔ گھر پہنچ کر ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے کسی ایسے شخص کی آمد کی اطلاع نہ دی۔ اور ایک حد تک اطمینان ہو گیا۔ کوشل دوسرے دن بھی نہیں آیا تھا۔ صبح کو کویتا کا فون آیا اور اس نے کہا۔

"ہیلو۔ یار کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں بس پریشان بیٹھا ہوں۔"

"بس تم نے تو پریشانیاں اپنے آپ پر مسلط کر لی ہیں۔"

"کوشل کی سناؤ کیا ہوا؟"

"وہ میرے گھر نہیں آیا۔"

"نہیں آیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتا ہے واپس چلا گیا ہوگا۔" کویتا نے کہا پھر بولی "اب یہ بتاؤ ملاقات کب ہو رہی ہے؟"

"جب تم چاہو ویسے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے شام کو [illegible] میں ملتی ہوں۔" کویتا نے جواب دیا۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ کویتا نے ٹیلی فون بند کر دیا تو میں کوشل کے بارے میں سوچنے لگا میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ کوشل کے سلسلے میں کیا کروں۔

چنانچہ اس سے زیادہ کچھ تعلق نہیں تھا بس وہ میرا احسان مند تھا جبکہ میں نے کبھی کوئی احسان نہیں کیا تھا لیکن دل اس کے لئے دکھ رہا تھا۔ میری وجہ سے اس کی محبت کی بے عزتی ہو رہی تھی لیکن قصور میرا بھی تو نہیں تھا۔ شام کو کویتا سے ملاقات ہوئی۔ بہت خوش تھی۔ [illegible] بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

"سنو" [illegible] ہم لوگ گفتگو کرتے رہے پھر میں نے کویتا سے کہا۔



کہ ہماری اس اپنائیت اور قربت کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس کے والدین کسی طرح اسے میرے ساتھ رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ جسے یہ کویتا کہنے لگی۔

"دیکھو پاپی جی آپ ہمیشہ خواہ مخواہ کی باتیں کرتے ہو [illegible] نہیں رہی ہے جیسے [illegible] کسی طرح ممکن ہے [illegible] تو اپنے من میں [illegible] کچھ مانتے ہو۔ میں نے اپنے من میں تمہیں سب کچھ مان لیا ہے تو پھر دوسروں کی کیا پرواہ۔ میں جانتی ہوں میرے گھر والے کبھی مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے [illegible] لیکن دنیا تو بہت بڑی ہے ہم دنیا کے کسی گوشے میں اپنے لئے کوئی خوبصورت پناہ گاہ تلاش کر لیں گے۔ [illegible] باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کاروبار ٹھیک ٹھاک ہے مجھے جو کچھ تم چاہو وہ میں مہیا کر سکتی ہوں۔ ہم دونوں کسی خوبصورت جگہ کو اپنا لیں گے [illegible] ایسے لوگ یہ سمجھیں کہ ہم یہاں سے کہیں اور چلے گئے لیکن ہم بمبئی ہی میں رہیں گے میری نگاہ میں ایسے کئی ٹھکانے ہیں جو ہمیں پناہ دے سکتے ہیں۔ ہم اپنا حلیہ اپنی شکل و صورت بالکل ہی بدل لیں گے اور اس کے بعد تمہیں [illegible] کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔" کویتا کے ذہن میں جیسے پروگرام تھے لیکن [illegible] الجھا ہوا تھا میں نے کویتا کو رخصت کیا اور اپنے گھر آ گیا۔ رات کو [illegible] میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کی آواز مجھے اچھی طرح [illegible] سنائی دی تھی۔

"جی فرمائیے یاور خان صاحب۔"

"آپ ایسی بڑی پریشانیوں کا شکار ہوں؟"

"اپنے تم پریشانیوں کے بارے میں معلوم ہے خواہ مخواہ اپنے ذہن کو [illegible] کر رہے ہو میں بار بار تم سے کہہ چکی ہوں [illegible] کہ تم [illegible] جو تمہارا راستہ [illegible] میری محبت میں تم اپنی زندگی کا ایسا [illegible] کرو گے جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ دوسروں کی [illegible] کوشل جیسے لوگ [illegible] پریشان ہو [illegible] کویتا [illegible] زندگی کی لذتوں سے [illegible] اس کے بعد [illegible]

[illegible]

"ہاں۔ تم کویتا کو دھوکا دو اسی طرح جیسے تم نے [illegible] دھوکا دیا تھا۔"

"مگر اس سے تمہیں کیا ملے گا؟"

"اگر انتقام ہے تو [illegible] بڑے سیدھے سادے [illegible] انتقام لینے کے طریقے [illegible] تم نے مجھے [illegible] دی ہے جو تم ساری زندگی دولت خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے [illegible] تم حق بجانب ہو؟"

"لیکن میں بہت پریشان ہوں۔"

"میری [illegible] ذہن سے نکال دو [illegible] کوشش کی [illegible] زندگی [illegible] سے تم [illegible]"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"بس وہ [illegible] بتا [illegible] کویتا کے بارے میں سوچنے لگا۔"

[illegible]

لیکن [illegible]

[illegible]



www.paksociety.com

میں آیا۔ لیکن میں نے ذہن جھٹک دیا۔ وہ خود ہی سب کچھ تو دیکھ جائے گا۔

ایک شام کوئیتا آئی تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"معاملہ شروع ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کوشل نے آپ کا نام لے دیا ہے [illegible] نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ میں ایک مسلمان آدمی کے جال میں پھنس گئی ہوں اس نے آپ کا پتہ وغیرہ سب بتا دیا ہے۔ بابوجی اور ممی [illegible] اس سلسلے میں [illegible] ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بڑی سختی سے آپ کے بارے میں پوچھا [illegible] بہتر یہ ہے کہ ہم یہ شہر چھوڑ دیں اور کہیں ایسی جگہ چلے جائیں جہاں ہمارا [illegible] نہ سکیں۔"

"مگر کوئیتا فوری طور پر اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہے؟"

"سب کچھ ممکن ہے [illegible] میری ایک سہیلی کا فلیٹ ہے وہ ان دنوں یورپ گئی ہوئی ہے۔ فلیٹ کی چابی میرے پاس ہے۔ کسی کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے کہ اس فلیٹ سے میرا کچھ تعلق ہو سکتا ہے۔ ہم وہیں چلے جائیں گے۔"

میں بے بسی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تب کوئیتا نے [illegible] کہا۔

"دیکھو [illegible] سب کچھ [illegible] محبت کی [illegible] نہیں ہوتا۔ [illegible] تمہاری دوست [illegible] زندگی [illegible] اور تم اپنے [illegible] محبت [illegible] رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں کوئیتا بس [illegible]"

"بس کچھ نہیں یہاں سے چلو فوراً چلو [illegible] بہت سامان [illegible] اس وقت [illegible]"

## دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے ٹی وی خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی۔ جب بھی ٹی وی بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔ ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے چیک کرایا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا، ٹی وی دیکھا، اینٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ ٹی وی کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر "ٹی وی ہینڈبک" نامی کتاب دیکھی [illegible] روپے میں خریدلی۔ پڑھی تو معلوم ہوا کہ [illegible] ٹی وی کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب [illegible] ٹی وی گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا۔ محمد اعظم نے [illegible] ٹی وی گائیڈ بھی [illegible] روپے میں خریدلی [illegible] بہت سی باتیں معلوم ہوئیں تو محمد اعظم نے [illegible] کا سامان جو ٹی وی کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے ٹی وی پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ہمت بڑھی — پڑوس کے لوگوں کے ٹی وی بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگے۔ ایک دن دیکھا —— محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی ریپیئر ہاؤس — ملنے کا وقت: صبح ۸ سے ۹ بجے تک، شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے لئے پارٹ ٹائم جاب حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے ٹی وی کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھ سکتا ہو اور ٹی وی سے دلچسپی رکھتا ہو "ٹی وی گائیڈ" اور "کلر ٹی وی ہینڈبک" [illegible] اچھا مکینک بن سکتا ہے —— رام کرشن اگروال



نہیں تھا کہ میں کوئیتا کے کہنے پر عمل کروں۔ مجھے تو دونوں ہی طرف سے [illegible] چنانچہ میں نے چند ضروری چیزیں [illegible] سوٹ کیس میں رکھیں۔ ملازم کو ہدایت دی اور کہا کہ میں باہر جا رہا ہوں [illegible] کے بعد میں کوئیتا کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

ہم دونوں [illegible] کے اس فلیٹ میں پہنچ گئے جس کی چابی کوئیتا کے پاس تھی۔ خوبصورت اور سجا ہوا فلیٹ تھا۔

کوئیتا نے کہا "یہ اس کی سہیلی کا فلیٹ ہے اور سہیلی اس وقت تک [illegible] یہاں کوئی [illegible] فلیٹ میں آنے کے بعد کوئیتا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہم تھوڑی سی کوشش کر کے ایک ملازم رکھ لیں گے [illegible] یہاں [illegible] زندگی گزاریں گے [illegible] جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو ہم یہاں سے [illegible] نکل جائیں گے وہاں [illegible] نئی زندگی کا آغاز کریں گے [illegible]"

"اور کوئیتا اتنا طویل [illegible]"

"محبت کے [illegible]"

[illegible]

"[illegible] تمہاری [illegible]"

[illegible]

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں اسے غور سے سن لو۔ میں نے تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کر دی ہے اب وہ لڑکی [illegible] ایک معصوم سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے اس لئے اب اس کا تمہاری زندگی میں کوئی مزید دخل نہیں ہے۔"

"کک ۔۔ کیا مطلب؟"

"میں نے تمہارا کام کیا اب تم میرا بھی تو کام کرو۔ اندازہ ہے [illegible] دن ہو گئے مجھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ براہ کرم مجھے کھل کر بتاؤ۔"

"کوئیتا کو قتل کر دو" [illegible] کوئی اور میرا [illegible] بدن [illegible] تبدیلی ہو گئی۔ [illegible] میں اپنی مرضی سے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"تم چپ کیوں ہو گئے؟"

"کک ۔۔ کیا [illegible]"

"ہاں۔ مجھے اس کے خون سے غسل کی ضرورت ہے [illegible] اس کا خون [illegible] کر سکتی ہوں۔"

[illegible]

"تم نے [illegible] کوشش کر رہے ہو [illegible] تمہاری اس بات سے سخت نفرت ہے [illegible] تیار ہوں [illegible] کیا خیال ہے [illegible]؟"

"[illegible] بن سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے اگر تم [illegible] ہوں" اس نے کہا اور [illegible]

"سنو تو سہی میری بات تو سنو [illegible]"

"کل شام کو [illegible] اور [illegible] تم [illegible] میں نے کہا اور [illegible] چند لمحات کے لئے ہوش و حواس سے عاری ہو گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرتا کی یہ ایک جنون کی صفت نے درحقیقت مجھے اس سے
نت کرنے سے روک دیا تھا جو اب میں اس کے لیے محسوس کر رہا تھا
ابتدا نے کوتیار تھا، ایسے بیکرو ان سب سامنے چھوڑ کر چکا تھا
کریتا کو قتل نہ کروں تو مجھے یقین تھا کہ خود زندگی سے ہاتھ دھو
بیٹھوں گا۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا اور اگر اسے قتل کر دوں تو خالید
بیٹے آپ کو زندگی کے آخری سانس تک معاف نہ کر سکوں۔ بڑی
کی نیند کے عالم میں تھا کہ کریتا اندر آگئی۔ ڈھلی ڈھلی نکھری نکھری
سی بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی

میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا میرے دل میں طرح
طرح کے خیالات اُبھر رہے تھے ایک گولہ سا حلق میں بار بار اٹک رہا
تھا۔ یہ کریتا، یہ کریتا اب موت کی آغوش میں ہے اور اسے
موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ کریتا نے میری نگاہوں کا مفہوم
کیا اور اس کے چہرے پر شرم کے تاثرات پیدا ہو گئے۔
"اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو جیسے
پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ میرے
سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔
"بس اب اتنی زیادہ محبت کا اظہار مت کرو کہ میں
پاگل ہو جاؤں، ویسے ایک بات کہوں یار کیا؟"
"وہ... میں چونک پڑا۔"
"ایک بات کہوں؟"
"ہاں ہاں کہو۔"
"طبیعت اکتا نہیں گئی یہاں اس فلیٹ میں رہتے رہتے
کئی دن ہو گئے اب تو میں۔"
"شہر کے حالات کا پتہ نہیں چل سکے معلوم نہیں ہو سکا
کہ تمہارے پتا جی نے اب تک ہمارے خلاف کیا کیا ہے۔"
"کچھ بھی کیا ہو لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے میں
بالغ ہوں اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتی ہوں بس خطرہ ہے تو
صرف اس بات کا کہ ہمارے اس بیاہ کو وہ دھرم کا مسئلہ نہ
بنا دیا جائے باقی مجھے کسی اور چیز کی پروا نہیں ہو سکتی ہے عدالت
میں جا کر یہ بول دوں کہ میں نے اپنی مرضی سے یہ سب کچھ کیا ہے اور
اگر زیادہ گڑبڑ ہوئی تو پھر یہ بھی کہہ دوں گی کہ میں نے تمہارا دھرم
اپنا لیا ہے۔" میں ٹکٹکی باندھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اسے
دیکھ رہا تھا۔
دیوانی لڑکی پتہ نہیں کیسے کیسے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی
یہ نہیں جانتی تھی کہ میں اس کے لیے موت کا ہرکارہ ہوں۔
میں جب کچھ نہ بولا تو اس نے قریب آ کر میرے ہونٹوں... [illegible]

بڑا دیا ہے۔
"ارے ارے، تمہیں ہو کیا گیا ہے آج۔ مجھے اس طرح
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ جا رہے ہو کیا... [illegible]
لگ رہی ہوں۔"
"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" بمشکل تمام میں... [illegible]
کا جملہ پاکر کہا اور وہ ہنس پڑی۔
"اب جو کچھ بھی ہوں تمہاری ہی تو ہوں پھر... [illegible]
بات کی ہے جیون بھر دیکھتے رہنا مجھے۔" کریتا نے کہا اور میں
ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔
"پھر بولو کیا سوچا ہے ہمیں... [illegible]"
"آج نہیں کوئی بتا... میں نے تھکے تھکے سے لہجے میں... [illegible]"
"تمہاری مرضی ہے میں تو صرف تمہارے... [illegible]"

> **"شاہد احمد دہلوی کے ایک مضمون سے اقتباس"** ...
>
> خواجہ حسن نظامی ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے تھے۔ قائداعظم سے ان کو اختلاف ہوا تو مدتوں ان کے خلاف لکھتے رہے پھر قائداعظم کے ہم خیال ہو گئے۔ تو اس شدت کے ساتھ قرآن کی رو سے مولانا ابوالکلام کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ علامہ اقبال سے خواجہ صاحب کے تعلقات خوشگوار تھے۔ نجانے کس بات پر خواجہ صاحب کو ان سے رنجش ہو گئی۔ علامہ اقبال کو شاعر مشرق سے کمتر کر شاعر پنجاب کہنا شروع کر دیا۔ علامہ اقبال نے سوچا یہ تو بہت برا ہوا۔ [illegible] خواجہ صاحب کو رام کرنے کی ترکیب سوچی۔ علامہ صاحب نے خواجہ صاحب کو [illegible] کہ میرے گھٹنے میں مدت سے درد تھا۔ میں نے آپ کا بتایا ہوا [illegible] کا تیل ملا اس سے درد کو افاقہ ہو گیا۔ اس عمر کا تھا اسی دن سے علامہ پھر شاعر مشرق ہو گئے۔ [illegible] جو تیل کا [illegible] علامہ اقبال کو ان کے مرید ملنے [illegible] ہاتھ تھی۔
>
> مونا محمود۔ بہاولپور



تھی، میں تو تم سے بالکل نہیں اکتائی تمہاری قربت میں مجھے سب
کچھ بہت اچھا لگتا ہے۔" اس نے لجت بھرے انداز میں کہا اور
میں خاموش ہو گیا۔

[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہاتھ دہشت زدہ انداز میں پھیل گئے۔ میں نے مجسمے کے پیروں کے نزدیک رکھا ہوا طشت اٹھایا اور اس کی گردن اس پر جھکا دی کوبنا کے حسین بدن کا سارا خون گردن سے نکل کر اس طشت میں جمع ہو رہا تھا۔ اس کا بدن ہولے ہولے پھڑک رہا تھا۔ نرخرہ کٹ جانے کی وجہ سے اب اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی اور کوئی ہلکی سی چیخ بھی نہیں نکل سکی تھی اس کے بندھے بال نرخرے کی خرخراہٹ طشت میں سے بلند ہو رہی تھی۔

میں وحشیانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے اس ابلتے ہوئے خون کو دیکھتا رہا اور چند لمحات کے بعد طشت میں اچھا خاصا خون جمع ہو گیا تب میں نے اپنا دوسرا فرض پورا کیا خون کا طشت اٹھایا اور مجسمے کے سر پر انڈیل دیا مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے مجسمے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شکریہ بابر دا دخان تمہارا بہت بہت شکریہ بس اب واپس چلے جاؤ ہاں اگر کچھ خوف محسوس کر رہے ہو تو اس لاش کو اٹھا کر یانی میں پھینک دو۔ میں نے اس کے اس حکم پر بھی عمل کیا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ ٹیکسی جا چکی تھی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پاگلوں کی طرح سمندر سے دور بھاگا چلا جا رہا تھا۔!

میرا سانس پھول رہا تھا حالت عجیب ہو گئی تھی میں نے کوشش کی تھی کہ کوبنا کے خون کے چھینٹے مجھ پر نہ پڑنے پائیں

اور میں اس میں کامیاب رہا تھا لیکن میرے لباس پر خون کا کوئی دھبہ نہیں تھا معصوم کوبنا زندگی چھوڑ کر موت کی آغوش میں جا سوئی تھی تھوڑی دیر بعد شاہراہ پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے ٹیکسی مل سکتی تھی لیکن مجھے خطرہ تھا کہ کہیں ٹیکسی ڈرائیور میری اس حالت کو دیکھ کر مشکوک نہ ہو جائے چنانچہ اس کے باوجود میں کافی دور تک پیدل چلتا رہا پھر جب میری سانس اعتدال پر آگئی اور حواس کسی قدر بحال ہو گئے تو ایک سینما ہاؤس کے سامنے سے میں نے ایک ٹیکسی لی اور اپنے اس فلیٹ کی جانب چل پڑا جو کوبنا نے میرے لئے مخصوص کیا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ کوبنا کے فلیٹ میں داخل ہوا تو دہشت نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دل کی حالت ایسی عجیب تھی کہ بیان نہیں کر سکتا یہاں ایک لمحے کو دل نہ چاہا ہر گوشے سے کوبنا کی آواز ابھر رہی تھی۔

چنانچہ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے ہی مکان پر پہنچ جاؤں ایک بار پھر میں ٹیکسی کر کے اپنے مکان کی جانب چل پڑا

گھر پر موجود تھے۔ گھر کے سارے معاملات حسب معمول تھے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل درست کر لیا تھا۔ پھر میں نے ملازم سے پوچھا۔

"اس دوران کوئی آیا تو نہیں حضور آپ اتنے عرصے کہاں چلے گئے تھے۔"

"باہر گیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا ظاہر ہے وہ ملازم تھا اس سے زیادہ گفت و شنید نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ کوبنا یاد آ رہی تھی۔ یہ حسین لمحات گزارے تھے میں نے اس کے ساتھ لیکن اب وہ میرے ہی بے رحم ہاتھوں موت کا شکار ہو چکی تھی کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے کیسے اس جادوئی چکر کا خاتمہ کرنا چاہئے کس طرح اپنی زندگی بچاؤں اس سے۔ لعنت ہے اس کم بخت پر کس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ مالا ڈنگا۔ سلمان آرا شاہ میں۔ آہ میں نے تارو شمائیل کی ہم شکل کو ایک بار پھر خود سے جدا کر دیا تھا۔ کاش ڈیرا اس طرح گزر گئی نیند کا کوئی پتہ نہیں تھا میں نے غراتے ہوئے بجے تب اسے پکارا۔

"الیسرا۔" میرے حلق سے وحشت زدہ سی آواز ابھری اور اس کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی میرے کانوں میں ابھر آئی۔

"وہیں سوئی ہوئی اتنی دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں لالچی

## خلیفہ کی قیمت

ایک دن ہارون رشید بہلول کے ساتھ حمام میں گیا۔ خلیفہ نے بہلول سے مذاق میں پوچھا۔ "اگر میں غلام ہوتا تو اس حالت میں میری قیمت کیا لگتی.....؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "پچاس دینار۔"

خلیفہ خفا ہو کر بولا۔ "پگلے! صرف یہ تہمد جو میں نے باندھ رکھا ہے، پچاس دینار کا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے صرف تہمد ہی کی قیمت لگائی ہے ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

محمد ابراہیم جمالی۔ نیو کراچی



طرح دیکھ رہی ہوں بڑے عجیب ہو تم بابر دادخان دنیا کی ساری کامیابیاں میں نے تمہارے قدموں میں ڈال دی ہیں اور تم میرے اس چھوٹے سے کام سے اس طرح گھبراتے ہو۔"

"چھوٹا سا کام؟ تو نے مجھ کس کام کا نہیں چھوڑا الیسرا۔ میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں۔ بے پناہ نفرت۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بعض اوقات کچھ دوست ایسے بھی ہوتے ہیں جو نفرتوں کے درمیان دوستی کو پروان چڑھاتے ہیں۔"

"میں ایسی دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"بھیجتے رہو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"میرا پیچھا چھوڑ دے الیسرا میرا پیچھا چھوڑ دے۔ میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں یہ گھناؤنا کام انجام نہیں دے سکتا تو نے وہ ایسی ہستیوں کو مجھ سے قتل کرایا جو میرے لئے بڑی محترم تھیں جن سے میرا دل لگاؤ ہو گیا تھا۔"

"یہ تمہاری بھول ہے بابر جی میرا کیا قصور تم نے دل لگایا ان سے حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور ابھی کہا ہے مجھے اکیس انسانوں کے خون سے غسل کرنا ہے جو کچھ تم لے چکے ہو وہ مجھے دوبارہ حاصل کرنا ہے مجھے تم بابر جی ابھی اکیس زندہ انسان میری بھینٹ چڑھاؤ گے ابھی تو ان میں سے دو ہوئے ہیں انیس باقی ہیں۔"

"میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے۔ میں فقیری کی زندگی بھی بسر کر لوں گا کسی مزار پر جا پڑوں گا کسی مسجد میں مؤذن بن کر اپنی زندگی گزار دوں گا لیکن ایسا گھناؤنا کام اب نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں چھوڑ دوں گی تب نا۔" الیسرا نے جواب دیا۔

"مجھے چھوڑنا ہو گا مجھے۔ میں اب تیرے احکامات کی پیروی نہیں کر سکتا۔"

"دیکھو بابر دادخان مجھے غلط مت سمجھو۔ میں نے تمہارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا تم تو وہ ہو جو سلطان کو تباہ کر کے لوٹ آئے تھے تم تو وہ ہو جس نے مجھے دھوکہ دے کر مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تم نے مجھ سے ترک ہزاروں سال کی زندگی چھین لی مجھے بتاؤ کہا اس کے جواب میں، میں تمہیں قیمت دوں گی پیار دوں گی لیکن اس کے بدلے میں نے تمہیں وہ زندگی دی جو دنیا کے اچھے اچھوں کو حاصل نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں نے تمہیں ایک اونچی زندگی عطا کر دی ہے میں اپنا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت جب میں اپنی پوری عمر پا لوں

ہاں۔ بابر دادخان تم سن لو مجھے اکیس انسانوں کے خون کے غسل کی ضرورت ہے یہ خون میرے مسامات سے گزر کر میرے بدن میں اتر جائے گا اور میرا بدن جب بے پناہ قوت حاصل کرے گا تو میں ایک آتش کدہ بناؤں گی۔ اس آتش کدہ میں مجھے اکیس دن تک آگ کا غسل کرنا ہو گا اور جب میں آگ کے اس غسل سے نکلوں گی تو میں پھر وہی الیسرا بن چکی ہوں گی ہاں میری قوتیں میرے پاس موجود ہیں لیکن میں اپنا بدن حاصل نہیں کر سکتی۔ میں وہ قوت حاصل نہیں کر سکتی جو مجھے حاصل تھی۔"

"اس کے حصول کے لئے مجھے اس عمل سے گزرنا ہو گا۔ یہی میرا گیان ہے ابھی میری قوت ہے اور تمہیں میرا آلہ کار بننا ہو گا جس طرح بھی ہو سکے گا تم میرے کام کرتے رہو گے۔"

"میں نہیں کروں گا تو تم میں جا مجھے اب تجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے انتظار ہے پھر تم کو آوارہ رہنے ہوئے اس کا نتیجہ بھی بھگت لینا۔"

"ہاں ہاں بھگت لوں گا اب کچھ بھی ہو جائے مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ الیسرا بھی معدوم ہو گئی تھی۔

رات بھر میں جاگتا رہا میرے ذہن میں لاتعداد منصوبے جنم لے رہے تھے پھر میں نے یہی سوچا کہ کسی طرح یہاں سے بھاگ جاؤں کہیں دور چلا جاؤں کسی ایسی جگہ جہاں الیسرا کا وجود مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تیاریاں شروع کر دیں تھوڑا سا سامان ایک بیگ میں رکھا اور کچھ رقم خواہ کسی شکل میں میرے پاس موجود تھی لے کر چل پڑا۔

میرا رخ ریلوے اسٹیشن کی طرف تھا رات کے تقریباً چار بجے تھے جب میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھا تو کوئی ٹرین اس وقت نہیں جا رہی تھی تین بجے والی پہلی ٹرین جا چکی تھی۔

یہ وقت میں نے وہیں ویٹنگ روم میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے طرح طرح کے خیالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ پھر ٹرین کا وقت ہو گیا تقریباً ہر جگہ جانے والی ٹرینیں تھیں بہت زیادہ تر ٹرینیں ساڑھے چھ بجے تک تھیں۔ ان سے اسٹیشن پر رونق ہو جاتی ہے۔



www.paksociety.com

چنانچہ میں نے ٹکٹ خریدا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ریلوے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ کمپارٹمنٹ میں بہت سے لوگ تھے۔ بہر حال زیادہ رش نہیں تھا۔ اس لیے مسافر سوئے ہوئے تھے۔ اِکا دُکا افراد ہی جاگ رہے تھے۔ میں اپنی جگہ دبک کر بیٹھ گیا۔ میں نے جان بوجھ کر ریلوے کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا تاکہ کہیں کسی قسم کی کوئی الجھن نہ پیش آئے اور انسانوں کے درمیان رہ کر میں اپنے آپ کو پرسکون کر سکوں۔ یہاں ٹرین تقریباً دس منٹ رکی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد جب ٹرین چلی تو ایک آدمی کمپارٹمنٹ میں چڑھ آیا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن اتفاق سے اس کی سیٹ میرے برابر کی تھی چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ایک نیا مسافر میرے پاس آ کر بیٹھا ہے لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو میرے ہوش و حواس ہی رخصت ہو گئے۔

یہ واحد تھا۔ ہاں یہ واحد ہی تھا جو مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو بابر داد خان تم کس گہری سوچ میں گم ہو؟ کیا سوچ رہے تھے؟"

"تم۔ تم۔؟"

"ہاں۔ میں۔ میں دہلی جا رہا ہوں۔ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟" واحد نے کہا۔

"کہیں بھی، بس میرا دل اب یہاں نہیں لگ رہا۔"

"او ہو! اپنا کاروبار، اپنی جائیداد سب کچھ چھوڑ رہے ہو تم۔"

"ہاں واحد تم اگر چاہو تو اسے حاصل کر سکتے ہو، میں تمہیں اس کا مالک بنا دوں گا۔"

"نہیں بابر داد خان نہ تمہاری جائیداد کی ضرورت تھی، جو کچھ مجھے درکار تھا وہ تم نے مجھے دے ہی دیا ہے اور جو کام تم کر چکے ہو وہ بھی میرے لیے حیرت انگیز ہے۔ میں یقین کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا ... کیا ہو گیا تھا تمہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم نے رانا جہانگیر کی ساری دولت ٹھکرا دی، رانا مسعود کا سب کچھ چھوڑ دیا۔ ایک حسین عورت ٹھکرا دی۔ ایک معصوم بچے کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔ آخر اس نے کیا بگاڑا تھا تمہارا۔"

"تک... کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ میں نے کوئی خون نہیں کیا۔"

"بابر داد خان تمہارے کچھ ہمدرد وہاں موجود تھے، خاص طور سے بیگم جہانگیر۔ اگر وہ عورت تمہارا ساتھ نہ دیتی تو اب تک تمہارا نہ جانے کیا ہو گیا ہوتا اور اگر میں تم سے مایوس ہو گیا ہوتا تو بھی تم مصیبتوں کا شکار ہو گئے ہوتے۔ مجھے بابر داد خان۔ میں نے یہی سوچا کہ جلد بازی کرنے کے بجائے ذرا صبر کر لوں، اطمینان سے تمہارے پاس آؤں اور تم سے حالات معلوم کر لوں، لیکن تم تو یہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ کیا بیٹا ہے کیا دل کے چور نے چین نہیں لینے دیا۔" واحد مسکراتا ہوا بولا۔

"تم فضول بکواس مت کرو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم سے برا تو واقعی کوئی نہیں ہے، جو شخص اس درندگی سے ایک معصوم بچے کو موت کے گھاٹ اتار سکے وہ واقعی برا انسان ہو سکتا ہے۔" واحد نے کہا۔

"میں کہتا ہوں، میں نے اسے نہیں مارا۔"

"ارے ارے یہ ٹرین ہے، چیخنے کی کوشش نہ کرو، لوگ جاگ جائیں گے اور پھر تمہیں اپنی جگہ ... ہو جائے گا مجھے۔" واحد نے کہا اور میں سہم کر خاموش ہو گیا۔

"آرام سے بیٹھو، اس وقت بھی تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں ٹھنڈا کر کے کھانے کا عادی ہوں۔ تم سے گفتگو کروں گا، حالات معلوم کروں گا، بات چیت کروں گا اور اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کر لیں گے۔ ایسی کون سی مشکل بات ہے بلکہ میں تمہیں ایک مشورہ دوں بابر داد خان۔"

"کیسا مشورہ؟"

"اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں، واپس بمبئی چلتے ہیں۔" تمہارے بارے میں کسی کو بھی پتہ نہیں ہے کہ دراصل تم کون تھے۔ رانا مسعود کا مسئلہ بے شک وہاں الجھا ہوا ہے کیونکہ پولیس ابھی کافی حد تک دوڑ رہی ہے لیکن ان میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں کہ رانا مسعود اس جہان میں ہی نہیں اور کوئی نقل نہیں۔ بابر داد خان نامی آدمی تھا۔ یہ بات صرف واحد یعنی واحد کو معلوم ہے اور واحد بھلا تمہارے خلاف عمل کیوں کرے گا۔ کوئی ایسی ترکیب کریں گے جس سے تمہارا راز بھی رہے اور ہمارا کام بھی بن جائے۔ میں ایک بار پھر تمہیں سنجیدگی سے سوچنے کی دعوت دیتا ہوں۔"



میں واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگا۔

واحد ... کی طرح میرے گلے آ پڑا تھا اور ایسے نازک وقت میں آ پڑا تھا جبکہ میں دوہرے قتل کا مجرم بن گیا تھا۔ درحقیقت یہ شخص اگر میرے خلاف گواہی دے دے تو میرے بارے میں ثبوت مہیا ہونے میں پولیس کو کوئی دقت نہ ہو گی۔

میں بہر طور رانا مسعود کا ہمشکل تھا اور بابر داد خان کے نام سے یہاں کے حلقوں میں جانا پہچانا جاتا تھا۔ اگر میری شناخت کرائی جاتی تو کوٹھی کے تمام افراد یہ کہہ دیتے کہ وہ میں ہی تھا جس نے اس بچے کو اپنے ساتھ کھیلنے لے جا کر قتل کر دیا لیکن یہ بات ... تھی۔ رانا محل میں تو بہت سے لوگ جانتے تھے۔ سارے کے سارے میرے واقف کار تھے۔ اس طرح اب مجھے ہوشیار رہنا چاہیے چنانچہ میں نے صبر و سکون سے سوچنا ضروری سمجھا اور پھر میں واحد سے بولا۔

"تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس کچھ کام تھا، تھوڑے سے دن میں واپس آ جاؤں گا یہاں بمبئی۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ دہلی ہی چلتا ہوں، وہاں تم اپنا کام کرنا، میں سکون کے کچھ لمحات گزاروں گا، وہیں بیٹھ کر ہم آئندہ کے لیے معاملات طے کر لیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور پھر اگر ضرورت پیش آئی تو واپس بمبئی آ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"دہلی ... مگر بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرو گے بابر داد خان؟"

"تم جس طرح چاہو اطمینان کر لینا۔"

"میرے پاس ثبوت ہے، میں واحد کو تم نے غلط سمجھا تھا، واحد اتنا احمق نہیں ہے۔" واحد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب فضول باتوں سے گریز کرو، میرا ذہن پریشان ہے۔"

"ہوں اتنا عرصہ بمبئی میں رہنے کے بعد تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس دلی اضطراب چھپائے نہ چھپ رہا تھا لیکن تم نے اس بچے کے قتل کی کیا بات کر دی؟"

"دیکھو بھئی اب مجھ سے تم نے کوئی بات ... تو تم بھی ... کوئی بات ... آخر ایک معصوم کو قتل کر کے تمہیں کیا مل گیا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ یہ قتل تم نے ہی کیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ بکواس جاری رکھی واحد تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس بات کو ذہن میں رکھو۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ میں تو وہاں سے صرف خوفزدہ ہو کر بھاگ آیا۔ اس خوف سے کہ کہیں حالات میرے خلاف نہ ہو جائیں۔ وہ لوگ مجھے پہچان نہ جائیں۔ بس بھلا تمہیں تمہاری معلومات کیسے دے سکتا تھا۔ میری کیا حقیقت ہے کہ ... اس خاندان کو دھوکا دیتے ہوئے ڈگمگا رہا تھا۔"

"ہو گئے، تمہیں ساری معلومات میں حاصل کر چکا ہوں، پولیس بھی تمہاری لاشوں پر سر پٹخ رہی تھی بلکہ یہ بتاتا ہوں کہ پولیس کو تمہاری تلاش بھی ہے۔ وہ رانا مسعود کو تلاش کر رہی ہے۔ ہاں اگر یہ شبہ ہو جاتا کہ بابر داد خان نامی ایک شخص ایک جگہ چھپا بیٹھا ہے تو پھر یقیناً وہ تم تک پہنچ جاتی۔ بچے کو تم اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر بہت دور کھنڈرات میں اس کی لاش پائی گئی تھی۔ ... سوا وہ کسی اور کے ساتھ باہر نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ سارے حالات تمہارے ہی خلاف ہیں۔ البتہ پولیس یہ سوچتی ہے کہ رانا مسعود، رانا جبار کی طرح بچے کو راستے سے ہٹانے کا خواہش مند تھا تاکہ دولت پر اس کا قبضہ ہو سکے۔ وہ لوگ ... ہیں کہ رانا مسعود کسی ذریعے سے اس دولت کے حصول کی کوشش کرے تو وہ رانا مسعود کو پکڑ لیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جگہ جگہ فون بھی کیے ہیں۔ یہ ساری معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔"

"... ہے اس بچے کو کس نے قتل کر دیا۔ وہ میرے ساتھ تھا ضرور لیکن پھر میں نے واپس کوٹھی پہنچا دیا تھا اور اس کے بعد اس رات میں خاموشی سے نکل آیا۔"

"ہرگز نہیں، تم بچے کو لے کر گئے تھے اور پھر واپس کوٹھی ... آہستہ بیٹھو۔" واحد نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دل و دماغ کا وہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ واقعی واحد سب کچھ جان چکا تھا اور سب کچھ جانتا تھا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں واحد کو بھی قتل کر دوں۔ ہاں جب دو قتل کر چکا ہوں تو اس تیسرے قتل سے مجھے کیا ... ہے۔ میں قاتل بن گیا تھا۔

زندگی میں اتنی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں کہ بعض اوقات تو ... کبھی نہیں جانتا تھا کیا کروں گا۔ اتنی عمر میں زندگی گزار چکا ہوں، لوگ تو اس عمر میں بوڑھے ہو جاتے ہیں ... ہیں۔ مجھ پر پھر سے جوانی آئی تھی اور اب جوانی کے



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا ہے بھی کچھ عرصہ پہلے ہی ہو گئے تھے اگر نہ ہوتے تو میں کسی قیمت پر بے چارہ کی کر پتا کو اس طرح حاصل کر کے تباہ و برباد نہ کر دیتا۔ میں شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔

یہ شیطانی چکر تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب سلمان لے لیے باپ کا صندوق کھولا تھا۔ آہ میں تنہا رہ گیا وہ سب تو موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اپسرا اکیا مجبور سے سلمان کے بدلے میں بیج کر دی گئی یا موت میرے سامنے ہی سب کچھ ہوا تھا لیکن میں۔ میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہوا ایک شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔ اس شیطانی چکر نے مجھے کہاں کہاں پریشان کیا۔ یہاں میرے خاندان کے کچھ نہ کچھ افراد تو موجود ہوں گے ممکن ہے میرے بھائی بھی زندہ ہوں۔ اگر میں کوشش کر کے ان تک ہی جا پہنچتا تو ممکن تھا کہ حالات بدل جاتے۔ اور میری بقیہ زندگی سکون سے گزر جاتی۔ لیکن یہ پتا کیسے چلے کہ جہاں جانے والا کسی بھی کونی اور بھی کچھ بھی ہو جائے اپسرا کے لئے میں اب کچھ نہیں کروں گا۔“

”اس بچے کی موت ہی کیا کم تھی میرے لئے کہ اب کرتا بھی میرے ہاتھوں ماری گئی اور اب نہ جانے کیا کیا ہو گا۔ شیطان لعنہ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو میرا واحد دروازہ ہے اگر تجھ سے نجات مل گئی تو ممکن ہے میری باقی زندگی سکون سے گزر جائے۔“ میں یہی سوچتا رہا۔ اور واحد بار بار مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ لیتا تھا۔ وہ میری ذہنی واردات سے بے خبر تھا۔ کیا سوچ میں غرق تھا کہ میں کس کشمکش کا شکار ہوں بالآخر اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

”دوست بابر داد خان بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔ بھائی اگر تمہارے دل میں رانا جہانگیر کی دولت حاصل کرنے کا خیال تھا تو تم وہاں سے بھاگ کیوں آئے۔ تمہیں تو بڑی آسانیاں حاصل تھیں۔ تم رانا جہانگیر کی بیوی کے ساتھ شادی کر لیتے کوئی ایسی ناجائز بات بھی نہ ہوتی اس کے بچے کی پرورش کرتے۔ تم جاگیر اور دولت تمہارے ہاتھ لگ جاتی۔ اس کے بعد میرا حصہ مجھے دے دیتے اور خود عیش سے زندگی گزارتے۔ ساری زندگی کسی کو پتہ نہ چل پاتا کہ تم رانا مسعود نہیں ہو لیکن پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا سمائی کہ تم نے اس بچے کو قتل کر دیا۔ اگر اسے راستے سے ہٹانا تھا تو پھر وہاں سے بھاگ کیوں گئے۔ اوہ میں سمجھا شاید تمہارے ذہن میں خوف نے گھر کر لیا ہو گا۔ بزدلی تو انسان کو پتہ نہیں کہاں کہاں پر ملوث کر سکتی ہے۔ لیکن میرے دوست واحد کا دماغ بہت

کچھ سوچ رہا ہے۔ میں اب بھی حالات سنبھالنے کی حیثیت بہتر ہونے سے کیا مطلب ہے۔

”پولیس کو تمہاری تلاش ہے۔ اور وہ یہ بھی سوچ رہی ہے کہ رانا مسعود نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔“

”جب تم تیار ہو ایسا ہی ہو گا۔“

”لیکن بڑی آسانیاں ہو سکتی ہیں۔ رانا جہانگیر کے سے ہٹ گئے ہیں۔ میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتا ہوں۔ واپس چلو۔ بس تمہیں اپنے جسم پر ذرا سے زخم لگانے پڑیں گے پھر اسی حالت میں پولیس اسٹیشن پہنچو جیسے تم بہت ہی اذیتوں کا شکار رہے ہو اور پھر پولیس کو ایک کہانی سنا دو۔ ان سے کہو کہ کچھ لوگوں نے تمہیں اغوا کر لیا تھا اور کہیں لے گئے تھے۔ وہ تم سے رانا جہانگیر کا انتقام لینا چاہتے تھے یقینی طور پر بتا جائے کہ آدمی تھے پھر انہوں نے تمہارے سامنے ہی بچے کو قتل کر دیا اور تمہیں کہیں قید کر دیا۔ کسی بھی جگہ کا انتخاب کر لیں گے۔ بلکہ وہ جگہ میں تمہیں منتخب کر کے دے دوں گا اور وہاں ایسے نشانات بھی تیار کر دوں گا جن کے بارے میں پولیس اگر تحقیقات کرے تو اسے صاف پتہ چل جائے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اس طرح تمہیں تمہاری حیثیت واپس مل سکتی ہے۔ ظاہر ہے پولیس تمہارے آگے رست بستہ رہے گی۔ اور اس کے بعد تم آرام سے زندگی گزار سکتے ہو۔ ایک خوبصورت حسین عورت تمہاری تحویل میں ہو گی اور کروڑوں کی جائیداد پھر تو کوئی مسئلہ تمہارے سامنے نہیں رہے گا جو کچھ تم کرنا چاہتے تھے وہ بھی ہو جائے گا۔ اور تم بھی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔“

کمبخت واحد کی ترکیب بڑی ہی خوفناک تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس پر عمل کر کے میں دوبارہ رانا مسعود کی حیثیت حاصل کر سکتا تھا۔ بلاشبہ چند پریشانیوں سے گزرنا پڑتا لیکن کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں رانا مسعود نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں واحد ماند رہا۔ واحد تھا۔ اگر اس کی مطلوبہ دولت دے دی جائے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ وہ اپنی زبان بند رکھے گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی اس کی طرف سے کوئی مطالبہ ہوا تو اسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ میں یہ سب کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن۔

اب واپس رانا محل جانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ واحد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد زندگی گزارنے کا کوئی نیا ڈھنگ سوچوں گا۔ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں خاموشی سے زندگی کا لطف اٹھا سکوں۔ وقت گزر رہا ہے۔ اپسرا کمبخت کہاں ہے، کہاں میرا پیچھا



کرے گی ذلیل جادوگرنی کہیں کی تو ہیں۔ میں دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے کہا۔ واحد میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”سوچ لو سوچ لو ابھی تو بہت وقت ہے دہلی میں ہی ہم دو چار دن گزاریں گے لیکن وہاں بھی سوچنے کا موقع دیا جائے گا اس سے بہتر تجویز کوئی اور نہیں ہو سکتی تم آسانی سے اپنی جان بچا سکتے ہو۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دفعتاً کوئی خیال میرے ذہن میں آ گیا تھا۔

اگر کبھی کسی وقت میرے بارے میں کسی کو شبہ ہو گیا تو کیا مجھے کو بچانے کے قتل کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور دیکھیں ہی نہیں مجھے زندگی میں پھر جو اب تو اپنے منہ سے ہی نکلا۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”واحد مجھے واقعی سوچنے کی ضرورت ہے میں سوچ رہا تھا ہوں۔ میرا ذہن منتشر ہے ویسے تمہاری تجویز مجھے پسند آئی ہے ممکن ہے میں اس سلسلے میں تم سے تعاون کرنے پر تیار ہو جاؤں۔“

”تیار ہو جانا چاہیے تمہیں اسی میں تمہاری بقا ہے۔“ واحد نے کہا۔ اور خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے راستے بھر کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ ٹرین دہلی پہنچ گئی ہم لوگ اسٹیشن پر اترے واحد نے ایک ہوٹل کا رخ کیا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا واحد مجھے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا ویسے چالاک آدمی تھا۔ وہ مجھ پر پوری پوری نگاہ رکھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے نمٹنا آسان کام نہیں ہو گا۔ ہوٹل میں بھی ہم نے دو کمرے حاصل کئے تھے۔ کمرے برابر برابر تھے۔ میں اپنے کمرے میں منتقل ہوا تو واحد نے مجھ سے کہا۔

”دیکھو بابر داد خان میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم یہاں دہلی میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں یہاں سے غائب ہونے کی کوشش مت کرنا مجھے دھوکا دینا تمہارے حق میں بہتر طور پر مفید ثابت نہیں ہو گا۔ پورا ہندوستان میری دسترس میں ہے جہاں جاؤ گے میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔“

”تم ذرا مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش نہ کرو۔ اور میں اتنا بزدل بھی نہیں ہوں کہ تمہاری دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاؤں۔ ہاں باقی رہی تمہاری تجویز تو وہ میرے لئے دلچسپی کا باعث ہے بس ذرا اس کے اہم پہلوؤں پر سوچنے دو۔ اس کے بعد میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔“

”بہت مناسب بات ہے آرام کرو۔“ واحد نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ کشادہ کمرہ تھا۔ دہلی کے اچھے ہوٹلوں میں اس ہوٹل کا شمار ہوتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا۔ اور پھر ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر کھڑکی کے باہر کے ماحول کو دیکھنے لگا۔ بلند نگاہ و مکانات بکھرے ہوئے تھے۔

لیکن میرے دل میں ایک عجیب سی ویرانی تھی کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ کیا کروں۔ کیا چاہیے کس طرح زندگی کے نئے راستے منتخب کروں۔ اب جتنی زندگی مل گئی ہے اسے تو گزارنا ہی ہے جو مصیبتوں سے ہی نہ گزارا۔ دیکھوں حالات مجھے کہاں لے جاتے ہیں تقدیر کیا چاہتی ہے مجھ سے۔ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

”کوئی چیز چاہیے صاحب۔“ اس نے اندر آ کر پوچھا۔

”گرم کافی ملی جائے تو بہتر ہے۔“

”بہت اچھا۔“ وہ بیرا چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد میں کافی پی رہا تھا اسی دوران میرا ذہن مختلف فیصلے کر رہا تھا۔ واحد کو راستے سے ہٹانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے آہستہ آہستہ میں نے خود کو پرسکون کیا اور اس سلسلے میں ایک تجویز میرے ذہن میں آ گئی تھی چنانچہ میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ شام ہو گئی تھی تقریباً ساڑھے چھ بجے میں اپنے کمرے سے نکلا اور واحد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ واحد اپنے کمرے میں موجود تھا مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

میں نے سوچا کہ شاید تم سو گئے ہو گے ایک آدھ بار انتظار کرنے کے دروازے کو میں نے دیکھا جب نہیں کھلا تو پھر میں نے سوچا کہ تمہیں آرام کرنے دیا جائے تھک گئے ہو گے دوسرا خاص طور سے ذہنی تھکاوٹ کا شکار ہو گئے۔ ایک مخدوش میں تھا کہ تم فیصلہ کر رہے ہو۔ تمہیں فیصلہ کرنے کا پورا پورا موقع ملنا چاہیے نا۔“

”شام کی چائے پی لی تم نے۔“

”ابھی پی چکا ہوں اور تم نے؟“

”میں نے بھی کافی وغیرہ پی لی تھی اب کسی چیز کی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔“

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟“

”یار واحد ذہن بڑا الجھا ہوا ہے یہاں کوئی تفریح نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں نہیں ہو سکتی جس طرح کا پتہ ہو۔“ واحد نے کہا۔

”تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آؤ ٹہلنے چلیں کہیں۔“

”وہ دہلی کی سیر کر دی جائے واحد بھی اس کو تیار ہو۔“



www.paksociety.com

اور پھر یہاں دہلی میں تو بڑی گنجائش ہے۔ یہاں کسی کی طرح پکڑا نہیں جا سکتا بعض جگہیں تو آج بھی مغلیہ دور کی یاد دلاتی ہیں۔

"تو بس کسی ایسی ہی جگہ کا انتخاب کرو۔" میں نے کہا۔ واحد مسکرانے لگا۔

"یہ تم واحد پہ چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے بھی گویا بہت کچھ اس پر چھوڑ دیا۔

شام کو تقریباً سات بجے ہم لوگ تیار ہو کر چل پڑے۔ میں نے بھی ایک عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ واحد بھی ایک اچھے لباس میں ملبوس تھا۔ جس جگہ ہم جا رہے تھے وہاں کے لئے کچھ بنا سنوار کے جانا ضروری تھا۔ پیسے وغیرہ میرے پاس بھی اچھے خاصے موجود تھے اور شاید واحد کو بھی تلاش نہیں تھا۔

ہم اس بازار میں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے طبلے کی تھاپ، گھنگھروؤں کی جھنکار اور ہارمونیم کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ایک عجیب ماحول، ایک عجیب سماں تھا جو اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف قصے کہانیوں میں اس بازار کی داستانیں پڑھی تھیں۔ واحد کو یہاں آنے کا تجربہ تھا۔ [illegible] کا داخل ہونا جو تکلف سے ترتیب دیا تھا۔ میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا تھا جو میرے لئے کارآمد ہو۔ واحد ایک پان کی دکان پر رک گیا اور اس سے اس بازار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ لاشبہ اسے خود بھی یہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔ پنواڑی نے ہمیں رہنمائی کی اور اس نے بالوں کی تعریف کے ساتھ ساتھ ہی پیش آئی سے اپنے کام کی بات بھی معلوم کر لی۔ چنانچہ وہ گردن ہلاتا ہوا میرا ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں ایک طرف بڑھا اور پھر ہم ایک بالاخانے کی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ بالاخانے کے دروازے سے اندر داخل ہو کر میں نے زندگی میں پہلی بار اس ماحول کو دیکھا۔

ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر قالین اور گاؤ تکیے بچھے ہوئے تھے۔ چھت سے فانوس لٹک رہے تھے۔ تمام دروازوں سے ٹیک لگائے گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ بے باک اور معزز قسم کے لوگ۔ ایک خوبصورت لڑکی تماش بینوں کے درمیان گا رہی تھی۔ اس کی عمر بہت کم معلوم ہوتی تھی۔ ہم اندر پہنچ گئے۔ دروازے کے قریب ہی کھڑی ایک عورت نے ہمیں راستہ دیا اور ایک سمت بٹھا دی۔ جب ہم گاؤ تکیوں کا سہارا لے کر بیٹھ گئے تو گانے والی لڑکی نے ہمیں ایک نظر دیکھا اور دونوں کو دیکھا اور جہاں سے پیشہ ور شخص کی جانب متوجہ ہو گئی۔

وہاں سب لوگوں سے نمایاں تھا۔ اس نے ہماری آمد پر بُرا سا منہ بنایا اور کسمسا کر اپنے ساتھیوں سے ناگواری کا اظہار کیا۔

دروازے پر کھڑی عورت نے جلدی سے اس کی طرف رخ کیا تھا۔ اس شخص کے اشارے پر جلدی سے وہ اس کے پاس جا بیٹھی اور اس کی بات سننے لگی۔ پھر اس نے احترام سے گردن ہلائی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ جس سرسری نگاہوں سے محفل کا رنگ دیکھا تھا۔ سامنے ہی ایک درمیانی عمر کی عورت پان کی گلوریاں بنانے میں مصروف تھی۔

گانے والی گاتا گاتی رہی۔ پستہ قامت جیب سے نوٹ نکال نکال کر گانے والی کو دے رہا تھا اور وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی غزل کے بول پر بول سنائے جا رہی تھی۔ واحد کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اس نے اپنے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اپنے سامنے رکھ لی اور پھر ایک نوٹ میرے شانے پر رکھ کر گانے والی کو دکھایا۔

پستہ قامت نے بُرا سا منہ بنا کر نوٹوں کی دو تین گڈیاں اور نکال لی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟" میں نے واحد سے پوچھا۔

"تماشا ہے بچے دکھاتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ واحد کیا سنو یہاں کچھ دیر گزار لو اس کے بعد نکل چلو۔ میں کسی قسم کے جھگڑے میں دلچسپی نہیں لوں گا۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار، کہاں تم ایک انوکھی شخصیت کے مالک نظر آتے ہو جو کسی چھوٹے سے کوچی تسلی کرنے سے رک نہیں سکتے بلکہ یہاں اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔"

"اور یہ جگہ تمہاری ایسی بکواس کے لئے موزوں ہے۔" میں نے بات چھپا کر کہا۔

"ارے نہیں، نہیں ہماری باتیں کون سن رہا ہے۔" واحد نے جواب دیا اور سر ہلاتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"غضب کی لڑکی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے اس جگہ سے کم نہیں ہونے لگی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ پستہ قامت اور اس کے ساتھی مسخرانہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ محفل میں اور بھی تماش بین موجود تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ سب پستہ قامت کے چمچے ہوں اور صرف اس کے لئے یہاں بیٹھے ہوں یا ممکن ہے اس کے ساتھ ہی آئے ہوں۔

تھوڑی دیر تک ہم اپنی گڈیاں لئے بیٹھے رہے۔ پان بنانے والی عمر رسیدہ عورت کی بے چینی نمایاں تھی۔ ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔



اس نے ایک طرف مڑ کے دیکھا اور کسی کو کچھ اشارہ کیا۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک نازک اندام حسینہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ ... سے نزدیک آ کر جھک گئی۔ اس نے مشرقی انداز میں سلام کیا تھا۔

"حضور! میں کوئی قصہ پہلی بار تشریف لائے ہیں شاید؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں، لیکن یہاں کے آداب دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔" واحد نے جواب دیا۔

"حضور تھوڑا سا توقف کریں، بس ہم لوگوں کو یہاں کے آدمیوں سے نمٹنا ہوتا ہے۔ یہ ایک منظم گروہ ہے اس سے جھگڑنا اچھی بات نہ ہوگی۔ ورنہ ہم ابھی نازنین سے کہنے کو وہ وہاں سے اٹھ کر آپ کے سامنے آ بیٹھے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کوئی غنڈوں کا اکھاڑہ ہے۔ ہم تیار ہے ابھی۔"

"بیٹھئے نا حضور، میں کچھ اور خدمت کر سکتی ہوں نا۔"

"نہیں، بس ہو گیا اب ہم چلے جاتے ہیں لیکن یہ جگہ پسند نہیں آئی۔"

"مجبوری ہے سرکار، پھر کبھی تشریف لائیے گا۔" لڑکی نے جذباتی لہجے میں کہا۔ میں تعجب سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ ایک دو بار اس کی نگاہیں مجھ سے بھی ملیں تب میں نے ان میں ایک عجیب سی چمک محسوس کی۔ دیکھنے میں خاصی اچھی تھی لیکن وہ جو گا رہی تھی اس سے خاصی حسین تھی۔ دلکش، پُرکشش اور موہ لینے والی شخصیت کی وجہ سے دل اس کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے۔

لیکن اس بازار میں ایسی ہی ساحرائیں ہوا کرتی تھیں۔ مجھے ان کے بارے میں تجربہ تو نہیں تھا لیکن سن بہت کچھ رکھا تھا۔ اس لئے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ نوٹوں کی گڈیاں ہم نے واپس جیب میں رکھ لی تھیں۔ پان بنانے والی عورت کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے پستہ قامت کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔ ہم وہاں سے اتر آئے۔

"یہ جگہ ہوتی ہی ایسی ہے۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر طبیعت گھبرائی تھی تو میں نے سوچا یہاں سے چلا آؤں۔"

"چلو کوئی بات نہیں، سامنے ... بھی ایسی جگہیں ہیں، ... آؤ کسی دوسری جگہ دیکھتے ہیں۔" اور بالاخانہ پر پہنچ گئے۔

یہاں بھی رقص و موسیقی جاری تھی اور کچھ ...

یہاں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جو تکرار کا باعث ہوتی۔ ان میں رقاصائیں یہاں رقص کر رہی تھیں وہ اس قدر حسین نہ تھیں اور نہ ہی یہاں اتنی نفاست اور تہذیب تھی جو پہلے بالاخانے پر دیکھی تھی۔ واحد میرے کان کی طرف جھک کر بولا۔

"دراصل وہ مونا بھوا کوٹھا ہے وہاں جو طوائفیں ہیں ان کا تعلق لکھنؤ سے ہے اور لکھنؤ کی طوائفوں کی تہذیب کے بارے میں یقیناً تم نے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔"

"بھائی تم بھی عجیب ہو۔ بچہ دانا لکھنؤ کی تہذیب کے بارے میں زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔" میں نے کہا۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں ہے، اچھے یار، داود خان میں نے یہ بات تم سے کبھی نہیں پوچھی تھی کہ تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے۔"

"ٹالو یار، فضول باتوں میں ...۔ بتا مجھے بیٹھنے دو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور واحد خاموش ہو گیا۔ خاصی بات تھی کہ ہم اس کوٹھے پر گانا سنتے رہے اور جب وقت ہی ختم ہوا تو ہم اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

واحد بہت مسرور تھا۔ میری طرف سے تو زیادہ مطمئن ہو چکا تھا اس دوران۔ یقیناً میری کیفیات پڑھنے کی کوشش کرتا رہا ہوگا اور میں نے اس سلسلے میں خاصی ذہانت سے کام لیا تھا کہ اپنی فطرت سے اسے آگاہ نہیں ہونے دیا تھا۔ ہم کوٹھے سے اتر کر پیدل چل پڑے۔

دوسرے کوٹھے بھی خالی ہو چکے تھے۔ پولیس والوں کی سیٹیاں سنائی دے رہی تھیں۔ ہم وہاں سے نکلے تو چل پڑے۔

"اب کیا خیال ہے، چلیں؟" میں نے پوچھا۔

"یار بہروادخان ایک بات بتاؤ صرف اسی حد تک دلچسپی رکھتے ہو یا کوئی اور بھی۔"

"کچھ اور سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ پینے پلانے کی بات، یہاں کا ماحول تو اتنا سازگار نہیں تھا کہ ہم یہاں بیٹھ کر پیتے، اس کے علاوہ بھی یہاں تو بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"نہیں، اس سے کچھ مجھے دلچسپی نہیں ہے ویسے اگر تم پینا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اور تم؟"

"میں نہیں پیتا۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کیا مزہ آئے گا، ایک آدمی پیئے، دوسرا ..."

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں واصد، یہیں اس سے نیچے جوگی لگا لیے اگر ہوٹل میں طلب کرو تو وہاں بھی مل سکتی ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس چلو چلو۔ نیچے ہی" واصد نے کہا۔ میں ڈال ہی دل میں مسرور ہو گیا اور خیرہ و سکا۔ اس کا مطلب یہ تھا میرے تو دو منصوبات تھی۔ جناچہ ہم نے کمرے بند کیے اور پھر ہم ایک بار میں داخل ہو گئے۔

وہیں کا کوئی سب سے بھری ہوئی تھی لیکن جیسے ایک خالی میز مل گئی اور واصد نے اپنے لئے شراب اور میرے لئے ایک مشروب طلب کر لیا۔

شراب کے چار پانچ پیگ پینے کے بعد واصد بہکنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں مستی چھلکنے لگی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

"بس کرو واصد ورنہ آؤٹ ہو جاؤ گے۔"

"ہاں یار تم بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارا مشورہ ہے اس لئے بے فکر ہوں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اب یہاں سے زیادہ مناسب ہوگی ہمیں ہوٹل ہی چلنا چاہئے۔"

"چلو تم ٹھیک ہی کہتے ہو" واصد نے بل ادا کیا اور ہم باہر نکل آئے۔ باہر ٹھنڈی ہوا لگی تو واصد کا نشہ کچھ اور بڑھ گیا۔

"بابر داد خان۔ تم عظیم انسان ہو لیکن میرے دوست ہمیشہ بہت نہیں کیا تم نے اس معصوم بچے کو کیوں قتل کر دیا تھا؟"

"تمہاری کچھ میں بہت سی باتیں نہیں آئیں گی اس وقت سوچنے سمجھنے سے گریز کرو" میں نے کہا۔

"کوئی سواری بھی نہیں دیا۔ اب تو بس پیدل ہی" واصد نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"چلتے رہو سواری بھی مل ہی جائے گی" میں اسے پیدل لے چلا۔ میرے ذہن میں خوفناک ارادے تھے۔ اس وقت کوئی بھی نہیں تھا میرے پاس جو واصد کے کام آسکتا ہو۔

لیکن نشے میں ہونے کے بعد میرا کام کچھ اور آسان ہو گیا تھا۔ اب میں اپنے مضبوط ہاتھوں کے ایک ہی جھٹکے سے واصد کو ختم کر سکتا تھا۔ انشاء اللہ وقت پیدا کرنا تھا۔ ہم بہت سی سڑکوں سے گزرنے کے بعد ایک ایسی جگہ نکل آئے جو کافی سنسان تھی۔ قریب ہی ایک پارک نظر آ رہا تھا۔ میں نے واصد کو پارک کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں کا ماحول کافی خوشگوار ہے واصد کیا خیال ہے کچھ دیر چل کر بیٹھیں؟"

"اس وقت تو مناسب نہیں ہے تم سواری کیوں نہیں پکڑ رہے۔ میں بڑی تھکن محسوس کر رہا ہوں یوں لگ رہا ہے جیسے تھوڑی دیر کے بعد شاید چل بھی نہیں سکوں گا۔"

"تھوڑی دیر آرام کرو اس کے بعد کوئی سواری لے کر ہوٹل چلیں گے" میں نے کہا اور واصد نے گردن ہلا دی۔ میں اسے سہارا دیتے ہوئے پارک میں آ گیا۔ پارک تیسرا چوتھا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ میں نے واصد کو پارک کی ایک بنچ پر بٹھا دیا۔ ہوا اس کا نشہ کچھ اور گہرا کئے جا رہی تھی اور اس کی بھوک بھی لگنے لگی تھی۔

"بابر داد خان اگر تم میری بات مان لو تو ہم بھی زندگی عیش کر سکتے ہیں۔ دنیا بڑا سانشی ہے ہم قدم قدم پر مال بنا سکتے ہیں۔ میں بھی کوئی مہذب آدمی نہیں ہوں میرے پاس پہلے بہت کچھ تھا لیکن ریس کے شوق نے مجھے پاگل کر دیا۔ میں نے بہت کچھ کھو دیا۔ میرے ذہن میں ان الفاظ سے کچھ عجیب سے احساسات جاگ اٹھے۔ ریس یاد آگئی تھی۔ ریس یا وہ آئی تو گوشہ بیگ یاد آیا اور گوشہ بیگ کے ساتھ ساتھ گویتا بھی ذہن میں ابھر آئی۔ میرے دانت بھینچ لئے۔ گویتا کو میں کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اس نے تو مجھے بہت نقصان دیا تھا۔ اس کی محبت میرے لئے مشکلوں کا باعث بن گئی تھی۔ یہ بات ہے کہ گویتا سے میں وہ اتفاق دلی طور پر متاثر ہو گیا تھا۔ لیکن ہوس میرا دوکیہ نہیں تھی وہ فرشتوں جیسی لڑکی میرے لئے عذاب بن گئی تھی۔ میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا۔ کوئی بھی ایسی کوشش جس سے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

بہت کچھ سوچتا رہا اور پھر واصد کی آواز ابھری۔

"بس اب چلو یہاں سے مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تم سونا چاہتے ہو واصد؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بڑی مشکل سے میں اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے ہوں۔ میں سونا چاہتا ہوں" اس کی غنودہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"میں تمہیں ایسی پرسکون نیند دوں گا میرے دوست کہ تم زندگی بھر بستے رہو گے؟"

"ہاں۔ میں سونا چاہتا ہوں" اس نے کہا اور میں اس پر



جھک گیا۔ دور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا ویسے بھی اس وقت رات تھی۔ وہ تھکن کے بہانے ہی سو رہے تھے تب میں واصد کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے افسوس ہے واصد کہ تمہیں صرف اپنی ذات کے لئے قتل کر رہا ہوں۔ تمہاری زندگی میرے لئے موت کا باعث بن سکتی ہے۔" میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے۔ واصد کو کسی خطرے کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے میرے ہاتھوں کو اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی لیکن دوسرے لمحے اس کے ہاتھ بے اختیار انداز میں پیچھے ہٹے۔

میرے انگوٹھے اس کے نرخرے پر جمے ہوئے تھے اور میں پوری قوت سے انہیں دبا رہا تھا۔ واصد کی زبان باہر نکل آئی وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ لیکن اس کی مزاحمت بالکل ہی بے جان تھی۔ مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی اور چند لمحات کے بعد اس کی مزاحمت بند ہو گئی۔

میں نے اس کی گردن سے اپنے ہاتھوں کی گرفت ہلکی کی اور اس کی لاش کو دیکھنے لگا۔ واصد کی آنکھیں بری طرح پھٹی ہوئی تھیں زبان باہر نکلی ہوئی تھی وہ موت کی آغوش میں جا چکا تھا۔ اس کو موت کی نیند سلانے کے بعد میں نے دونوں ہاتھ جھاڑے پھر مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے جیب سے رومال نکال کر اس کی گردن کو خوب اچھی طرح سے رگڑ دیا تاکہ اس پر سے میری انگلیوں کے نشانات بھی ختم ہو جائیں۔

واصد کا بدن ساکت ہو چکا تھا۔ اسے قتل کرنے کے بعد بڑا سکون محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں تیزی سے وہاں سے چل پڑا۔ کافی دور تک میں پیدل چلتا رہا۔ اس کے بعد ایک ٹیکسی کی اور ہوٹل روانہ ہو گیا۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔

جو بوجھ میرے سینے پر موجود تھا لیکن اب وہ بڑا خوفناک تھا کہ واصد میرے لئے ایک چلتی پھرتی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ واصد تھا جو میری شخصیت سے واقف تھا اور مجھے دوسرے جہان پہنچا سکتا تھا۔

کم از کم اس طرح میں نے اپنی زندگی محفوظ کر لی تھی۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کل یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا کسی اور جگہ چلا جاؤں گا۔ میں اپنے آپ کو کسی ایسے ویرانے میں گم کر دینا چاہتا تھا جہاں میرے قرب و جوار میں کوئی شناسا نہ ہو اور پھر میں بالکل سکون کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

خدا کیسے کسی طرح اب میری بھی کسی کمبخت سے ملاقات ہو جائے ... [illegible]

[illegible]

"آپ کا نام بابر داد خان ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ذرا میرے ساتھ چلیے۔"

"اوہ کوئی خاص بات؟ میں [illegible] ... مشکل ہو سکتی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا ... [illegible]

تھوڑی دیر کے بعد میں نے ... [illegible]

... [illegible] پر بیٹھ گیا۔

پھر تو ایسی نیند آئی کہ رات کا ہوش نہ رہا۔ دوسرا دن بھی کافی چڑھ آیا تھا اور میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس وقت دروازے پر دستک ہوئی اور جب کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا اور میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو کوئی میرے نزدیک موجود تھا۔ اسے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پولیس کی وردی میں ملبوس انسپکٹر اور سپاہیوں کو دیکھ کر میں فوراً پہچان گیا تھا۔

"اٹھو۔" انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"بابر داد خان۔" پھر انہوں نے مجھے جیپ میں بٹھایا۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

## یہ ریڈیو پاکستان ہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا مطلب ؟"

[illegible]

"نہیں بیٹا !"

[illegible]



[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]



[illegible]

## حرام خور

گودام کے مالک نے ایک نوجوان کو گودام میں ٹہلتے دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے نوجوان کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "تمہیں کام کرنے کی کتنی اجرت ملتی ہے؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "تیس ڈالر جناب!"

"یہ لو تیس ڈالر اور دفعہ ہو جاؤ۔" گودام کے مالک نے اسے پیسے دیتے ہوئے کہا۔ پھر وہ سپروائزر سے مخاطب ہوا۔ "تم ایسے حرام خوروں کو ملازم کیوں رکھ لیتے ہو؟"

"مگر جناب! وہ لڑکا تو یہیں پارسل دینے آیا تھا۔ ہمارے گودام میں ملازم نہیں ہے وہ۔"



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ کرنل تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے رتجگے کے سوا کچھ نہ کیا ہو۔ تمام نفرت میری نگاہوں کا مرکز میری قضا تھی۔ اور کرنل مجھے غضبناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہی ہے وہ؟"

"ہاں انسپکٹر صاحب! یہی وہ پاگل شخص ہے جس نے میری کوٹھی کو تہس نہس کر دیا۔ یہی ہے وہ جانور، عقوبت اس کا نام ہے۔" کرنل ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔

"آپ اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟"

"ہر طرح کا ثبوت۔ میں اسے سزا دلوانے کے لیے ہر قدم اٹھاؤں گا جس سے اس کی اصلیت کھل جائے۔"

"ٹھیک ہے اسے حوالات میں بند کر دو۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور وہ لوگ مجھے لے گئے۔ لاک اپ کی کوٹھری میں داخل ہو کر میں صورت حال پر غور کرنے لگا۔ حالات بگڑ گئے تھے۔ میں نے ہوا کی سی تیزی سے کئی بار انہیں سنبھالنے کی کوشش کی تھی، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کرنل اتنا مکار نکلا تھا کہ اس کی سازش میں آ گیا تھا۔ کرنل مجھ سے پناہ چاہتا تھا، اور کرنل کو میں نے قتل کر دیا

تھا۔ دوسری طرف دلاور تھا۔ انسپکٹر میری طرف سے پہلے ہی مشکوک ہو گیا تھا، اس لیے اب چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب تو صرف انجام کا انتظار تھا۔

کئی گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی، پھر رات کو مجھے ایک بڑے پولیس افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"بارداد خان!"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"کیا کریں گے پوچھ کر ایس پی صاحب؟"

"اداکاری مت کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔" ایس پی غرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"مصر؟" ایس پی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔ میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں، میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"لیکن شکل و صورت سے تو مقامی معلوم ہوتے ہو۔"

"کبھی تھا۔ لیکن زندگی کا طویل عرصہ مصر میں گزارا ہے۔"

"پاسپورٹ وغیرہ ہے تمہارے پاس؟"



"اب تو کچھ نہیں ہے۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتا ہے یہ شخص۔ اس کا دماغ درست کرنا پڑے گا۔"

"جو دل چاہے کر لو ایس پی۔ اگر دل چاہے تو مصری سفارت خانے سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرا لو۔ میں قاہرہ کی ایک متمول شخصیت ہوں۔ اگر یہ بات جھوٹ نکلے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

ایس پی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "کرنل کو تم نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں ایس پی صاحب!"

"لیکن سارے ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ تم پر رانا مسعود کے بیٹے کے قتل کا الزام بھی ہے۔ یہاں تم نے حامد نامی ایک شخص کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ یہ کیا راز ہے؟"

"اگر اس راز سے پردہ اٹھاؤں تب بھی تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ سب کچھ میں نے ایک ایسی پراسرار قوت کے زیر اثر کیا ہے جس کی کہانی تم لوگ نہ سمجھ سکو گے۔"

"کون ہے وہ قوت؟"

"سرزمین افریقہ کی ایک ساحرہ اپسرا۔ جو ہزاروں سال سے زندہ ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح اقرار جرم کر لو۔ ورنہ پھر دوسرے طریقے شروع ہو جائیں گے اور تم سب کچھ اگل دو گے۔"

"ایک ایک بات سچ ہے ایس پی! ایک ایک بات سچ ہے۔ لیکن افسوس تم اس پر یقین نہیں کرو گے۔"

"انسپکٹر! اسے تھرڈ ڈگری کی ضرورت ہے۔ ایسے یہ زبان نہیں کھولے گا۔" ایس پی نے سرد لہجے میں کہا۔ اور انسپکٹر مجھے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا اور کہا۔

"اسے لے جاؤ۔ تھرڈ ڈگری سیکشن میں پہنچا دو۔" اور پھر دو آدمی مجھے وہاں سے پکڑ کر لے گئے۔ ایس پی نے میری اصل والی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے وہ دے بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ فراڈ ہے۔ جب میں تھرڈ ڈگری والے کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک آدمی بیٹھا

ــــ اونگھ رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑی خونخوار سی شکل کا آدمی تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"ابھی انسپکٹر صاحب آتے ہیں، وہ تمہیں بتا دیں گے اس بارے میں۔" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے کس دوں؟"

"ہاں۔"

اور میں نے اس کس دینے کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ وہاں ایک چرخی بندھی ہوئی تھی۔ تینوں نے مل کر مجھے اس چرخی سے باندھ دیا۔ یہ چرخی گھومنے والی تھی اور یہ ایک بڑے سے فریم میں لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر سختی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بارداد خان! حقیقت بتا دو مجھے کیا نام ہے۔ صورت و شکل سے تم اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن بہر طور قتل کا الزام ہے تم پر۔ تمہارے بارے میں جو شواہد ملے ہیں، وہ عجیب و غریب ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آخر ہو کیا چیز۔ لیکن اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر تمہارے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنا پڑے گا۔"

"انسپکٹر! تم جو سلوک میرے ساتھ کرو، یقین کرو۔ صورت حال کچھ ایسی ہے کہ میں اپنے آپ میں الجھ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں اچھی طرح سلجھا دوں گا۔ فکر مت کرو۔" انسپکٹر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اور پھر اس جلاد نما آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنی کمر سے ایک چوڑی بیلٹ کھولی۔ چمڑے کی یہ بیلٹ بہت خطرناک نظر آ رہی تھی۔ اس میں کئی زبانیں تھیں۔ اس نے بیلٹ کو فضا میں لہرایا اور ایک زوردار تڑاک کی آواز آئی۔ مجھے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"تمہارے اوپر الزام ہے بارداد خان کہ بمبئی سے پکڑے جانے پر تم نے ایک کوٹھی میں رانا مسعود کو قتل کرنے کی کوشش کی اور پھر وہاں ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم بمبئی آ گئے۔ بنارس کورس میں تم نے عجیب و غریب طریقے سے شرط کی بڑی رقمیں جیتیں، اور کرنل کو اپنا دوست بنا لیا۔ پھر کرنل کی شکایت کے باوجود تم نے جعلی ڈرامہ رچایا اور اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم نے حامد نامی آدمی کو یہاں دہلی میں قتل کرنے کی کوشش کی۔ بمبئی سے تم چل آئے تھے



www.paksociety.com

"مجھے بتاؤ کیا تم نے رضا مسعود کے گھر میں عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"
"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"کیا پرنامبی کورس میں تم ریس کھیلتے تھے؟"
"ہاں کھیلتا تھا۔"
"بمبئی میں تمہاری قیام گاہ تھی؟"
"ہاں تھی۔"
"پھر تم دہلی کیوں گئے؟"
"بس ایسے ہی سیر و سیاحت کی غرض سے۔"
"تمہارے خاندان میں اور کوئی نہیں ہے؟"
"نہیں۔"
"معر کے بارے میں جو تم نے ذکر کیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟"
"بہ حقیقت اگر تم لوگ معلوم کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے جسم حیرت سے پھیل جائیں۔ میں نے جو کچھ کہا غلط نہیں کہا ہے۔ بشرطیکہ تم اسے معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"
"ہم فضول جھگڑوں میں نہیں پڑیں گے۔ تم اس طرح کچھ وقت لینا چاہتے ہو۔ واحد نے زبان تو نہیں کھولی کیونکہ اس کی زبان تو تم کھول چکے ہو۔ لیکن اس نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم رضا مسعود کے گھر چلے گئے اور وہاں تم نے اس بچے کو قتل کیا۔ اس کے بعد تم بمبئی میں آ گئے۔ بمبئی میں تم نے ایک جرم کیا اور پھر تم یہاں دہلی پہنچ گئے۔ واحد سے تمہارے کیا تعلقات ہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ کیونکہ وہ گولی تم نے نکال لی تھی۔ یقیناً کوئی اہمیت رکھتی تھی۔ بہرحال واحد کو کسی سلسلے میں چھوڑا نہیں جائے گا۔ ہم اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اس دوران تم نے اگر زبان نہ کھولی تو مارے جاؤ گے۔"
"بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ میں نے خود نہیں کیا۔ ایک پراسرار قوت کے زیر اثر میں کام کرتا رہا ہوں اور وہ پراسرار قوت اب بھی میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ ہے اگر تم اس کے بارے میں جان لو گے تو تمہیں کبھی یقین نہیں آئے گا۔ اس لیے میں کچھ بتانے کی زحمت نہیں گوارا کرتا۔"
"فضول باتیں۔ زبان کھولنا ہے تو کھولو دوست۔ اقرار جرم کر لو۔"
"نہیں، میں نے کوئی قتل وتل نہیں کیا۔ یہ سب فضول

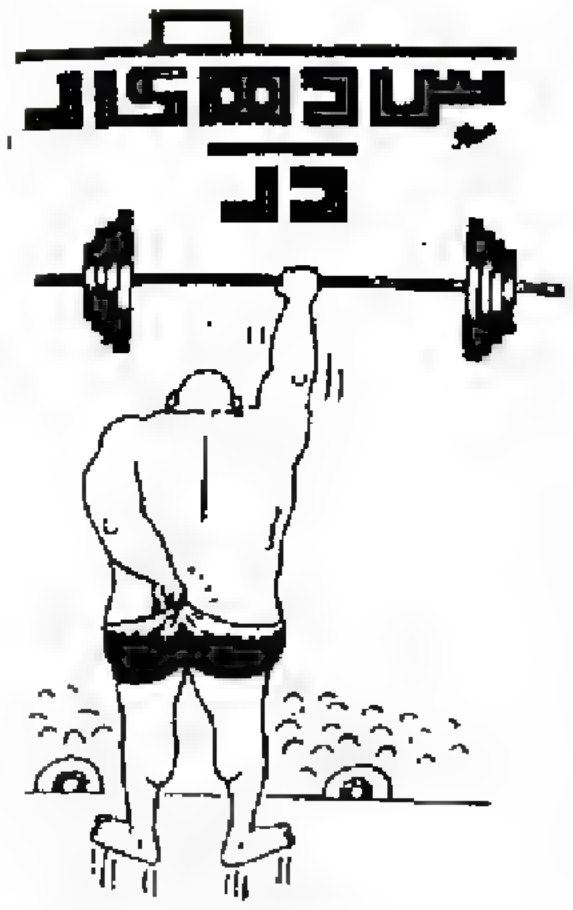

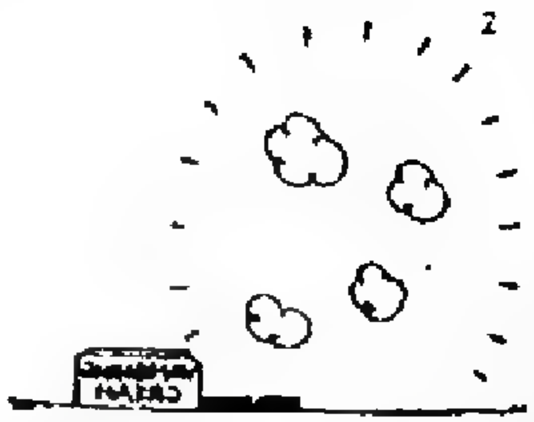



بکواس ہے۔" میں نے کہا۔ اور انسپکٹر نے جلاد کو اشارہ کیا اور جلاد میرے بدن پر کوڑے برسانے لگا۔ پورے بدن میں ایک آگ سی بھرتی جا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ شدید تکلیف کے احساس نے میری جان نکال دی تھی۔ لیکن میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ کوڑے میرے بدن پر پڑ ہی نہیں رہے بلکہ ان کا ہرگز کوئی اثر نہ ہو۔ جانے کیوں اس احساس سے مجھے کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔ میں نے واقعی محسوس کیا کہ کوڑے میرے بدن پر نہیں پڑ رہے۔ حالانکہ جب میں اپنے آپ پر غور کرتا تو پورے بدن میں آگ کی لکیریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں لیکن میری دوسری کیفیت مجھے سنبھالا دے رہی تھی۔ پھر نہ جانے کب میں بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو ذہن اپنے آپ ہی میں تھا۔ اذیت سے میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ میں ایک فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میرے نیچے چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ میرے نتھنوں میں سے سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

"آہ!" میں کرب ناک چیخیں نہ روک سکا۔ برابر لیٹے ہوئے ایک قیدی نے ہمدردی سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"تمہیں شاید بتا رہے۔ بس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کھلوانا چاہتے ہیں وہ؟"
"سو جاؤ آرام سے سو جاؤ۔ کچھ نہیں کھلوانا چاہتے۔ بس تم سو جاؤ۔" میں نے درد و کرب سے کہا اور قیدی خاموش ہو گیا۔ یہاں کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہوں نے عدالت سے میرا ریمانڈ حاصل کر لیا تھا۔ مجھے عدالت میں لے جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ اس سلسلے میں یقیناً انہوں نے کوئی خاص ہی کارروائی کی تھی۔ یا پھر یہ ممکن ہے کہ کوشش اور اس کے علاوہ آنے جانے والے کرتا کے رشتہ داروں نے عدالت میں اپنا کوئی تعلق دکھایا ہو۔

بہرطور مجھے پانچ دن تک حوالات میں رکھا گیا۔ میں نے [illegible] پیدا نہیں کی تھی۔ [illegible] جب کہا قتل میں نے نہیں کیا۔

پانچویں دن مجھے حوالات سے جیل میں منتقل کر دیا گیا اور [illegible] سے لایا گیا۔ جیل میں ایک کوٹھڑی میں مجھے قید کر دیا گیا۔ میرے اوپر [illegible] ہوا تھا۔ یہاں اس کوٹھڑی میں میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ [illegible] زخموں کی اذیت [illegible] تھا۔ لیکن میرے زخم برابر تکلیف دے رہے تھے۔ چھٹی اور ساتویں رات میں مجھے قدرے سکون محسوس ہونے لگا۔ اس رات میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ اور ایک بار پھر میرا ذہن ڈانواڈول ہونے لگا۔ ابھیرا میرے ذہن پر جو حاوی ہے [illegible] اس میں مجھے کیا عار ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے رہنا چاہیے۔ اس میں کیا حرج ہے۔ ویسے بھی تو زندگی جا رہی ہے اور اب میں اپنی دنیا میں کبھی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سلطان اور دوسرے لوگ نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ کوئی میری مدد کو نہیں آ سکتا بس۔ مجھے اب ان تمام مسئلوں میں پھنسنا ہے۔

ابھیرا کی بات جب تک مان رہا تھا۔ واقعی مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ لیکن میری اپنی ضد نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ مجھے بالآخر ایک نہ ایک دن پھانسی پر چڑھنا ہو گا۔ ذلیل موت، کہاں مر گئی تو۔ خدا تجھے غارت کرے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ اور دفعتاً میرے کانوں میں ابھیرا کی ہنسی ابھری۔ یہ ہنسی مجھے کوٹھڑی کے ایک کونے میں سنائی دی تھی۔
"ارے! تو تم یہاں موجود ہو۔"
"میں کہاں جاؤں گی جان من! تم سے دور کہاں جاؤں گی۔ تمہارے بارے میں تو مجھے مکمل معلومات رکھنا ہوتی ہیں۔ میں موجود ہوں۔ کہو کیا بات ہے؟"
"مجھے اس کرب سے نجات دلا دے۔ مجھے اس اذیت سے نجات دلا دے۔ میں تیری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔ میں تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آہ مجھے اس عذاب سے نجات دلا دے۔"
"کیا واقعی سچ کہہ رہے ہو تم؟"
"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں اب تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"
"سوچ لو بار ودھان!"
"سوچ لیا میں نے ابھیرا! میں نے سوچ لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تیرے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکتا۔"
"تم ہی نے تو میری دنیا برباد کی تھی بار ودھان! اب تم ہی میری دنیا آباد کرو گے۔ بہرحال ٹھیک ہے آزاد ہو جاؤ گے۔ لیکن [illegible] اس زندگی میں کچھ جد علیحدہ رہنا ہوں گی۔ تم ایک مفرور مجرم ہو گے۔ تمہیں زمانے کی نگاہوں سے چھپنا ہو گا۔ لیکن اس سلسلے میں میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتی ہوں۔ میں تمہیں ایسے لوگوں کے پاس پہنچا

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوں گی جو تمہیں ایک نئے نام سے یاد کریں گے اور تمہاری زندگی میں کچھ دوسرے مسائل بھی شامل ہو جائیں گے لیکن ان کے ساتھ تم عیش کرو گے یعنی: عیش کرو گے تم۔"

"لیکن وہ لوگ ہیں کون اور میں یہاں سے کیسے نکل سکوں گا؟"

"یہ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں اور تم کیسے نکلو گے لیکن میری ایک بات سنو۔ تمہارا نام اب بابر داد خان نہیں بلکہ تم شیرو ہو۔ شیرو کی حیثیت سے تمہیں نئے کردار ملیں گے۔ میں تمہیں ان کے بارے میں اطلاع دیتی رہوں گی کہ کرنا کیا ہے۔ تم کسی معاملے میں پریشان مت ہونا۔ جو کچھ وقت کی ضرورت ہوگی، میں تمہارے کانوں میں انڈیلتی رہوں گی۔ تم ذرا سی سب کچھ بن جانا جو وہ لوگ چاہتے ہیں۔ ایسا تو تم جو کرتے ہو یہ۔ تمہیں بہت سی جگہوں پر اداکاری بھی کرنا ہوگی۔ اس اداکاری کے بغیر تمہاری زندگی ممکن نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو شیرو ثابت کیا تو پھر تم شاید مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس بار تم قتل کے جرم کے ساتھ ساتھ جیل سے فرار کے مجرم بھی بن جاؤ گے سمجھے۔"

"ٹھیک ہے تو میرا نیا نام شیرو ہوگا۔"

"ہاں شیرو۔ اور شیرو کی حیثیت سے تمہیں بہت سے نئے کردار ملیں گے۔ اپنے آپ کو الجھانے کی کوشش مت کرنا۔ بس جس طرح حالات کہتے رہیں۔ ویسے ہی بن جانا۔ تمہارے دل و دماغ میں سب کچھ آتا رہے گا۔ جو تمہاری ضرورت ہوگی۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"تو بس آج کی رات گزار لو کل دن میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" اپسرا نے کہا اور اس کے بعد آواز بند ہو گئی۔ میرے دل میں خوشی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ تو میں نے بحالت مجبوری کیا تھا۔ میں اس کم بخت کے لیے قتل و غارت گری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ پولیس تو اذیت دے دے کر مجھے مار ڈالتی اور بالآخر مجھے اس زندگی سے محروم ہونا پڑتا کہ زندگی بڑی حسین شے ہوتی ہے۔ کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا۔ میں بھی مرنا نہیں چاہتا تھا حالانکہ میری زندگی میں اب رہ ہی کیا گیا تھا۔ لیکن بار بار میں جذباتی ہو جاتا تھا اور عدالت باقی ہو جانے کے بعد میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ اگر اپسرا کی بات نہ مانتا رہتا تو شاید بیٹی بھی میں زندگی گزار رہا ہوتا اور بیٹی کو بڑی جگہ چھپی تھی۔

بہر طور رات کسی نہ کسی طرح گزاری۔ دوسرے دن صبح کے ناشتے کے بعد بیٹھا ہی ہوا تھا کہ دفعتاً جیلر کا ایک آدمی میرے پاس پہنچا اور مجھے کوٹھری سے نکال لیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے جیلر کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ جیلر ایک منحنی سا اور خلیق قسم کا آدمی تھا۔ قد آور تھا۔ درشت صورت سے سیدھا سادا شریف آدمی نظر آتا تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑی مونچھوں والا شخص بھی بیٹھا ہوا تھا جس کا بدن بھاری تھا۔ آنکھ کی پتلی سے لے کر تھوڑی تک زخم کا ایک گہرا نشان بنا ہوا تھا۔ گال بُری طرح بھرے ہوئے تھے۔ رنگ و روش میں خاصا زبردست تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"یہی ہے میرا شیرو بھی ہے۔"

"مگر جناب! یہ تو بابر داد خان کے نام سے یہاں آیا ہوا ہے۔"

"بکتے ہیں۔ سب بکتے ہیں۔ جیلر جی! تم مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ کیا میں غلط کہوں گا!"

"نہیں خان! تم غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میں کیا جواب دوں گا۔"

"جیلر! میرے سلسلے میں کوئی جواب دینے کی ضرورت رہ جاتی ہے جو اس بارے میں پوچھے اس کے سامنے تم میرا نام لے دینا۔"

"ٹھیک ہے خان بابا! تم اسے لے جا سکتے ہو۔"

میں حیران رہ گیا۔ یہ جو کچھ جتنی آسانی سے ہوا تھا میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے لیے تو بڑے بڑے منصوبے بنائے گئے تھے۔ پولیس آفیسر اور دوسرے لوگ میرے لیے بچانے کیا کیا کچھ کر رہے تھے۔ بہر طور یہ شخص جو خان بابا کی حیثیت سے آیا تھا اور جس نے مجھے شیرو کہہ کر مخاطب کیا تھا یقیناً کوئی ایسا ہی آدمی تھا جس کی اطلاع مجھے دے دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

اس شخص نے مجھے گلے سے لگایا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا۔

"جان کیسے پہنچ گئے تھے یہاں۔ شیرو تو اپنا کسی کے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ چلو چلو بہت سے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ ہم آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا تھا کہ تم یہاں جیل میں موجود ہو۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپسرا میرے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اور مجھے تمام صورت حال بتا رہی تھی۔ اور اس صورت حال کو میں کر رہا



دنگ رہ گیا تھا۔

میری تو ذاتی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ مجھے ایسے ایسے کردار ادا کرنے تھے کہ خود میرے لیے ممکن نہیں تھے۔ لیکن اپسرا کے زیر ہدایت مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ اگر وہ مدد نہ کرتا تو جیل کی سلاخوں کے علاوہ میرے لیے کوئی اور جگہ موجود نہ تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ نئی زندگی میرے لیے کیسی ہوگی۔ خان بابا مجھے جیل سے باہر نکال لایا تھا۔

باہر نکل آنے کے بعد وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ باہر کی دنیا بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں جیل کے سپاہی تھے نہ بیرکیں تھیں نہ پتھریلی دیواریں نہ لوہے کی سلاخیں۔ چوڑی سیاہ سڑکیں بلند و بالا عمارتیں۔ بھاگتے دوڑتے لوگ۔ دکانیں، ٹھیلے، گاڑیاں یہ تمام مناظر چند ہی دنوں میں مجھے عجیب سا لگنے لگا تھا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں ایک لرزش سی تھی۔ پتہ نہیں یہ خواب تھا یا حقیقت جو کچھ پیچھے رہ گیا تھا وہ خواب تھا جو کچھ سامنے موجود ہے وہ خواب ہے۔ اپسرا نے میری ساری ذہنی صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا کہ کوئی مجھے نیند سے بیدار نہ کر دے اور میں دوبارہ سلاخوں کے پیچھے نہ پہنچ جاؤں۔

خان میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی سنجیدگی مجھے حیرت انگیز لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک ریسٹوران کے سامنے پہنچ گیا۔ چند لمحات کے بعد ہم دونوں ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانوں کی مست خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چائے کی پیالیاں کھنک رہی تھیں۔ خان نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"کیا پیو گے؟"

"چائے۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

خان نے چائے منگوائی۔ پھر بھاری بھاری لہجے میں بولا۔

"دیکھو۔ جیل میں، میں نے تم کو کیا جو کچھ کہا تھا۔ تمہیں بس وہی دہرانا ہوتا ہے۔ وہاں پہنچ کر یاری میں اس جگہ جانا ہے۔ جہاں سے تمہارے لیے دلچسپی کا آغاز ہوا تھا۔ وہاں تمہیں بہت سے لوگ ملیں گے۔ شیرو! تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں زیادہ دیر تک تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ اس کے بعد حالات تمہیں خود سنبھالنے ہیں۔ چائے پیو اور یہاں سے اٹھ چلو۔ اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اور وہاں تم کو ضرورت ہو تو جتنی چاہو سے لو لیکن کام وہی سب کچھ کرنا ہے جو تمہیں معلوم ہے۔"

"ٹھیک ہے خان!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ان جملوں کی ادائیگی میں میری اپنی کوششوں کو دخل نہیں تھا۔ میں تو ایک سحر کے زیر اثر کام کر رہا تھا۔ اور یہ سحر مجھے بتانے کہاں کہاں بھٹکانے لے جا رہا تھا۔ چائے پینے کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ خان تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھ سے جدا ہو گیا۔ یہ کردار میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو جو اپسرا کی طرف سے میری رہائی کے لیے بھیجی گئی لیکن جیلر اس کے سامنے اتنا نرم کس طرح ہو گیا تھا۔ یہ بات اس دن بھی نہیں بلکہ اس دن سے آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔

بہر طور میں تنہا رہ گیا تھا۔ چلتے وقت خان نے میری جیب میں چھوٹے اور بڑے نوٹوں کی ایک دو گڈیاں ڈال دی تھیں جن کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں تھی۔ لیکن کم از کم اتنی ضرور تھی کہ میں کام چلا سکتا تھا۔

خان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دوبارہ بمبئی واپس چلا جاؤں۔ بمبئی میں تو میں ایک شاندار زندگی گزار چکا تھا اور اس کے بعد وہاں سے جس انداز میں بھاگا تھا۔ اسے میرا دل ہی جانتا تھا۔ بڑی پریشانی کے عالم میں تھا۔ اس وقت اندر سے میرا حال بڑا خراب تھا۔ ذہنی بے چینی، مایوسی، خوف ایسا لگتا تھا جیسے اس پوری دنیا میں کوئی میرا شناسا ساتھی نہیں ہے بالکل تنہا تھا۔ خان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد میں آگے بڑھتا رہا اور فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بالآخر ایک کھمبے کے قریب پہنچ گیا۔ مجھ سے اب ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس کھمبے سے سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دوں۔

پتہ نہیں کس مصیبت سے یہ وقت گزارا پھر میں نے سوچا کہ اپسرا سے دوبارہ تو کوئی بات نہیں کروں جو ایک کہانی ہے۔ یہ پتہ نہیں میں نے اسٹیشن کی طرف کر دیا۔ سامنے شہر تھا۔ روشنیاں ہی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ روشنیوں کا کوئی سرا نظر آ رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس شہر کو آگ لگا دیتا۔ ان شہروں میں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔

اسٹیشن پر مسافروں کی بھیڑ زیادہ نہیں تھی۔ میں نے ایک جگہ منتخب کی اور اپنا بازو سر کے نیچے رکھ کر نڈھال سا زمین پر لیٹ گیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اسٹیشن پر ہونے والے شور سے مجھے وحشت ہو رہی



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔ بمبئی جانے والی گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور ٹکٹ بھی خرید لیا تھا۔ مجھے اس نیم بے ہوشی کی کیفیت میں پڑے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ میں نے اپنے قریب کسی کی سرسراہٹ محسوس کی۔ شاید کوئی مسافر ہوگا۔ یہ خیال کر کے میں کروٹ بدلے بغیر ایسے ہی پڑا رہا۔ لیکن دوسرے لمحے میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک شخص کا ہاتھ میرے گریبان پر تھا۔ دوسرے کا جیب میں۔ میرے اچانک بیدار ہو جانے سے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بجائے اس کے کہ بھاگ جاتے مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک نے ناک کے پاس ٹکر لگائی۔ دوسرے نے پیٹ میں گھونسا مارا اور میں دوہرا ہو گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالنے والے شخص نے فوراً میری جیب میں دوبارہ ہاتھ ڈالا اور دوسرے نے میرا گریبان پھاڑ دیا۔ میں نے اسی تکلیف کے عالم میں اپنا سر اس کے سینے پر مارا اور وہ دھڑام سے پلیٹ فارم کی سخت زمین پر جا گرا۔ اس اثنا میں جو شخص جیب سے روپے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے ہاتھ میں روپے نہیں آسکے تھے۔ یا اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس نے جیب سے ہاتھ نکال کر مجھ پر وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں پکڑ لیا۔ اور پھر اس کے پیٹ میں اتنی زور سے مکا مارا کہ جتنی زور سے اس کے ساتھی نے مجھے مارا تھا۔ وہ کراہتا ہوا انجن کے قریب ڈھیر ہو گیا۔ میں نے وہاں سے فوراً بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن چند قدم آگے مجھے دو اور غنڈوں نے گھیر لیا۔ اس دوران پہلے والے غنڈے بھی آ گئے۔ اور اب میں پوری طرح ان کی گرفت میں تھا۔ انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

پھر وہ میری تلاشی لینے لگے۔ میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتا۔ لیکن میرے پاس جو روپے تھے وہ میرا آخری سہارا تھے۔ میں نے ان کی منت کی کہ مجھے چھوڑ دیں۔ میں ایک غریب اور بے گھر آدمی ہوں لیکن ان میں سے ایک نے میری جیب سے روپے نکال لیے۔ اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔

"ارے باپ رے! یہ دیکھو بھائی! اس کی جیب میں تو بڑا مال ہے۔" اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"اور دیکھو۔ اور دیکھو اور بھی کچھ ہوگا جلدی کرو!" دوسرے غنڈے نے کہا۔

"میرے روپے واپس کر دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ضرور ضرور۔ ہم تجھے سویرے ناشتے کے کھانے کے پیسے ضرور دیں گے۔ بتا اور مال کدھر ہے؟"

"روپے واپس کر دو۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"اسے چپ کرا بے بدمعاش۔" اس نے ایک الٹا ہاتھ میرے منہ پر مارا اور دوسرے لمحے میرا ہاتھ اس کے منہ پر جا پڑا۔ میرا یہ ہاتھ اتنا زوردار تھا کہ ایک لمحے کے لیے وہ سن کھڑا رہ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے چاقو نکال لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آتا جا رہا تھا۔ میں یونہی کھڑا ان دونوں کو گھورتا رہا۔

"یہ چاقو ابھی تیرے پیٹ میں اتر جائے گا۔ جان پیاری ہے تو باقی مال بھی میرے حوالے کر دو۔" میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور دوسرے لمحے میں نے چاقو والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اس شخص کی گردن پکڑ لی۔ جس نے میرے روپے نکالے تھے۔

"نکالو روپے۔ ورنہ یہ چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔" میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دونوں گڈیاں نکال لیں۔ اور اپنی جیب میں منتقل کر لیں۔ اسی وقت دو سپاہیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ سامنے سے آتے نظر آ رہے تھے۔ سپاہیوں کو دیکھ کر ان کے چہرے خراب ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے ان لوگوں نے دوڑ لگا دی تھی۔ اور میں اپنے پیسے سنبھال ہی رہا تھا کہ سپاہی میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے میرا حلیہ اور چاقو دیکھ کر ۔۔۔ معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ اور اپنے ڈنڈے سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ایک مسافر ہوں۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا۔ پولیس والا بولا۔

"یہاں کون تھا؟ ابھی یہ شور کیسا ہو رہا تھا؟"

"وہ تین بدمعاش تھے۔ مجھے لوٹنا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ روپے میری جیب سے نکال لیے تھے۔ اور پھر چاقو میرے سینے پر رکھ کر مزید کا مطالبہ کر رہے تھے کہ میں نے چاقو چھین لیا۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر وہ لوگ بھاگ گئے۔"

"چاقو دیکھ کر بھاگ گئے یا ہمیں دیکھ کر؟" ان میں سے [illegible]



نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی کہہ لیجیے قسمت نے آپ کو بھی وقت پر بھیج دیا ہے۔"

"بہت بڑی کامیابی سے بول لیتے ہو استاد! سچ سچ بتاؤ کیا معاملہ تھا؟"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ حقیقت ہے۔ ان کا چاقو میرے پاس ہے۔ آپ نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"یہ چاقو تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟ اور کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام بابر دادا دھان ہے اور میں جیل سے رہا ہوا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ! تازہ تازہ رہا ہوئے ہو اور اس کے فوراً بعد ہی واردات شروع کر دی۔"

"دیکھو صاحب! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔"

"بکواس کرتے ہو۔ مجھے تم کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اس شہر میں تمہیں کوئی جانتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شہر میں کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہو۔" میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"چاقو ادھر لاؤ۔" ان میں سے ایک بولا۔ اور میں نے چاقو اس کے حوالے کر دیا۔

"معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔ شاید تمہارا اور ان لوگوں کا جھگڑا تھا۔ تم نے اپنے ساتھیوں کو بھگا دیا۔"

"حوالدار صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ دیکھیے میں زخمی ہوں مجھے بخار ہے۔ اور اگر مجھے ڈاکہ ہی ڈالنا ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ فرار ہو جاتا۔"

"نہیں تھانے چلنا ہوگا۔"

"مگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم!" وہ چاقو لہراتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ جرم نہیں ہے۔ رات کے وقت یہاں ٹہلنا، شور شرابہ کرنا کیا جرم نہیں ہے؟ باقی جرم تھانے دار صاحب معلوم کر لیں گے اور وہ تم سے پیسے نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک کہ انہیں اس کا یقین نہ ہو جائے کہ یہ بات صحیح سلامت گزرنے کا لقمہ نہیں تو... چلو!"

"دیکھو حوالدار صاحب! میں بمبئی جا رہا ہوں۔ میں نے بمبئی جانے کا ٹکٹ بھی لے رکھا ہے۔ اگر تم نے مجھے بمبئی نہ جانے دیا تو یہ ٹکٹ بیکار ہو جائے گا۔" میں نے ٹکٹ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ اور حوالدار نے ٹکٹ میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یہ ساری باتیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "چور ڈاکو اسی قسم کے بہانے کرتے رہتے ہیں۔ چلو، تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

میں نے بہت منت سماجت کی ان لوگوں کی۔ شہر میں کوئی ایسا نہیں تھا جس سے میں تعلق کا حوالہ دیتا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آدمی دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا۔ اس کی بنیاد ضرور ہونی چاہیے۔ کسی محلے، کسی گروہ اور کسی گھرانے سے اس کی وابستگی ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں پولیس والے بھی رہتے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ ضرورت شناخت کی پڑتی ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ تو وہ [illegible] میں تنگی ہو جاتی کیونکہ [illegible] اور پھر اسی طرح اور بھی بہت سے پولیس والے بھی آ جاتے اور اس کے بعد مجھے دوبارہ جیل میں منتقل کر دیا جاتا۔ خان تو مجھے رہا کرانے کے بعد جا چکا تھا۔

وہ کون تھا؟ کیا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اس بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ دفعتاً مجھے اس کا خیال آیا۔ جب اس نے مجھے جیل سے رہا کرایا ہے تو وہ باقی معاملات بھی سنبھالے گا۔ یہ سب کچھ میرا اپنا مسئلہ تو نہیں تھا۔ میں تو اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اب جیل سے نکلا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

"سنو حوالدار جی! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ آپ مجھے وہاں لے جا کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"سب مجرم ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔"

"آپ مجھے مجرم کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"چلو ملزم کہہ لو۔" حوالدار نے قانون جھاڑا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" میں نے برہم ہو کر کہا۔

"کیا؟" اس نے میری طرف دیکھ کر ڈنڈا سنبھالا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے لمحے اس کو جھٹکا دیا۔ ڈنڈا اور [illegible] گر پڑا۔ حوالدار ایک دم [illegible] ہو گیا۔ دوسرے حوالدار نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اب ان کی پٹائی شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے دل میں کون سی ترکیب کام کر رہی تھی۔ لیکن میرے مکے ان لوگوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں کی خوب مرمت کی اور پھر دوسرے لمحے ایک حوالدار سیٹی بجانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ اس کے بعد بہت سارے سپاہی آجائیں گے اور شاید ان سب سے بچنا میرے لیے ممکن نہ ہو۔ سیٹیوں کی آوازیں چاروں طرف ابھر رہی تھیں۔ ہیبت ناک آوازیں جو نیزے کی طرح دل میں اتر جاتی تھیں۔

میں بھوک اور بخار کی ناتوانی میں اس گلی سے اس گلی بھاگتا رہا۔ سپاہیوں نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ ایک طرف سیٹی بجتی تو ہر طرف سیٹیاں بجنے لگتیں۔ تب مجھے خود کو ایک شکستہ دیوار کی اوٹ میں چھپانا پڑا۔

وہاں مرغیاں بند تھیں۔ میری آہٹ پر مرغیوں میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ شور کرنے لگیں۔ میں چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ یہ کسی گھر کا ٹوٹا ہوا حصہ تھا جو کبھی مکان کے اندر شامل ہوگا۔ آدھی چھت سلامت تھی اور آدھی کی گری ہوئی اینٹیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہوئی تھیں جو حصہ محفوظ رہ گیا تھا اب اس میں مکان تھا۔

مکان کے ایک چھوٹے سے حصے میں سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے؟" میں دم سادھے پڑا رہا۔ مرغیاں غالباً ابھی کڑکڑا رہی تھیں۔ ایک عورت نے لرزتے ہوئے ہاتھ میں جلتی لالٹین باہر نکالی اور پھر لرزتی آواز میں بولی۔

"کون ہے؟" وہ چند قدم آگے بڑھی اور دور سے ہی لے کوئی چیز میری پشت پر آکر لگی۔ میری کراہ نکل گئی۔ اگر میں اسی طرح پڑا رہتا تو وہ چیز مار مار کر میرا حلیہ خراب کر دیتی۔ چنانچہ میں بادل ناخواستہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

باہر سیٹیاں گونج رہی تھیں۔ میں کسی دوسری جگہ پناہ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ یہ بھی خوف تھا کہ عورت کے گھر والے بالکل شور نہ مچا دیں۔ میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں — میں ایک مظلوم انسان ہوں یقین کرو میں چور نہیں ہوں بس ایک بے گناہ آدمی ہوں جس کے پیچھے پولیس خواہ مخواہ لگ گئی ہے۔"

"بے گناہ!" عورت خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"ہاں بہن! میں چور نہیں ہوں۔ تم یقین کرو میں چور نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"بہن!" وہ عجیب سی آواز میں بولی۔ اس آواز میں محبت کا رس گھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا: "یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہو؟"

"بس ذرا دیر میں چلا جاؤں گا۔ یقین کیجئے آپ کی کسی چیز پر ہاتھ تو نہیں ڈالوں گا۔ آپ اطمینان سے سو جائیں۔"

"ہم۔ مگر یہ پولیس آخر تمہارے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے؟"

"براہ کرم ابھی یہ سوالات نہ کریں۔ پولیس والے قریب آ رہے ہیں کچھ دیر کے لیے روشنی بند کر دیجئے اور خاموش ہو جائیے۔" عورت نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر اس نے میری بات مان لی۔ اس نے لالٹین کی بتی مدھم کر دی تھی۔ اور اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔

مرغیاں بھی شاید اپنی مالکن کی آواز پہچان کر اب خاموش ہو گئی تھیں۔ دیوار کے قریب وہ سیٹیوں اور لاٹھیوں کی آوازیں آئیں۔ پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ اس عورت نے لالٹین پھر تیز کر لی تھی۔

"آپ کا شکریہ۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔" یہ کہہ کر میں شکستہ دیوار سے نکل کر باہر جانے لگا۔

"سنو!" اس نے مجھے جاتے دیکھ کر روکا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ چند قدم آگے بڑھ آئی تھی پھر اس نے دروازہ کھولا اور باہر برآمد ہو گئی۔ تیس پینتیس سال کی ایک عورت تھی۔ سفید لباس میں ملبوس۔

"تم نے مجھے بہن کہا ہے۔ بہن کا مان جانتے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں جانتا کچھ بھی نہیں جانتا۔" میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہن ایک مقدس ہستی ہوتی ہے اور بھائی خواہ مانے جانے نہ ہوں جب بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کے تقدس کا خیال رکھتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"اگر تمہارے پاس رات بسر کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے تو تم یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ مگر صبح ہونے سے پہلے چلے جانا۔"

"شکریہ! میں ٹرین میں سفر کرنے والا تھا۔ بمبئی جانے کا ارادہ ہے۔ کچھ غنڈوں نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی۔ میں بچ کر بھاگ گیا لیکن پولیس والوں نے مجھے ہی پکڑ لیا اور مجھے تھانے لے جانے لگے۔ لیکن میں تھانے نہیں جانا چاہتا۔"

"اندر آ جاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ بے گناہ ہی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔"

"نہیں، نہیں، نہیں!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں میری وجہ سے پریشانی ہو گی۔"



"کوئی حرج نہیں ہے آ جاؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور میں بے بس ہو گیا۔ پھر میں اس کے پیچھے پیچھے جھجکتا سا مکان میں داخل ہو گیا۔ کسی زمانے میں یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان ہوگا۔ لیکن اب کھنڈر نظر آ رہا تھا۔ رات کو یہاں کی ویرانی کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے برآمدے کی چوکی پر بٹھا دیا۔ پھر خود اندر جا کر شاید بستر کا انتظام کرنے لگی۔ پھر وہ مجھے شکستہ کمرے میں لے گئی۔ جہاں ایک چارپائی پر صاف ستھرا بستر لگا ہوا تھا۔ اس گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ایک اجنبی کے لیے یہ ایثار بڑی حیرت کی بات تھی۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"یہاں آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔"

"نہیں۔ میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ بہن! اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔"

"کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو؟"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔ میرا شوہر مر چکا ہے اور میں بیوہ ہوں۔ دو بچیاں ہیں میری۔ ایک میرے پاس ہے۔ دوسری کو میرے عزیز ازراہ کرم لے گئے ہیں۔ اس لیے کہ میں ان کی کفالت نہیں کر سکتی۔"

"اوہ!" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر نجانے کیوں میرے دل میں ایک خیال آیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جیسے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ اور اس میں سے کچھ نوٹ کھینچ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی کہا ہے آپ نے مجھے بہن کے مان کا حوالہ دیا ہے۔ میں ایک بدنصیب بھائی ہوں۔ بہن کے لیے اور تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ حقیر سی رقم رکھ لیجئے ایک بھائی کی طرف سے۔" میں نے رقم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ اپنے اس رات کے ٹھہرنے کی قیمت ادا کرنے چلے ہو۔ بھائی بہن کے گھر میں قیمت ادا کر کے نہیں ٹھہرتے۔"

"دیکھو، جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ اگر تم نے مجھے ٹال دیا تو شاید میں یہاں نہ رک سکوں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں۔ دولت انسان کی ضرورت ضرور ہوتی ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔"

"اس کے باوجود اسے رکھ لو ورنہ مجھے دکھ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی اگر تم اس ایک رات کی کمائی میرے دل پر نقش کرنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے لاؤ دے دو۔ بتاؤ تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاؤں۔"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ صرف ایک گلاس پانی پلا دو۔ شاید مجھے بخار ہے۔"

"توبہ۔ آج تو تم آ گئے۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ ایک شریف انسان میرا مہمان ہے۔ مگر نہیں تو بخار ہے۔ لاؤ مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میری کلائی پکڑ لی۔ بڑا نرم تھا۔ بڑا مضبوط تھا اور بڑا اعتماد تھا۔ اس ہاتھ کی گرفت میں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے واقعی تمہیں تو سخت بخار ہے۔ بہرطور خدا کا شکر ہے کہ میں تمہارے کسی کام آ سکی۔ میں تمہارے لیے چائے بنا لاتی ہوں۔ چاہتے ہو کہ لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ وہ باہر چلی گئی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک پیالی میں چائے لے آئی۔

میں نے خاموشی سے چائے پی۔ اس دوران وہ میرے سامنے ہی کھڑی رہی تھی۔ پھر میں بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی جسم جیسے کسی نے شکنجے میں کس دیا ہو۔ کئی ماہ کی مسلسل تھکن سے حالت پہلے ہی خراب تھی۔ اب بستر کے احساس نے تمام طاقت چھین لی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہوش و حواس چلے گئے ہوں۔ نجانے کب تک وہ بے چاری وہاں رکی رہی اور نجانے — میں حالت بخار میں کیا کیا بکتا رہا۔ جب میں ہوش میں آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن پر کئی لحاف پڑے ہوئے ہیں۔ وہ میرے ماتھے پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ رہی تھی۔ اور قریب ہی اس کی بچی ایک تسلے میں کپڑا بھگو بھگو کر اسے دے رہی تھی۔ میں نے بے چینی سے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لیٹے رہو بھیا لیٹے رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں پسینہ آ گیا۔ ورنہ تمہاری حالت تو کافی خراب تھی۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟" میں نے کمزور لہجے میں پوچھا۔

"صبح قریب ہے۔"

"تو مجھے چلنا چاہیے۔" میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میری آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔ سارا کمرہ گھومنے لگا۔

"تم اس حالت میں کہیں نہیں جا سکتے۔"

"مگر میں یہاں رہ بھی تو نہیں سکتا۔"

"مگر تم جاؤ گے کیسے؟" وہ فکرمندی سے بولی۔

"کسی نہ کسی طرح اسٹیشن تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ وہ



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹرین تو نکل گئی جس سے مجھے سفر کرنا تھا۔ اب کسی دوسری ٹرین سے سفر کروں گا۔"

"ہوں! بہرطور اس وقت تک یہاں قیام کرو جب تک کہ تمہاری حالت بہتر نہ ہو جائے۔ اس حالت میں میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔" اس کے لہجے میں ایک حکم سا تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ اس وقت جب کہ مجھے شناساؤں کی ضرورت تھی مجھے شناسا نہ ملا تھا اور اب یہ اجنبی شناسا کتنی یگانگت کا اظہار کر رہی تھی۔ نوازش کیا چیز ہے۔ انسان کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ ہر سلسلے میں وہ حالات اور وقت کا تابع ہے۔ میں خاموش ہو گیا۔

اس بے چاری نے دن بھر میری خدمت کی تھی اس کی چھوٹی سی معصوم سی بچی مجھے ماما ماما کہہ کر پکارتی رہی تھی۔ اور نجانے کیوں میرے دل میں ان کے لیے گداز پیدا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ دنیا کے جھگڑے چھوڑ کر یہیں رہ پڑوں۔ اس کی خدمت کر کے اپنا وقت گزاروں۔ بچی کو سچے ماما کا پیار دوں اور ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں۔

اس وقت نجانے کیوں مجھے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ اپنے عزیز و اقارب یاد آ رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ انہیں تلاش کروں۔ کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گا۔ جس طرح یہ ماں بیٹی مجھے اپنے ایک رشتہ دار سی لگنے لگی تھیں۔ ممکن ہے میرے اصل رشتہ دار اور بھی قریب دیوار میں موجود ہوں۔ ان میں سے کچھ نہ کچھ منتشر ہو گئے ہوں۔ حویلی میں تبدیلیاں ضرور ہوئی ہوں گی لیکن کہیں نہ کہیں سے ان کا پتہ چل جائے گا۔ آج تک میں نے کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن آج نجانے کیوں مجھے بار بار ان کی یاد آ رہی تھی۔

دوپہر کو عورت نے میرے لیے مرغی کا شوربہ بنایا۔ مرغی تو اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس نے ذبح کر لی ہو گی۔ شوربہ پینے کے بعد بدن میں توانائی سی آ گئی تھی۔ بخار بھی اب اتر گیا تھا۔ شاید کسی میچ تیاہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ رک نہ سکا تھا۔ شام کو میری حالت بالکل بہتر ہو گئی اور میں مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"بہن! میں تمہارے اس احسان کا زندگی بھر بدلہ نہ اتار سکوں گا۔ مجھے اب جانے کی اجازت دو۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ایک آدھ دن اور رک جاؤ تم سے کچھ ایسی محبت ہو گئی ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"نہیں! مجھے جانے دو۔ میری زندگی تمہارے لیے بڑی پریشانیوں کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ بچی کا ساتھ ہے۔ میں اپنا منحوس سایہ تمہاری بچی پر نہیں پڑنے دینا چاہتا۔"

"نہیں بھیا! وہ تمہیں ماما کہہ رہی ہے۔ ماموں کبھی منحوس نہیں ہوتے۔"

"اس کے باوجود مجھے جانا ہے۔ تم مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں تمہیں کچھ بتا بھی نہیں سکتا۔"

"میں پوچھوں گی بھی نہیں۔ لیکن زیادہ عرصے نہ سہی کچھ دن ہی رک جاؤ۔"

"نہیں بہن! اب میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے اجازت دو۔" شام کے جھٹپٹے جب رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئے تو میں وہاں سے نکل آیا اور اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اب میں اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ توانائی میرے اندر کہاں سے در آئی تھی۔

بہرطور میں نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور مقررہ وقت پر ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی چل پڑا۔ سفر کے دوران میرے ذہن کی کیفیت کچھ عجیب سی رہی۔ نجانے کیا کیا ذہن میں آ رہا تھا لیکن سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ یہ یادیں کیا دیتی ہیں سوائے تکلیف کے۔

آدھی رات کا وقت تھا ٹرین کے مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ باہر سناٹا طاری تھا اور میں خاموشی سے کھڑکی سے باہر رات کے سناٹوں میں نجانے کیا تلاش کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کان میں وہی سرگوشی گونجی۔

"بابر داد خان نیند نہیں آ رہی۔"

"ا۔ تم۔ تم۔"

"ہاں ہمیشہ تمہارے پیچھے لگی رہنے والی لڑکی محسوس کر رہی ہوں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ بالآخر مجھے تو صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ بابر سلطان تم تو وہ شخصیت ہو جس نے مجھ سے میرا ماضی چھین لیا جس نے مجھ سے میری حکومت چھین لی۔ تم نے مجھ سے وہ سب کچھ چھین لیا جس پر میں نازاں تھی جس نے مجھ میں میری ہی ملامت بنا دی۔ اگر میرا نام لے کر جلتے تھے میرا نام چھپتے ہوئے سو جاتے تھے۔ تم نے کچھ چیزیں مجھ سے گرا دیں بابر سلطان۔ اس کے بدلے میں تم دو سیم



کر کہ تم ہمیشہ مجھے یہ بات یاد دلاتی ہو کہ میں نے تمہاری خاطر کیا ہے۔ تم ہمارے دل میں کوئی محبت کا گوشہ تصور رکھو گی تو یہ تمہاری حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؟"

"تم یہ فضول باتیں مجھ سے کیوں کرتی ہو۔ میں کب کہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کسی اچھے انداز میں سوچو۔"

"تم کچھ نہیں ہو لیکن تمہارے لہجے کی نفرت بار بار مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہے؟"

"ہاں میں تم سے نفرت کرتا ہوں اس قدر کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں، مجھے تمہارے نام سے گھن آتی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے بابر داد خان یہی میری کامیابی کی دلیل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تم نہیں سمجھ سکو گے۔ فضول باتوں کے چکر میں لا کر تم سے بحث کرنے کے لیے تم کو مخاطب نہیں ہے بلکہ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتاؤ۔ ویسے پچھلی رات تم کہاں مرگئی تھیں جب وہ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے تھے۔"

"یہ تو زندگی کے معاملات ہیں تم کیا سمجھتے ہو کیا میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ لگی رہوں گی۔ کیا میں تمہاری غلام ہوں جو ہر لمحہ تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔ تم خود بھی مرد ہو انسان ہو اپنے لیے سب کچھ کر سکتے ہو۔ ہاں جہاں میں ضرورت محسوس کروں گی کہ میرے بغیر تم آگے نہیں بڑھ سکتے تو وہاں میں تمہاری مدد کروں گی۔ چونکہ تمہیں بھی میری مدد کرنا ہے تمہیں مجھے وہ مقام دینا ہے جو تم نے مجھ سے چھین لیا ہے۔"

"کاش میں تجھے فنا کر سکتا ابلیس۔ کاش میں تجھے ختم کر سکتا۔"

"انسان جو کام نہ کر سکے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

"ٹھیک ہے اس وقت تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"دیکھو بابر داد خان اس سلسلے میں بڑے تحمل سے غور کرو۔ تم میری مخالفت مول لے کر نتائج دیکھ چکے ہو۔ بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا تمہاری پھانسی میں۔ آج تاریخ سے چند روز بعد تمہارا جسم بے جان ہوتا اور تم ایک رسی میں گلے میں پھندا لیے ہوتے۔ کیا تمہیں وہ منظر پسند تھا؟"

"نہیں پسند تھا۔ اسی لیے تو تیرے احکامات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"پھر اپنے اندر ذرا سی نرمی اور ملاوٹ پیدا کرو۔ اب تم جس علاقے میں جا رہے ہو وہ بلاشبہ تمہارے لیے اجنبی ہے لیکن میں تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہونے دوں گی جیسا کہ اس شخص نے بتایا تھا جس کا نام زمان تھا تو تمہارا نام ابرداد خان بدل کر اب شیرو کر دیا گیا ہے۔ شیرو کی حیثیت سے تمہیں بمبئی کے علاقے میں پہنچنا ہے جہاں سنگھ نامی ایک شخص زندہ ہے تمہیں سنگھ سے اپنے حساب کتاب چکانے ہیں تم بے فکر رہو۔ خنڈال سے مقابلہ کرتے وقت جو تمہاری حالت ہوئی تھی اب نہ ہو گی کیونکہ میری قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں تمہیں جس حیثیت سے وہاں بھیج رہی ہوں اس کا اہل بھی بنا رہی ہوں۔ یہ تو تمہارے ہاتھ میں ایک طلسماتی ہوا ہو گا اور تم اسے کس طرح استعمال کرو گے کہ کوئی تمہارا ثانی نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی تمہارے بدن میں کچھ ایسی قوتیں ابھار دی ہیں جس سے تم اپنا انتقام حاصل کر لو۔"

"لیکن آخر ان فضول حرکتوں سے تجھے کیا ملے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ سوال میرے لیے بے مقصد ہے اور میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔"

"پھر تو کیا پسند کرتی ہے؟"

"صرف یہ کہ تم میرے احکامات پر عمل کرتے رہو اپنے ذہن کو کچھ نہ سوچو۔ اپنے ذہن کو میرے حوالے کر دو میں جو چاہوں گی تم سے کام لے لوں گی اور جب میرا مقصد پورا ہو جائے گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ ہاں یہ میرا وعدہ ہے کہ میں اپنی اصل زندگی حاصل کرنے کے بعد تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ٹھیک ہے مجھے کچھ اور تفصیل بتا۔" اچھر نے بالآخر تنگ آ کر مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ اسی دوران اس نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے عجیب تھا۔ جیسے ہی وہ مجھے سب کچھ بتا چکی اور میں اس پر غور کرتا۔ اچانک لیکن اب جو اس نے مجھے تفصیل بتائی اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی اور میں ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھیل گئی۔ بمبئی کا سفر ہی کافی تھا اور مجھے یہ وقت کرب کے عالم میں گزارنا تھا۔ ویسے میں یہ سمجھ چکا تھا کہ اچھر کو اب دوبارہ میری مدد کے لئے آنا ہو گا اس لئے مجھے اب کوئی دقت نہیں ہو گی اور اس نے جو میرے بدن کی توانائیوں کے بارے میں کہا تھا تو درحقیقت مجھے اس کا احساس ہو گیا تھا کہ پہلے سے بہت زیادہ توانا ہو گیا ہوں۔ بالآخر میں بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی میرے لئے کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی جہاں میں نے ایک مدت گزاری تھی۔ میں نے بہت سارا وقت گزارا تھا جہاں مجھے وہ کیفیت ملی تھی اور جہاں سے اس نے مجھے رجا سیٹھ کے بیٹے کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ اس بستی میں اس نے خسین کو پاکر قتل کیا تھا۔ یہ احساسات جب بھی میرے ذہن میں آتے، میرے ذہن میں ہنگامے سے ہونے لگتے لیکن میں جانتا تھا کہ یہ ہنگامے مجھے سوائے جیل کے اور کچھ نہیں دے سکیں گے۔ میں اپنی فطرت کو بدلنا چاہتا تھا۔ بالآخر میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور کچھ گھنٹے بسر کرنے کے بعد اس علاقے میں داخل ہو گیا جہاں سنگمت نامی شخص سے مجھے ملنا تھا۔

جب میں سنگمت کے اڈے پر پہنچا تو وہاں چند افراد اور بھی موجود تھے۔ سنگمت نے میری جانب دیکھا۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ حالانکہ میں نے زندگی میں پہلی بار اسے دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں جو کچھ چھپا ہوا تھا اس کی بنا پر وہ شخص میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ سنگمت نے مجھے دیکھا اور حیرت و تعجب سے اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات پھیلنے لگے تھے۔ پھر وہ کچھ لمحے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سارا حساب کتاب بند کر دیا تھا جو وہ کر رہا تھا۔ نوٹوں کی بہت سی گڈیاں اس کے سامنے تھیں۔ اس نے ساری گڈیاں ایک طرف سرکائیں۔ اس کے چہرے پر حیرت کی کیفیت تھی۔ پھر وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"تو۔ تم آ گئے ۔۔۔؟"

"ہاں سنگمت۔ میں آ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں شیرو ۔۔۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"کہو کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم یہاں آنے کی جرأت کرو گے۔" سنگمت بولا۔

"سنگمت اگر یہ بات تمہارے وہم و گمان میں نہیں تھی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم بے وقوف ہو۔" میں نے کہا۔

"ہوں۔ میں کیا ہوں اس کا اندازہ ابھی تمہیں ہو جائے گا لیکن تم کیا ہو اس کا اندازہ بھی میں کرنا چاہتا ہوں؟"

"اس کا اندازہ کرنے میں بھی تمہیں دیر نہیں لگے گی سنگمت۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سنگمت نے گردن ہلا دی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے، ایک دوسرے سے ملائے اور پھر دونوں ساتھ ہی کھول دیئے۔ اس کے ساتھ ہی کئی آدمی دو دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ انہوں نے قطاریں بنالی تھیں۔ اب ان میں سے ہر شخص کے پاس چاقو نظر آ رہا تھا۔ میں ان کے درمیان آرام سے کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں تو بول تیرا نام شیرو ہے۔۔۔؟"

"ہاں! میں شیرو ہوں، تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو سنگمت۔"

"میرا خیال تھا کہ بادل کی حمایت حاصل کرنے کے بعد تو یہاں سے بچ کر نکل جائیگا۔ بادل نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا اس نے میری کمائی سب اس کے ساتھ ہو گی۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے اگر وہ تیری حمایت کرتا ہے تو تو نکل جائے گا۔ لیکن جانتا ہے تو نکل سکتا تھا لیکن بادل نہیں نکل سکتا تھا۔ میں اپنا نقصان مع سود کے وصول کرتا ہوں۔ مجھے میرا نام سنگمت ہے۔"

"اچھا اور یہ تیرے کل پرزے ہیں۔ کیوں۔ بات اصل میں یہ ہے سنگمت کہ میں دوسروں کے بل پر نہیں اکڑتا۔ میرے اپنے بازو کافی مضبوط ہیں، آزماؤ گے؟"

"ضرور ضرور۔" سنگمت نے خونخوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی بھیانک سی تھی۔ میں نے کہا۔

"تیری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تو کبھی نہیں آیا۔ بادل کے اور بھی بہت سے ٹھکانے ہوں گے۔ تیرے ساتھ کتنے آدمی موجود ہیں باہر؟" اس نے سوال کیا اور میری مسکراہٹ کو اور گہری کر دیا۔ اچھر نے جو حالات مجھے بتائے تھے ان کے تحت بہت سے واقعات میرے علم میں آ چکے تھے۔ سنگمت کے خیال سے بادل میرا سرپرست تھا۔ بادل بھی یہاں کے علاقے کا دادا تھا۔ ویسے میں نے کبھی اس سے پہلے اس کا نام نہیں سنا تھا۔



"اس کا اندازہ تم خود باہر نکل کر لو۔" سنگمت کی اچانک تو ۔۔۔ میں تنہا ہوں۔"

"اور ہم اسی آدمی ہیں۔" سنگمت ہنستے ہنستے بولا۔

"تب تو مضحکہ خیز بات ہے سنگمت۔ ابھی تم سوچ رہے ہو کہ ان دس آدمیوں میں کتنے میرے حصے میں آئیں گے۔ تو اگر چاہے تو تجھ سمیت ان سب کو ایک آدمی کیلئے کافی سمجھوں۔ میں ۔۔۔ [illegible]"

"ارے واہ میرے شیرو۔ تو اکیلا ہی ان کی فوج کے لئے کافی ہے۔ ۔۔۔ تو نے ان کو تمہارے ۔۔۔ [illegible] ان کی بات سنو۔"

"سناؤ۔ سناؤ ضرور سناؤ۔" میں نے کہا۔

"یہ بات ہے تم اپنی انگلیوں پر انہیں نچا رہے ہو۔ یہ سنگمت کا کہنا ہے۔"

"تو تم بھی سنو میں باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتا۔ تم بھی ۔۔۔ اور میں بھی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔؟"

"میرے ساتھ؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو تمہارا دل چاہے۔"

"چلو بے شروع ہو جاؤ۔" سنگمت نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اس کے آدمی تیار کھڑے تھے۔ وہ دو مختلف سمتوں سے ہو کر چند قدم آگے بڑھے اور آرام سے لڑنے لگے۔ سنگمت بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"چاقو تم جو آگے آ رہے ہو اب ایک ایک کر کے لڑو۔ چاقو کا استعمال کرو۔ ایک ایک کر کے لڑو۔ چاقو کا اس کرانے ۔۔۔ [illegible] آگے سے اور پیچھے سے زخمی کر کے ۔۔۔ [illegible] بہادر آدمی کسی کے بل پر نہیں لڑتا۔" یہ بعد میں پتہ چلا۔ سنگمت نے کہا اور ایک تنو مند آدمی اس گروہ سے علیحدہ ہو کر میرے سامنے آ گیا۔

وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا اور یہ بہتری اچھی بات تھی۔ مجھے بھی لطف آ رہا تھا۔ مجھے صرف اسی سے مقابلہ کرنا تھا۔ لیکن یہ سمجھا جانے لگا تھا اور اس نمونے کے لئے میں پوری طرح تیار تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے ہی حملے میں اس پر رعب ڈال دوں گا تاکہ اس کے بعد ان کی آگے کی جرأت ختم ہو جائے ۔۔۔ [illegible]

[illegible]

"تم دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور تو یہ ۔۔۔ [illegible] مجھ پر چاقو تانے رہا تھا لیکن میں نے اس طرح سے نظر انداز کر دیا تھا جیسے اس کا چاقو میری نگاہ میں کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو جس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔

اس شخص کو اس انتظار میں بہت غصہ آ رہا تھا ۔۔۔ [illegible]

---

## علم الاعداد

علم دست شناسی، علم تحریر، علم نجوم، علم کیمیا، علم قیافہ، علم چہرہ شناسی ۔۔۔

جادو نہیں، نہ ہی منتر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو دماغ نام کا کمپیوٹر عطا کیا ہے۔ اس کمپیوٹر میں سوچنے، دیکھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں بھر دی ہیں۔ ضرورت ہے کسی علم کی طرف توجہ دی جائے۔ صرف توجہ دینے ہی سے کرنسی گردو اور دو چار کی طرح سیکھا جا سکتا ہے ۔۔۔ سیکڑوں ماہرین نے ہزاروں سال تجربات کئے۔ ایم ایس صدیقی نے سب کے تجربات کو موجودہ صدی میں "دنیا کے چند پراسرار علوم" کے نام سے یکجا کر دیا ہے۔

—— پروفیسر عالم اقبال

## ایک

دبلا پتلا نوجوان اپنے تین حریفوں کی خوب پٹائی کر رہا تھا۔ وہ تینوں اچھی صحت کے مالک تھے۔ مگر انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر وہ تینوں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

معلوم کرنے پر نوجوان نے بتایا کہ میں بینک سے کچھ رقم لے کر نکلا تھا۔ یہ تینوں میرے پیچھے تھے۔ یہاں موقع دیکھ کر مجھ پر ہاتھ ڈال بیٹھے۔ شاید انہیں نہیں معلوم تھا کہ میں جوڈو، کراٹے میں مہارت رکھتا ہوں۔ نوجوان نے سب کو مشورہ دیا کہ آپ بھی غنڈوں سے محفوظ رہنے کے لئے "آسان کراٹے" اور "فن جوڈو" نامی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ یہ کتابیں "مکتبہ ھلال ۹۴۰۱۰۲ پہلا جو جلد ہی سے منگائی جا سکتی ہیں۔ میں بھی ان کتابوں سے مدد حاصل کر کے اس مقام تک پہنچا ہوں۔



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

[illegible]

نیویارک کی ایک تحقیقی جماعت کا کہنا ہے کہ اگر آپ اپنے ادارے کی کارکردگی میں اضافہ چاہتے ہیں تو اپنے دفاتر بھینی بھینی خوش بو سے بھر دیجیے۔ تحقیقی جماعت نے تحقیق کے لیے ایک سو تیس افراد کا انتخاب کیا۔ انھیں دفتر میں لکھنے پڑھنے کے عام کام انجام دینے تھے۔ آدھے لوگ ایسی جگہ رکھے گئے جہاں پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی۔ باقی لوگ عام جگہ بٹھائے گئے جو خوش بو وغیرہ سے پاک تھی۔ خوش بو والے افراد کی کارکردگی دوسروں کے مقابلے میں دوگنی سے زیادہ رہی۔

◆

[illegible]



[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

# گلزار کی تین نظمیں

## چنچل حسین لڑکی

[illegible]

## ہم آہنگی

[illegible]



[illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیا حاصل ہوگا؟

"نہیں یہ بات نہیں ہے، بس ذہن میں سوچا ہوں کہ تم کو ان چیزوں کا کوئی تو حاصل ہوگا۔"

"اس کا حاصل زندگی ہے، ایک خوشگوار زندگی۔ تم نے دیکھا مجھ سے بغاوت کر کے تمہیں کچھ نہ ملا۔ بلکہ تم موت سے قریب ہو گئے۔ چلو موت بھی دوسری چیز ہے لیکن جو اذیت تمہیں [illegible] جیل میں اٹھانا پڑتی اس سے تم زندگی سے بھی پناہ مانگنے لگتے۔ اور اب خود کو پریشان مت کرو، جو میں کہتی ہوں وہ کرو اور عیش کرتے رہو۔ جب مجھے تم سے کوئی کام لینا ہوگا میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گی۔ فی الحال تم یہی محسوس کرو کہ تم شیرو ہو اور شیرو کی حیثیت سے اپنی زندگی کو جس قدر دلچسپ بنا سکتے ہو بناؤ۔"

"ٹھیک ہے جیسا تم پسند کرو، لیکن یہ میں ضرور سوچتا ہوں کہ تمہیں ان چیزوں سے حاصل کیا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہر شخص اپنے بارے میں سوچتا ہے، میں اپنے بارے میں سوچتی ہوں، تم اپنے بارے میں سوچو اور مجھے جو حاصل کرنا ہے وہ میں کر لوں گی۔ لیکن ابھی نہیں وقت آنے پر۔ اب میں جاؤں۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے جواب دیا اور [illegible] کی آواز گم ہو گئی۔

دوسرے دن میں [illegible] کے اڈے پر پہنچا اور پھر ہم لوگ تیار ہو گئے۔ [illegible] ہم نے ضروری انتظامات کیے [illegible] مشکل کام نہیں تھا۔ ہم نے تھوڑی سی شکلیں بھی تبدیل کیں اور ہم [illegible] اڈے کی جانب چل پڑے۔

[illegible] کام ہوتا تھا، منشیات کی خرید و فروخت [illegible] اور ایسی ہی دوسری چیزیں۔ چنانچہ ہم [illegible] اڈے میں داخل ہو گئے۔

وہاں کا ماحول بھی دوسرے اڈوں سے مختلف نہیں تھا۔ [illegible] تھا۔

[illegible] رانا کرپال سنگھ تھا [illegible] کے درمیان [illegible] آنکھیں [illegible] خوفناک۔ [illegible] ہم [illegible] کے سامنے پہنچے [illegible] رانا کرپال سنگھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

"کیوں؟" اس نے [illegible] پوچھا تھا۔

[illegible]

انداز لگایا اور پھر ہم نے رانا کو مخاطب کیا۔

"رانا کرپال سنگھ، ہم تمہارے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔"

"کیا ہے؟" رانا کرپال سنگھ نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"ہم پردیسی ہیں رانا جی، دور کا سفر طے کر کے ممبئی سامان لینے آئے ہیں۔"

"تو پھر جا کر سامان خریدو، میرے اڈے پر کیوں آئے ہو۔" رانا نے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر سامان کیسے خریدیں، تمہارے آدمیوں نے ہماری جیب کاٹ لی ہے۔ ہم تو صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ ہمیں ہماری رقم دی جائے کہ واپسی پر ہم اپنے بچوں کے لیے کچھ کر سکیں ورنہ وہ بھوکے مر جائیں گے۔"

"شکلوں سے تو تم اتنے غریب نظر نہیں آتے اور پھر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ تمہاری جیب رانا کے آدمیوں نے کاٹی ہے۔؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم خود بھی اس سلسلے میں تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں۔ ہم نے بڑی مشکل سے آپ کے اڈے کا پتہ چلایا ہے اور یہ سوچ کر یہاں آئے ہیں کہ شاید آپ ایک بڑے آدمی کی حیثیت سے ہماری مدد کر سکیں اور ہمیں ہماری رقم دلوا دیں۔"

"بے وقوف ہو تم، اگر میرے آدمیوں نے تمہاری جیبیں کاٹی ہیں تو تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہیے تھا، یہاں کیوں آئے ہو۔"

"رانا جی ہمیں یہ معلوم تھا کہ پولیس تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اس لیے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"[illegible] بھاگ جاؤ، اور آئندہ کبھی اس طرح کسی اڈے کا [illegible] کرنا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری جیبیں کس نے کاٹی ہیں، لیکن اگر معلوم ہو بھی جاتا تب بھی میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔"

"مگر رانا ہم تو اپنے پیسے لینے کے لیے آئے ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ اور رانا کے ارد گرد کھڑے ہوئے [illegible] چونک پڑے۔ وہ کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"پیسے واپس لینے آئے ہو؟"

"ہاں۔۔۔"

"اور ضرور لے کر جاؤ گے؟"

"ہاں ہاں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ [illegible] رانا کا [illegible] موجود تھا۔

"[illegible]"



انداز میں کہا۔ اور پھر اپنے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"[illegible] باہر [illegible] اپنے پیسے لے کر ہی جائیں گے۔"

[illegible] دو آدمی آگے بڑھ آئے لیکن [illegible] ہمارے قریب پہنچے [illegible] واپس رانا کے پاس پہنچا دیا۔ [illegible] ہم نے پستول نکال لیے اور رانا کے آدمیوں کی طرف رخ کر دیا۔

"پورے بیس ہزار روپے تھے دادا۔ پورے بیس ہزار۔" [illegible] نے کہا۔

رانا [illegible] سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"کیا سمجھتے ہو تم لوگ، یہاں سے زندہ نکل جاؤ گے۔ [illegible] میرا نام کرپال سنگھ ہے، رانا کرپال سنگھ۔"

"اگر ہم [illegible] تو ہم اس اڈے کو جہنم بنانا جانتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ جب تک تم بمبئی کو جہنم بناؤ گے ہم [illegible] پہنچ چکے ہوں گے۔ [illegible] تم ہمارے بیس ہزار روپے نکال کر رکھ دو۔"

"تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔ جاؤ چلے جاؤ، باہر جا کر رانا کے [illegible] معلومات حاصل کرو [illegible] اگر تم نے پستول [illegible] کیا تو اس کے بعد تم اور تمہارے بچے زندہ نہ رہ سکیں گے۔"

[illegible] بیس ہزار روپے نکال کر میرے سامنے رکھ دو۔"

اس وقت رانا کے ایک آدمی نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی لیکن [illegible] نے مجھے ہوشیار کر دیا اور دوسرے لمحے [illegible] پر فائر کر دیا۔ [illegible] کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دیا تھا۔ [illegible] بھی نہیں دیکھا تھا۔

[illegible]

"بیس ہزار دو دادا، جلدی سے بیس ہزار۔۔۔"

[illegible]

"ہم انتظار نہیں کر سکتے دادا، بیس ہزار روپے واپس کر دو ورنہ ہم تمہارے اس اڈے کو جہنم بنا دیں گے۔"

"ٹھہرو میں کہاں سے دوں گا، میرے پاس کیا رکھا ہے۔" رانا جھلا کر بولا۔

"اوہ دادا ہزاروں روز کماتے ہو، بیس ہزار نہیں دے سکتے۔"

"بیس ہزار کے بچے تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔" رانا نے جھنجھلاہٹ سے کہا اور پھر اس نے اپنے تخت پر بچھی ہوئی چادر کا کونہ اٹھایا، تخت میں شاید خانے بنے ہوئے تھے۔ اس نے ایک خانے میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال لیں، پھر اس نے پورے بیس ہزار روپے گن کر گڈی ہمارے سامنے اچھال دی۔

"[illegible] لیکن یاد رکھو تمہاری جیب اگر میرے آدمی نے نہ کاٹی اور کسی دوسرے نے کاٹی ہوگی، تو یہ پیسے میں تم سے واپس لے لوں گا۔"

"اوہ دادا یہ پیسے واپس لے لو گے۔!"

"ہاں ہاں واپس لے لوں گا۔"

"کس طرح دادا۔۔؟" [illegible] نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرا کام ہے میں جانتا ہوں۔" کرپال سنگھ نے کہا اور [illegible] ہنسی نکل گئی۔ پھر میں نے بیس ہزار روپے رانا کی طرف اچھال دیئے اور بولا۔

"ٹھیک ہے دادا، یہ پیسے تم سے نہیں لیتا مگر ایک بات بتا دو۔"

"کیا مطلب؟" رانا کرپال سنگھ [illegible] دیکھتا ہوا بولا۔

"میرا نام شیرو ہے۔" میں نے کہا اور قریب کھڑے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

"کون شیرو، وہی جو [illegible] کے اڈے کا مالک بن گیا ہے؟"

"ہاں دادا وہی شیرو۔"

"تو تم شیرو ہو۔"

"ہاں دادا، میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارے اندر کتنا دم خم ہے [illegible] بیس ہزار روپے [illegible]"

"کیا [illegible] کرپال سنگھ [illegible]"

"ہاں دادا، [illegible] میرے آدمیوں کو زخمی [illegible]"



www.paksociety.com

گر قتل کریں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھو دادا۔ یہ بات تمہیں شیرو کہہ رہا ہے۔"

"اب اس میں رہ نہیں، دیکھ رکھ ہے یہ تب شیرو کا۔ یہ چاقو اپنی جیب میں رکھو اور پھر اپنی قسمت آزماؤ شیرو۔ آگے کے کھونے نواب الجھوں کو پنجاب کا دیتے ہیں۔"

"کرپان سنگھ آگ کے یہ کھیلنے تک طاقت آزمائی کے سلسلے میں ناکام ہو چکے ہیں، لیکن اس کی حیثیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر نہیں اس کا موقع مل جاتا تو کیا تم اسے سنبھال سکتے۔"

"وہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم خود کو واقعی کچھ سمجھتے ہو تو کرپان سنگھ سے خود لڑو اور فیصلہ کر لو۔"

"مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ میں تم سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے شیرو۔ اگر تم نے مجھ پر فتح حاصل کر لی تو میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ کرپان سنگھ تمہارا غلام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے دادا۔" میں نے کہا اور اپنا پستول سنگھ کے حوالے کر دیا۔ کرپان سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں پہلے بالکل مرعوب نہیں تھا۔ تب اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"سنو۔" میں نے زبان دے دی ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں تو تم میں سے کوئی کچھ نہ بولے گا۔

"ٹھیک ہے دادا، ہم تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔" اس کے آدمیوں نے جواب دیا اور کرپان سنگھ تخت سے نیچے اتر آیا۔

میرے بدن میں تھوڑی تھرتھری تھی لیکن بہرحال مقابہ تو دلچسپ ہونا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی کہ میرا مقابل میرے سامنے ہے اور مجھے اس سے ہر قیمت پر نمٹنا ہے۔ پھر خود میں کرپان سنگھ کے مقابل آ گیا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے بہت بڑے بازو اور زندگی تھی۔ چند لمحات ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر کرپان سنگھ نے اپنے حلق سے ایک خوفناک آواز نکالی اور مجھ پر حملہ کر دیا۔

کرپان سنگھ مجھ پر اچانک حملہ کر رہا تھا اور اس بات کی کسی کو امید نہیں تھی۔ پھر کرپان سنگھ نے میرے سینے پر لات ماری لیکن میں نے اسے زبردست جھکائی دی اور دوسری جھکائی دیتے ہی میں نے اس کے سینے پر ٹکر ماری۔ کرپان سنگھ نے سمجھا تھا کہ یہ بھی جھکائی ہے لیکن میری اس ٹکر نے اس کے سینے کو خاصا شدید نقصان پہنچایا تھا۔ وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور جلد ہی تمام تر خود کو سنبھال سکا تھا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار میں

نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے اس کی کلائی کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ کرپان سنگھ ایک بار پھر لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کے بعد میری لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ دھم سے زمین پر گر پڑا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پھر میں نے اپنی بے پناہ قوت سے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور پوری طاقت سے اس کے سر کو جھٹکا دیا۔ کرپان سنگھ کی گردن ٹیڑھی ہو گئی اور وہ سست پڑ گیا۔ میں نے اسے گھسیٹ لیا تھا۔ کرپان سنگھ چاروں شانے چت ہو گیا۔ میں نے اس کے سینے پر پاؤں مارنے کی کوشش کی لیکن وہ تیزی سے پلٹ گیا اور اس کوشش میں اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میری ٹانگ پکڑ لی لیکن میرا ایک پاؤں آزاد تھا اور یہی اس کے لئے مصیبت بن گیا۔ میں نے ایک زوردار لات اس کے سر پر رسید کی اور کرپان سنگھ کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔ اب وہ قطعی طور پر میرے رحم و کرم پر تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے سر جھاڑا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ "کرپان سنگھ یہ تمہاری شکست ہے۔" اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور میری طرف اچھال دیا۔ دوسرا چاقو اس نے اپنے ساتھیوں سے طلب کر لیا تھا جو میں نے لے لیا تھا۔

اور اس کے بعد چاقو کی لڑائی شروع ہو گئی۔ دفعتاً میں نے اپنا چاقو والا ہاتھ آگے بڑھایا اور کرپان سنگھ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا نہیں تھا۔ میں نے دوسرا وار کیا اور میرا چاقو اس کے بازو کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔ اس کے بعد کرپان سنگھ برداشت نہ کر سکا وہ بے درپے مجھ پر حملے کرنے لگا۔ لیکن اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ میں نے چاقو کا وار اب اس کے شانے پر کیا تھا اور اس کے شانے سے خون بہنے لگا تھا لیکن کرپان سنگھ نے خون کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ پھر میں نے زور سے ٹانگ لگائی۔

"سنبھل کرپان سنگھو دادا۔" کے ساتھ ہی میں نے پوری قوت سے ہاتھ میں لے کر اس کی ناک کی طرف بڑھایا۔ کرپان سنگھ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن یہ میری چالاکی تھی۔ میں نے چاقو دائیں ہاتھ میں لیا اور اس کے کولہے پر کاری ضرب لگا دی۔ کرپان سنگھ کے حلق سے دھاڑ نکل پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اب اس کی حالت خون سے تر بتر ہو رہی تھی۔ اس نے چند زخم کو محسوس کیا اور چاقو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔

"ٹھیک ہے شیرو دادا، تم جیت گئے۔" اس نے آہستہ



سے کہا اور میں نے چاقو اس کے پاس پھینک دیا۔

"کرپان سنگھ میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا لیکن بہرطور مجھے افسوس ہے۔"

"ارے نہیں شیرو دادا افسوس کی کیا بات ہے یہ تو فیصلہ تھا جو ہو گیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ہے اس نے ایک بار زخمی دیا تھا تو اور اب اسے شاید خانے کے زخم کی یاد آ رہی تھی۔" ایک بار اس نے قدم لڑکھڑائے اور اس نے ادھر ادھر ہاتھ پھیلائے۔ پھر وہ بولا۔

"دیکھتے کیا ہو۔ سب مجھے سنبھالو۔"

"نہیں کرپان سنگھو۔ اب ہم تمہارے پابند نہیں رہتے" ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا۔ اور کرپان سنگھ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر بے بسی سے گردن ہلا کر کہا۔

"اچھا ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے۔" پھر اس نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تم مجھے مرہم پٹی کی اجازت دو گے واحد یا میری موت تمہیں پسند ہوگی۔" اس کی آواز میں بے چارگی تھی۔

"اسے لے جاؤ۔ واحد کی مرہم پٹی کر دو۔" میں نے فیصلہ کیا۔ اور وہ سب دوڑ پڑے۔ اچھا اصول تھا ان لوگوں کا ایک لمحے میں آنکھیں بدل جاتی تھیں۔

کرپان سنگھ کا اڈہ بھی میرے قبضے میں آ گیا۔ جہاں بھی میں نے شکست والے اصول کو اپنایا تھا۔ اڈے پر سے کرپان سنگھ کے حوالے کر دیا اور اس کی آدھی آمدنی میری ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دو تین اڈوں پر مزید اسی طرح قبضہ جمایا اور اب میں بمبئی کے خطرناک لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

ایک رات لیڈا ایلسرا میرے پاس آئی۔ مجھے اس کی خوشبو محسوس ہو گئی تھی۔

"ہیلو لڈفاں۔" اس کی آواز ابھری۔

"ہاں بھئی۔"

"کیسی گزر رہی ہے؟"

"تم جانتی ہو۔"

"خوش ہو۔۔۔؟"

"ہاں۔ خوش ہوں تمہارے منتخب ہیں۔"

"میں نے تو تمہیں بھی راج کرنے کا موقع دے دیا تھا۔ مگر کیوں راج نہیں کرتے۔ کیوں ان چھوٹے سے مکانوں میں پڑے ہوئے ہو۔ کوئی خوبصورت سی کوٹھی خریدو۔ دولت کو آنکھیں آزاد جمع کر لو۔ زندگی کا پورا لطف اٹھاؤ۔"

"ٹھیک ہے ایلسرا۔ لیکن تم بہت دن سے خاموش ہو۔"

"اس کی ایک وجہ ہے بابر۔"

"کیا۔۔۔؟"

"میرا شکار تمہارے پاس نہیں پہنچا ابھی تک۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ ویسے تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"ممکن ہے اب تمہاری یہ مہم طویل نہ ہو۔ مجھے میرے مقصد کے حصول میں کچھ آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں۔"

"وہ کیسے ہوگا۔۔۔؟"

"میری کوششوں سے۔" اس نے جواب دیا۔ میں خاموش ہو گیا۔ پراسرار ایلسرا کی کوئی بات سمجھ لینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ میری تقدیر کی مالک بن گئی تھی۔ کاش اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔ کاش۔ میں حسرت سے سوچ رہا تھا لیکن ہماری خواہشیں کہاں پوری ہوتی ہیں۔ میں اتنا خوش نصیب نہیں تھا۔

"کیا سوچنے لگے بابر دادا خاں؟" اس نے سوال کیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی۔ کچھ تو۔"

"بہت سے خیالات ہیں ذہن میں۔"

"مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری تشفی کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا تم سوائے اعظم افریقہ واپس چلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔ صدیوں سے وہ میرا وطن ہے۔ ایک منزل پر میری تھوڑی بھلائی۔ مجھے اس سے پیار ہے۔ مگر ایک وحشی میرے منزل کے دوست ہیں۔ کچھ بدفطرت جادوگروں نے مجھے بھٹکا دیا تھا۔ لیکن میں جانتی ہوں وہ معصوم انسان آج مجھے یاد کر کے روتے ہوں گے۔"

"اور تمہارے دشمن۔۔۔؟"

"یوں تو ہزاروں دشمن ہیں میرے لیکن ایک بڑا نرالا دشمن تھا۔ وہ مارا گیا۔ اور اسی کی وجہ سے میں تم سے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میرا کام بہت مختصر ہو گیا ہے۔ جب تک وہ زندہ تھا میرے لئے مشکلات ہی مشکلات تھیں اور میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی لیکن ایک وقت کے بعد سکون محسوس ہوا ہے مجھے تم تصور نہیں کر سکتے بابر دادا خان کہ میں آج کتنی مسرور ہوں۔"

"لیکن تمہارا وہ خاص دشمن تو اب اپنا کیا تھا؟"

"ہاں وہی ذلیل انسان۔ اپنی جادوگری سے نقصان پہنچنے کے بعد مجھے چیلنج کر رہا تھا لیکن اب نے دیکھ لو کس قدر موت کی آغوش میں جا سویا ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن مالا ندونگا تو بہت عرصے پہلے مر چکا تھا۔"

"نہیں۔ وہ اتنی سخت جان تھا کہ سمندر کی موجیں اسے نگل سکی نہیں۔"

"اور سلمان۔"

"وہ بھی بچ گیا تھا۔ وہ بھی بچ گئے تھے اور اب وہ خان ساتھ [illegible]

میں اب اپنی اولاد کی طرح ہی ہوں۔"

"آہ۔ کیا تم مجھے ان سے نہیں ملا دو گی۔ سلمان کہاں ہیں

بس ایک بار میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔ مالا ندونگا اب دنیا میں نہیں ہے اور سلمان تو وہ اب اس قابل نہیں رہا کہ مجھ سے اپنا انتقام بھی لے سکے۔ یہ ہو کیا مطلب۔"

"مطلب میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔"

"لیکن مالا ندونگا کی موت کس طرح ہوئی میم۔"

"اپنے ہی جادو کا شکار ہو گیا وہ اپنی ہی آگ میں بھسم ہو گیا۔"

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔"

"میں اس کی طرف سے بے خبر تو نہیں تھی۔"

"ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ بہرطور اب میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ابھی نہیں بس تھوڑے دن انتظار کرو۔ جاؤ ممکن ہے تمہیں میرے لیے ایک اور قتل کرنا پڑے۔"

"ایک بات بتاؤ لیسرا تم تو کبھی بھی کہ ابھی تمہیں بہت سے انسانی خون کی ضرورت ہے۔"

"مجھے نہیں تھی دراصل مالا ندونگا کی زندگی میں مجھے اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنا پڑی تھی۔ میں آگ میں غسل کر کے ابدی ابدی زندگی نہیں حاصل کر سکتی تھی کیونکہ اب مجھے کچھ نئے عملوں کی ضرورت تھی۔ اس میں آگ کے تمام ایسے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا جہاں میں غسل کر کے اپنی ابدی زندگی بحال کر سکتی۔ اسی لیے میں نے خون کا سہارا لیا تھا۔ یہ جادو کی باتیں ہیں بابر اور زمان تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ تم دوسری دنیا کے سیدھے سادے انسان ہو۔ بہرطور میں تمہیں یہ قصہ بھی سنا رہی ہوں بس یہ سمجھیں جو کچھ حاصل ہو گیا ہے وہ آتنا ہے کہ اب اگر تم چاہو تو دیسہ جیتا کر کے یہاں سے فرار ہو سکتے ہو کسی پرسکون گوشے کو اپنا سکتے ہو اور اگر یہ بھی ناپسند کرو تو تمہیں اپنی حیثیت ملتی تو رکھ سکتے ہو۔ ایک بار تمہیں جو کچھ مل چکا ہے وہ تم سے کبھی چھینا نہیں جائے گا تم اپنی اس زندگی میں سالہا سال تک قائم رہ سکتے ہو جو اسے عرصے تک کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ عیش کیجئے۔

جاؤ یہ لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ ان سے لو یا لو اخراجات کافی۔"

"ٹھیک ہے کچھ کہنا ہے یہ میں جانتا ہوں۔ بہرطور میں منتظر ہوں تاکہ تمہیں تمہاری آخری منزل تک پہنچا دوں۔"

"آخری منزل سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ہے جب تک تمہارا کام مکمل نہ ہو جائے میں اپنے آپ کو تمہارا قیدی سمجھتا ہوں۔"

"قیدی نہیں بلکہ دوست۔ قیدی تو تم نے خود کو تصور کر لیا تھا۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔" اس نے کہا اور چند لمحات کے لیے اس کی آواز معدوم ہو گئی۔ لیسرا کے اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

سلمان زندہ تھا۔ مالا ندونگا بھی زندہ تھا لیکن اور سے تو مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن سلمان کی زندگی کا قتل مجھے بے حد عزیز تھی۔ اور نہ جانے کیوں دل کے گوشوں سے مسرت کے جذبات ابھر رہے تھے۔ مالا ندونگا مارا گیا تھا یہ بھی بہت بڑی افسوسناک بات تھی۔ کاش سلمان مجھے مل جائے۔ اگر ممکن ہو سکا تو میں لیسرا ہی سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے کسی نہ کسی طرح سلمان سے ملا دے۔ ممکن ہے اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ میری اس بات کو مان لے۔

بہرحال میں انتظار کرتا رہا۔ جنگل کے ان خوبصورت علاقے میں میں نے ایک کوٹھی خریدی تھی۔ اور اس کوٹھی میں بڑی شان سے رہتا تھا کوئی الجھن ابھی تک پیش نہیں آئی تھی۔ لیں بابا عدو اپنے اڈے پر جاتا ان کی دیکھ بھال کرتا اور ان کے مسائل نپٹاتا۔ شہر میں بیٹھے بھی جرائم ہوتے ان کی اطلاعات بھی مل جایا کرتی تھیں میری زندگی ایک خاص ڈگر پر آگئی تھی۔ لیکن میں مطمئن نہ تھا اکثر میرے ذہن میں خیال آتا تھا کہ کیا یہی زندگی ہے کیا زندگی اسی جگہ ختم ہو جاتی ہے۔ دولت ابھی خاصی مل گئی تھی لیکن ظاہر ہے زیادہ ذرائع نہیں تھے باقی تفریحات بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے بعد میں نے ان علاقوں کا رخ نہیں کیا تھا جہاں میں پہلے جاتا تھا کیونکہ اب مشاغل دوسرے ہو گئے تھے لڑکیاں مجھ سے ملتی تھیں لیکن مختلف اور بدلے ہوئے انداز میں۔ میں اپنے معمولات کے مطابق کام کر رہا تھا۔

پھر ایک دن جب شام میں بادل چھائے ہوئے تھے اور موسم خاصا دلکش ہو گیا تھا میں اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھا ہوا تھا میں کسی تفریح کا شکار تھا۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا خاص طور سے کالس کی یاد اب مجھے بار بار ستانے لگی تھی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس سے مجھے بے پناہ دوستوں کی طرح ہی محبت تھی۔ آہ اگر سلمان مجھے دیکھ لے تو کیا پہچان لے گا۔ اس دن میں نے بہت سی



باتیں ہوتی رہیں میں نے فضول کی بحث شروع کی اور پھر اس طرح اٹھا مناسب نہیں رہا تھا۔ میں نے کوئی اور شغل بھی منتخب کر لیا اپنا کام ہر قیمت پر بنانے کے لیے اور اس کے بارے کوئی ایسا کام باقاعدہ شروع کر دوں جس سے میری حیثیت مستحکم ہو جائے۔

چنانچہ دوسرے دن میں نے باقی معاملات کے بعد دولت طلب کی۔ میں اس بات کی تلاش میں تھا کہ کوئی شعبہ شروع کر دوں۔ چند دن بعد مجھے ایک اچھا شعبہ پسند آیا اور میں نے وہاں ایک بہت بڑا شوروم کھولنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس کے لیے غیر ملکی اشیاء درآمد کرنے کا بھی کام بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں امپورٹ ایکسپورٹ کی ایک بڑی فرم سے رابطہ قائم کیا گیا اور اس کے مشورے سے میں نے شوروم کی بنیادیں شروع کر دیں۔ میں فرم کو میں نے بہت بڑا آرڈر دیا تھا اور اس کے لیے تمام ادائیگیاں بھی ادا کر دی تھیں۔

چنانچہ ایک بڑی پارٹی کی حیثیت سے اس فرم نے میرے لیے کام شروع کر دیا۔ اور یوں باقاعدگی سے کام شروع ہو گیا شوروم میرے شوق کی تکمیل تھا چنانچہ میں نے اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی اور یہ ایک اچھا خاصا حسین بازار بنا تھا۔ شوروم کے بننے کا کام بھی تیز رفتاری سے ہو رہا تھا کہ ایک دن ایک عجیب مسئلہ پیش آیا۔ دو آدمیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پولیس قاتلوں کی تلاش میں تھی۔ نہ جانے یہ سلسلہ کس طرح مجھ تک پہنچ گیا۔ میں اس وقت اپنی کوٹھی کے دالان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ پولیس کی جیپ میری کوٹھی کے پاس آکر رکی اور میں چونک پڑا۔ جیپ سے چند آدمی اترے ان میں ایک پولیس انسپکٹر میرے پاس پہنچا۔ پولیس کی آمد میری سمجھ میں نہیں آئی تھی ویسے ذہن میں وسوسے جاگ اٹھے تھے۔ پولیس تو مطلوب تھا مگر پولیس اس جگہ کیوں آئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہاں اب مشکلات پیدا ہونے والی ہیں۔ لیکن اب میں ان چکروں میں پڑنے کا قائل نہیں تھا۔

چنانچہ میں سکون سے انسپکٹر کو دیکھتا رہا۔ جو کچھ دیر انسپکٹر اور پولیس کے دوسرے لوگ میرے پاس پہنچے تھے۔ انسپکٹر نے مجھ سے سوال کیا۔ وہ وہاں موجود تمام لوگوں نے اپنا تعارف کرتے ہوئے۔

"آپ کا نام شیر و شاد ہے۔ ایک قتل کے سلسلے میں ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں آپ کے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔"

"بیٹھئے مسٹر شاد۔" میں نے ان لوگوں کو واپس بٹھایا۔

میرا خیال ہے ان لوگوں کی اور آپ کی یہاں مناسب نہیں ہے۔ میں نے پولیس کانسٹیبلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور مجھے شاد ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اشارے سے کانسٹیبلوں کو باہر جانے کے لیے کہا اور وہ پولیس کی جیپ میں واپس چلے گئے پھر شاد کرسی کھسیٹ کر میرے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جناب۔ آپ شیر و ولد اس کی بیٹی ہیں نا۔"

"او۔ میں نے لاپروائی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ کون شیر و۔ میں کسی شیر و کو نہیں جانتا۔"

"معاف کیجئے گا جناب۔ ہمیں باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ آپ شیر و دادا ہیں۔"

"شیر و سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا لیکن میں دادا شیر و کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کے قتل بہت سے دلچسپ ہیں۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں شیر و ہوں تو پھر؟" میں نے پولیس انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کوئی خاص بات نہیں دادا۔ سب سے پہلے آپ یہ اعتراف کریں کہ آپ شیر و ہیں۔"

"ٹھیک ہے آگے کہو۔" میں نے کہا۔

"تو آپ سے تھوڑی سی مدد درکار ہے۔"

"مدد کیسی۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس دو آدمیوں کا قتل ہو گئے ہیں ان کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اور آپ کو علم ہے کہ پولیس کو آپ کی ذات سے دلچسپی ہے۔ مجھے علم نہیں ہے کیا آپ لوگ کسی لحاظ سے تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں یا دوسری بات ہے کہ دادا اور آپ کا تعلق کون ہے۔"

"مطلب ہے انسپکٹر اس قتل کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"ہمیں کچھ معلومات کی ضرورت ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قتل آپ کے آدمیوں نے کیا ہے۔"

"کون لوگ ہیں وہ جو قتل ہوئے ہیں مجھے بتاؤ۔" میں نے پولیس انسپکٹر سے تفصیل پوچھی۔ تب انسپکٹر نے مجھے اس کی تفصیل بتائی۔ یہ بات سب کو علم تھی کہ میں کسی وقت بھی تو ایسے گروہ کے لوگوں نے قتل نہیں کیا ہے لیکن پولیس انسپکٹر نے جو تفصیلات بتائی تھیں وہ تفصیلات میرے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔ چند لمحے تک سوچتا رہا پھر میں نے آدمیوں سے قتل ہونے کا پوچھا



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں پولیس انسپکٹر کے تعاون پر تیار ہو گیا۔ میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر، میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ قتل میرے آدمیوں نے نہیں کئے اس کے باوجود میں تمھیں مدد دینا چاہتا ہوں۔"

"ہم تمھارے شکر گزار ہیں دادا کیا تم ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

"تم نے جن عینی شاہدوں کا ذکر کیا ہے کیا تم ان سے میرے آدمیوں کی شناخت کرانا پسند کرو گے؟"

"ہاں دادا۔ یہ بات ٹھیک ہو گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس سلسلے میں، میں پولیس اسٹیشن نہیں آؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے دادا آپ اپنی کوٹھی میں ان لوگوں کو بلالیں۔"

"نہیں انسپکٹر میں یہ بھی نہیں چاہتا۔"

"کیوں دادا؟"

"اس لیے کہ میں ایک باعزت زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میری ذات میں غرور چل رہے ہیں لیکن انہیں یہ علم نہیں کہ میری دوسری حیثیت کیا ہے۔ تم جس طرح یہاں پہنچے ہو ایسے کی تو میں داد دیتا ہوں اور میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمھیں یہاں کے بارے میں معلومات کیسے حاصل ہوئیں۔"

"افسوس دادا یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بمبئی کی پولیس نہ تو ان اڈوں کو ختم کرنے کی خواہشمند ہے نہ ہی ان جرائم میں تعاون کرنا چاہتی ہے۔ البتہ ایسے کام جو کہ قانونی طور پر بہت غلط ہیں ہم انہیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے پولیس اس سے واقف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں پولیس اس سلسلے میں ذمہ دار بھی ہے" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے دادا یہ باتیں کرنے کی نہیں جو کچھ ہو رہا ہے ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔ چاہو تو بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو جس طرح ہم تمھارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔"

"تو پھر میں تمھارے لوگوں کو وہاں کب لے جا سکتا ہوں؟"

"جب تم چاہو لیکن شاہدوں کو سمجھا دو کہ کسی ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں میرے آدمیوں کی شناخت ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے دادا۔ میں اس سلسلے میں جلد ہی آپ لوگوں کو اطلاع دے دوں گا۔"

چلے گئے تو انہوں نے کہا اور ملزم سے جانے کی ایک چال بنا کر پولیس آفیسر کے سامنے رکھ دی۔

گمرو پرشاد خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کا مالک تھا گو میں نیک نام حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آیا تھا جیسے میں کوئی اہم آدمی ہوں۔ میرا بھی فرض تھا کہ میں اس سے تعاون کروں چنانچہ میں نے اس سے تعاون کیا۔ انسپکٹر گمرو پرشاد نے ان لوگوں کی شناخت کروائی۔ پھر اس کے بعد اس نے کچھ نشانات بھی دیئے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کس شخص نے ہمارے بارے میں یہ نشاندہی کی ہے۔

چنانچہ میں نے پولیس آفیسر سے یہ بات کی کہ وہ شخص کون ہے اس کے بارے میں مجھے بتا دیا جائے۔

"نہیں دادا یہ مناسب نہیں رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کا کوئی جھگڑا ہو البتہ ہم اسے بھی دیکھیں گے جس نے آپ پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی ہے ممکن ہے اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ہوں۔"

"ٹھیک ہے گمرو پرشاد اگر مجھ سے تمھاری کوئی مدد ہو سکتی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ تم جب چاہو یہاں آسکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"شکریہ دادا۔" انسپکٹر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں پُر خیال انداز میں سوچنے لگا۔ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ظاہر ہے اب ہماری سرگرمیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہم لوگوں کی نگاہ سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ ممکن ہے کسی اور بدمعاش نے ہماری نشاندہی کی ہو اور اس طرح ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہو۔

گمرو پرشاد نے اس کے بعد مجھ سے ملاقات نہیں کی البتہ کبھی کبھی اس کا فون آ جاتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔ چند دن بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ اصلی قاتل پکڑے گئے ہیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان کا تعلق ان ہی لوگوں سے تھا جنھوں نے ہماری نشاندہی کی تھی اور ہمیں پھنسانا چاہا تھا۔

میں نے بہت کوشش کی لیکن انسپکٹر نے معذرت کر لی کہ وہ ان لوگوں کا نام بتائے [illegible] ایک دشمنی بن جانے [illegible] بھی پہنچا تھا [illegible] کرلی تھی۔ اسی دوران میری فرم نے کام کرنا شروع کیا تھا [illegible]

[illegible] زندگی نے ایک اور [illegible] بدل [illegible]



دلچسپ تھا میری فرم میں بہت سے ملازم تھے کچھ لڑکیاں بھی تھیں اور کچھ نوجوان تھے جنھیں میں معقول تنخواہ دیتا تھا۔ فرم کا کاروبار نہایت خاموشی اور سکون سے چل رہا تھا۔ اب میں یہاں اچھے کاروباری کی حیثیت سے مقام پیدا کرتا جا رہا تھا۔

دوسری جانب اڈوں کا کاروبار بھی چل رہا تھا اور میں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اور بھی انتظامات کئے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری سوچ میں تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اور بظاہر معاملات پرسکون تھے۔ زندگی تو ہنگاموں کا نام ہے اگر زندگی میں نت نئی تبدیلیاں نہ ہوتی رہیں تو یکسانیت انسان کو موت کے قریب گھسیٹ لائے۔ میری بھی خواہشات یہی ہوتی تھیں کہ میں زندگی سے قریب تر رہوں۔ اور اس کے لیے میں نت نئے کام کرتا رہا۔ ابھی تک میری زندگی میں کوئی ایسا حادثہ نہیں ہوا تھا جس کو بہت زیادہ عجیب و غریب کہا جا سکتا۔

پھر ایک رات میں اپنی کار میں واپس آ رہا تھا ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ بندرگاہ کے راستے سے گزرتے ہوئے مجھے ایک کار نظر آئی جو الٹ گئی تھی۔ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ کار میں بچانے کون تھا میں نے دور سے اس کار کو دیکھا اور میں نے بریک پر پاؤں کا دباؤ ڈال دیا۔ چند لمحات کے بعد میں نے اپنی کار اس الٹی ہوئی کار کے قریب روک دی۔ میں نیچے اتر آیا۔ کار زیادہ تری نہیں تھی چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ الٹی کار میں چند لوگ زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں دو لڑکیاں تھیں اور دو مرد۔ میں نے غور سے انھیں دیکھا اور انھیں نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام کار کا دروازہ کھول کر میں نے ان چاروں کو باہر نکالا۔ ان میں سے کوئی بھی مرا نہیں تھا چنانچہ اب میرا فرض تھا کہ انھیں اسپتال پہنچاؤں۔ وہ سب زندہ تھے البتہ ان کے جسموں سے خون کافی بہہ گیا تھا۔

چند لمحات میں سوچتا رہا اور پھر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو اسپتال لے جانے کے بجائے اپنی کوٹھی میں لے جاؤں اور وہاں ڈاکٹر کو طلب کر لوں چنانچہ میں انھیں اپنی کوٹھی میں لے آیا۔ کار کو میں نے اسی طرح پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

پھر میں نے اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کو فون کیا اور وہ میرے پاس آ گیا۔ ڈاکٹر نے ان زخمیوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"خوش قسمتی یہ ہے کہ کسی کا خون زیادہ نہیں بہا لیکن کیوں نہ پولیس کو اطلاع دے دی جائے؟"

"نہیں ڈاکٹر میں پولیس کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا اگر ضرورت ہو جائے تو خود ہی پولیس کو اطلاع دے دوں گا" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ وہ میری مرضی کے خلاف پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتا تھا۔ میں زخمیوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا اور رات کے تقریباً چار بجے ان دونوں لڑکیوں کو ہوش آگیا مرد ابھی تک بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ انھوں نے ماحول دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر اچھل پڑیں۔

"نہیں نہیں بھگوان کے لئے نہیں بھگوان کے لیے نہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" میں نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پُر خیال انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا پھر میں ان لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا تمھیں یاد ہے کہ تمھاری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟"

"کار... ایکسیڈنٹ؟" ان میں سے ایک لڑکی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر چونک پڑی۔

"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ وہ بدمعاش وہ بدمعاش، ہم دونوں کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے وہ ہمیں اغوا کر رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو زخمی کر دیا تھا اور پھر کار الٹ گئی تھی۔" لڑکی نے کہا۔

"لیکن وہ کون تھے؟"

"ہم نہیں جانتے، ہم نہیں جانتے۔"

"تمھارا تعلق کہاں سے ہے؟"

"بمبئی کے رہنے والے ہیں۔ یہ بمبئی ہی ہے نا؟"

"ہاں بمبئی ہی ہے کیا نام ہے تمھارا؟"

"میرا نام کامنی ہے اور یہ سلما ہے۔"

"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتاؤ تاکہ میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں۔"

"بھگوان کی سوگند تم ہمیں وہاں چھوڑ دو گے؟" انھوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں کامنی ہاں سلما میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں گا۔"

لڑکیوں نے ایک پتہ بتا دیا اور میں نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا ان کے بارے میں مجھے پتہ ہو گیا تھا کہ وہ بدمعاش ہیں۔ بہرحال ان لوگوں کا مسئلہ بعد میں نمٹا دیا جائے گا۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اپنے ڈرائیور کے ہاتھ ان کے گھر بھجوا دیا۔ یہ کام کر کے مجھے بڑا سکون ہوا تھا۔ اس کے بعد میں ان دونوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ صبح کو ہوش میں آ گئے۔ مجھے دیکھ کر



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے پھر وہ چونک پڑے۔
"ہم کہاں ہیں؟ کون سی جگہ ہے کیا ہسپتال ہے یہ؟"
"نہیں بیٹے ہسپتال نہیں ہے پولیس سٹیشن ہے۔"
"پپ۔۔ پولیس۔۔ پولیس۔ ہم۔" ان لڑکیوں کی آوازیں خوف زدہ تھیں
"ہاں پولیس سٹیشن۔ لڑکیوں کو کہاں لے جا رہے تھے تم لوگ۔؟"
"وہ۔۔ وہ جی۔ وہ جی۔"
"ہاں ہاں کہو وہ کیا تھا؟"
"ان بچاریوں کا قصور نہیں تھا۔ دونوں لڑکیوں کا تعلق ایک غلط قسم کے گروہ سے تھا۔ وہ ملازمت کے بہانے کالج سے بلاتے تھے۔ وہ اغوا کر لیتے تھے۔ پھر انہیں دوسرے شہروں میں فروخت کر دیتے تھے۔"
"کون ہے وہ۔ اس گروہ کا نام بتاؤ۔" وہ دونوں بلک بلک کر رونے لگیں۔ پھر جب میں نے انہیں تسلی دی تو انہوں نے ایک نام دہرا دیا۔
"ہوں ٹھیک ہے اس گروہ سے بھی نمٹ لوں گا تم بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"
"ہمیں معاف کر دیجئے سرکار۔ ہمیں چھوڑ دیجئے ہمارا کوئی قصور نہیں ہے ہم تو اس کے کہنے پر یہ کام کرتے تھے۔"
"اچھا تم بھاگ جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد اس گروہ کی طرف سے تمہیں کوئی شکایت ہوئی تو میں اس سے بھی طرح نمٹ لوں گا۔" ان دونوں کو میں نے اسی حالت میں چھوڑ کر باہر لا کر ایک مصیبت میں پھنسنے سے بچا لیا۔ پھر طور پر مجھے خوشی تھی کہ میں نے ان لڑکیوں کو ان کے چنگل سے بچا لیا۔ اب وہ بالکل آزاد تھیں۔

وقت یونہی گزر رہا تھا۔ زندگی میں مختلف حادثے پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور لڑکی بھی مجھ سے آ ٹکرائی ایک نازک اندام سی لڑکی تھی۔ معصوم معصوم سے خد و خال کی مالک میری فرم میں ملازمت کے لیے آئی تھی۔ انٹرویو کے لیے میں نے ہی اسے اپنے پاس بلایا اور لڑکی کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے اس پر ترس آ گیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی تھی۔
تم ملازمت کرو گی لیکن انٹرویو میں تم نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔" دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔
"جناب! جناب میں بہت ستم رسیدہ ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی انٹرویو نہیں دیا۔ میں بہت گھبرا رہی

ہوں۔ آپ سے۔ آپ مجھے ملازم رکھ لیجئے۔ ورنہ میرا گھرانہ موت کا شکار ہو جائے گا۔" وہ بولی۔
"اوہ۔ کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اس کی درخواست پر دیکھتے ہوئے کہا۔ درخواست پر اس کا نام شاہدہ لکھا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے وہ بھی بول پڑی۔
"جی شاہدہ۔"
"کہاں رہتی ہو؟"
"ہارنگ روڈ پر۔"
"اچھا شاہدہ ٹھیک ہے۔ میں نے تمہارا اپوائنٹمنٹ کر لیا ہے کل سے تم ڈیوٹی پر آ جاؤ۔" شاہدہ ڈیوٹی پر آنے لگی۔ کچھ ایسی معصوم اور شریف لڑکی تھی۔ کہ آہستہ آہستہ وہ میرے دل میں گھر کرنے لگی۔ حالانکہ میری عمر اس کی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔ لیکن وہ میری توجہ کو محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات دیکھے جیسے وہ میری جانب متوجہ ہو اور میں سنبھل گیا۔ میں اس بچاری کو بھٹکانا نہیں چاہتا تھا۔ عمر میں وہ میری بیٹی جیسی ہو گی۔
چنانچہ میں نے اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک کر دیا اور جب ایک دن وہ جذباتی ہو گئی تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"تم غلط سمجھیں شاہدہ۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی غلط خیال نہیں ہے۔ تم تو مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہو۔"
"جی۔" وہ بڑی طرح چونک پڑی۔
"ہاں شاہدہ بیٹی۔ جذبے کبھی کبھی محبت کے تو مختلف روپ ہوتے ہیں۔ تم مجھ سے وہ توقع نہ رکھو جو ایک عورت مرد سے

---

اکبر الہ آبادی ایک بار دلی گئے۔ تو خواجہ حسن نظامی کے ہاں ٹھہرے تھے۔ ایک دن اکبر نے دیکھا کہ دہلی والے خواجہ صاحب کی بے حد تعریف کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک نے کہا "حضرت میں تو کہتا ہوں آپ کے گھر میں صحف فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ آج تو اکبر بھی آ گئے۔" یہ سن کر اکبر نے فی البدیہہ کہا۔
فقیروں کے گھروں میں لطف کی راتیں بھی آتی ہیں
زیارت کے لیے اکثر مستانیں بھی آتی ہیں

---



رکھتی ہے۔ تم میرے لیے قابل احترام ہو۔ میں تمہیں بے حد پسند کرتا ہوں۔" جواب میں شاہدہ کی آنکھوں سے آنسو امڈ پڑے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"نہیں افسوس ہوا ہے شاہدہ۔ میں نے آپ کی بات کہی ہے۔ بھٹکانے والے تو بہت سے مل جاتے۔ انہیں میں نے گندگی میں پڑنے سے نکال لیا ہے۔"
"یہ بات نہیں ہے سر! یہ بات نہیں۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"سر! سر! میں آپ کو سچ سچ بتا دوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"
"نہیں پاگل کہیں کی۔ جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا تو پھر تم اس سلسلے میں پریشان نہ ہو۔"
"سر! میرے دل میں بھی آپ کے لیے وہ احساس وہ جذبات نہیں تھے جو کسی لڑکی کے دل میں کسی مرد کے لیے ہوتے ہیں لیکن میں اپنی یہ ملازمت برقرار رکھنا چاہتی تھی میں نے اپنی دوستوں سے بات چیت کی۔ اپنے والدین سے میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ میری دوستوں نے کہا کہ یہ فرموں کے جو مالکان ہوتے ہیں وہ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سر! میں اس دن سے بہت پریشان تھی۔ ایک عرصے تک میں مسلسل پریشان رہی تھی۔ بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی یہ نوکری برقرار رکھنے کے لیے میں آپ سے وہی سب کچھ کہوں گی جس سے آپ خوش ہو سکیں۔ آپ یقین کریں۔ میں نے اپنی شخصیت کو گرا کر اپنے والدین کو زندگی بخشنے کی کوشش کی تھی۔"
"افسوس شاہدہ مجھے بہت افسوس ہے لیکن تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ واقعی اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن اب تو تم مجھ سے پہلے سے بھی زیادہ محبت کرو گی ایک بھائی کی حیثیت سے یا ایک باپ کی حیثیت سے۔" شاہدہ میرے قدموں سے لپٹ گئی۔
"سر آپ بہت عظیم ہیں۔ آپ بہت عظیم ہیں سر!" اس کے بعد سے شاہدہ میری زندگی میں ایک خاص مقام حاصل کر گئی۔ میں اسے عام لڑکیوں سے مختلف سمجھتا تھا اور اس کی ایک عزت کا خاکہ میں نے اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی بار اس کے گھر گیا تھا۔ ایک نیک اور شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ معذور تھا۔ ماں بے چاری شدید بیمار تھی۔
بہرطور میں اس کی ہر ممکن مدد کر رہا تھا۔ اب وہ میری

کوشش پر بھی آ جاتی تھی اور بہت سے معاملات میں میرا ہاتھ بٹاتی تھی۔ میں نے بارہا اسے منع کیا کہ وہ اس طرح کوٹھی پر نہ آئے کہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں تو اس نے کہا۔
"سر! آپ نے مجھے بیٹی کہا ہے نا۔ بیٹیاں تو باپوں کے گھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ یہ میرا فرض ہے جو میں کر سکے جاتی ہوں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کہتا رہے۔"
شاہدہ میری زندگی میں بہت گہرائی میں اتر گئی تھی کہ ایک منحوس شام مجھے ایک آواز سنائی دی۔ اور میں اس کی آواز کو سن کر چونک پڑا۔
"بابر داد خان!"
"اوہ! ابیرا تم!"
"ہاں، میں۔"
"خیریت۔ کوئی خاص بات ہے۔ بہت دنوں کے بعد تم مجھ سے مخاطب ہوئی ہو۔"
"ہاں۔ تو صحیح راستے پر جا رہا ہے کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لیے میں تمہیں پریشان کرتی۔ جب مجھے تمہاری ضرورت پڑتی میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔" ابیرا نے کہا۔ اور میرا دل ہول کر رہ گیا۔ اس کمبخت ابیرا کی موجودگی ایسی ہوتی تھی۔ جو مجھے ذہنی طور پر بیکل کر دیتی تھی۔ میں دھڑکتے دل سے اس کی آواز کا منتظر رہا۔ دیکھیں اب اس پر کیا مصیبت آ پڑی ہے۔
"کیا سوچنے لگے بابر داد خان؟"
"کچھ نہیں۔ تمہاری آواز کا منتظر ہوں۔"
"ہاں۔ تو میں تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ جب مجھے تمہاری ضرورت پیش آتی تھی تمہارے پاس آ گئی۔ تم نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی مجھے تم سے کوئی کام ہو گا تم میرا کام دو گے۔"
"کیا کام ہے ابیرا؟ مجھے بتاؤ۔"
"تو پھر فائدے میں تمہیں پہلے ہی سنا چکی ہوں۔ شاید یہ میرا آخری کام آخری ہی ثابت ہو اور میں اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاؤں۔ تمہیں ہمیشہ کی طرح اسی تندہی اور لگن سے میرا یہ کام کرنا ہو گا۔"
"مجھے بتاؤ تو سہی۔ براہ کرم الفاظ سے مت کھیلو۔" میں نے کہا۔
"ہوں۔ یہ مجھے توقع تھا مجھ پر بھروسہ ہے۔" اس نے کہا اور ایک لمحے کے لیے میرا دل لرز کر رہ گیا تھا۔ پتہ نہیں اب اسے کس



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا خون درکار ہے۔ ... تم ہم ... پیتے ہو ... نیچ رکے
سوال کیا۔

"کون ہے وہ ایسرا؟ کس کا خون چاہتی ہو؟"

"تمہاری محبوب دوست شاہدہ کا۔" اس نے کہا اور ایک لمحے کے لیے مجھے زوردار چکر آ گیا۔ میں نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے ... لیا تھا۔ جیسے ... وجود میں آگ کی لہریں سی دوڑ گئیں۔ میرا وجود ... طرح سن سا رہ گیا تھا جیسے جلتے توے پر پانی ڈال دیا ہو۔ کافی دیر تک یہ سنسناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ میرا دماغ اس کیفیت کا شکار رہا پھر میں نے خود کو کسی قدر سنبھال کر کہا۔

"ایسرا! ایسرا! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"شاہدہ... معصوم شاہدہ نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے کہا۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں بابر داد خان! کہ یہ ہم کے معاملات ہیں تم ان میں دخل نہیں دو گے۔ میں تم سے جو کام لوں گی تم بس وہی کام کیے جاؤ گے۔ یہ تمہارا فرض ہے کوئی بھی ... تمہارے لیے کوئی بھی حیثیت رکھتا ہو تمہیں میرے لیے وہ سب پورا کرنا ہوگا۔"

"آہ! ایسرا! تم مجھے قتل کر دو۔ لیکن مجھ سے ایسے ... مت کرو۔ ... اس کے علاوہ تم کو جو کہو گی میں اسے قتل کر کے رکھ دوں گا۔ لیکن معصوم شاہدہ... معصوم شاہدہ... وہ... وہ..." میری آواز لرز گئی۔

"بابر داد خان! مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہی مجھے درکار ہوتی ہے۔ تم اپنے طور پر کچھ بھی کہتے رہو۔ ہر طور تمہیں شاہدہ کو قتل کر کے حسب معمول اس کا خون مجھے فراہم کرنا ہے۔"

"میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"کتنے ذلیل انسان ہو تم۔ ہر بار مجھ سے وعدہ کرتے ہو اور ہر بار وعدہ خلافی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو جانتے ہو کیا ہوگا۔ ... کے غنڈے اور بدمعاش تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ تمہیں سڑکوں پر گھسیٹا جائے گا۔ پولیس تمہیں مفرور قاتل کی حیثیت سے پہچان لے گی۔ اور پھر تمہیں پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تمہاری ناپاک ... باہر نکل آئے گی اور آنکھیں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیں گی۔ کچھ سمجھے ہو تم؟ جو میں کہہ رہی ہوں وہی ہوگا۔ سمجھے بابر داد خان! وہی ہوگا۔"

"اوہ ایسرا! تم... معصوم شاہدہ کی جان اس طرح نہ لو وہ مجھے بیٹوں کی طرح عزیز ہے۔"

"مجھے اسی کا خون درکار ہے بابر داد خان! پرسوں رات ساڑھے گیارہ بجے اسی ساحل پر جہاں ایک بار پہلے بھی تم مجھے خون کی حیثیت سے پیش کر چکے ہو۔" ایسرا نے کہا۔

"نہیں ایسرا! نہیں۔"

"سوچ لو، فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں تمہیں اس ہفتے کی شکل میں ملوں گی۔ میرا کام اگر نہ ہوا تو دوسرے دن سے تم پر تباہی نازل ہونا شروع ہو جائے گی۔ اور اس بار بابر داد خان! میرا یہ فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔ تم ہر بار مجھ سے وعدہ خلافی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ میں تمہاری ان حرکتوں سے اب تنگ آ چکی ہوں اور اب جبکہ تم میرا کام کرنے سے انکار کر رہے ہو تو میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تم سے کوئی کام لینا انتہائی مشکل ہوتا ہے میرے لیے اور اب مشکلات پسند نہیں ہیں۔"

ایسرا کی آواز میں غضب ناک سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اگر مجھ سے ناراض ہو گئی ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہی کر دکھائے گی۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں۔ شاہدہ کا تصور کرتا تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔ میں نے ایک بار ... آمیز لہجے میں اسے پکارا لیکن مجھے جواب نہیں ملا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ جا چکی ہے ... آخری حکم ... جا چکی تھی۔ شاہدہ کی موت کا حکم۔ کیا میں شاہدہ کو قتل کر سکوں گا؟

"نہیں ہرگز نہیں۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے جس سے شاہدہ بچ جائے اور میرے ساتھ بھی یہ سب کچھ نہ ہو۔ اور اگر مجھ پر ہونا ہی ہے تو پھر میں اپنی ذات پر سب کچھ برداشت کر لوں گا۔ لیکن شاہدہ کا قتل اب میرے ہاتھوں سے نہیں ہوگا۔ ہاں، میں شاہدہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کروں گا۔" میں نے فیصلہ کر لیا اور میں اس کے بعد اس سوچ میں مصروف ہو گیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ایسرا سے بغاوت کر جانا تو ممکن نہیں تھا۔ وہ میرے وجود کی ... سے واقف تھی۔ جہاں بھی جاتا وہ طور پر مسلط ہو جاتی اور پھر میرے سر پر ... بھیڑیوں کے ... ٹوٹ پڑتے۔ ... رات میں جاگتا رہا۔



دوسری صبح مجھے بخار ہو گیا تھا۔ میں دفتر نہیں پہنچا تو شاہدہ نے مجھے گھر فون کیا۔ میری حالت کافی خراب تھی۔ میں نے نقاہت آواز میں اس سے بات کی تو میری آواز سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ میری کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔

"کیا بات ہے بھیا! خیریت تو ہے؟ یہ آواز کیسی ہو رہی ہے اور دفتر کیوں نہیں آئے آپ؟"

"شاہدہ! بس ذرا طبیعت گڑبڑ ہے۔ میں آج دفتر نہیں آؤں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو پہنچ جاؤں گا۔" مجھے کوئی جواب دیے بغیر شاہدہ نے فون بند کر دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ گھر پہنچ گئی۔ میں اسے دیکھ کر بے تحاشا رو دیا تھا۔ میری آنکھوں میں خون کے آثار ابھر آئے تھے۔

"شاہدہ، شاہدہ! تم یہاں کیوں آ گئیں؟"

"صبر نہیں کر سکی تھی بھیا! مجھے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں یقین کرو تمہاری محبت کا کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔ لیکن بس میرے دل میں بھی تمہارے لیے وہی محبت پیدا ہو گئی ہے جو تم نے مجھے دی ہے۔"

"آہ شاہدہ! میں تیرے لیے ساری دنیا سے ٹکرا جاؤں گا۔ میں تیرے لیے بڑا، بڑا ... تیار ہوں۔ میں تیرے ساتھ کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہیں کروں گا۔ جو تجھے کسی طور نقصان پہنچائے۔"

"مجھے؟" شاہدہ نے حیرت سے کہا اور میں نے زبان بند کر لی۔

"میں شاید نشے کے عالم میں کچھ کہہ گیا ہوں۔ شاہدہ محسوس مت کرنا۔ اب تم گھر جاؤ تمہاری بات ہے بیٹے! میرے پاس زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"بھلا یہ بات کہی آپ نے بھیا! میں آپ کی خدمت کروں گی۔ اور..." "بس آپ خاموش ہو جائیے۔"

شام تک شاہدہ گھر پر رہی۔ پانچ بجے میں نے بمشکل تمام اسے رخصت کرایا تھا۔ میری طبیعت بھی اب بہتر ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں اسے کوٹھی کے گیٹ تک چھوڑنے آیا۔ کوٹھی کے گیٹ سے میں نے شاہدہ کو رخصت کیا اور اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ چلی نہ گئی۔ میں نے اس لڑکی کے بچانے لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایسرا اب میرے ساتھ جو کچھ بھی کرے میں اسے برداشت کروں گا۔ ابھی میں گیٹ سے پلٹ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پیچھے سے ایک کار میرے گیٹ پر آ کر رکی اور کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر جو مجھے نظر آیا اسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میرا دل ... اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ نہیں، میں یقین نہیں کر سکتا۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ سلمان ہے۔ ہاں، وہ سلمان ہی تھا۔ نیلے رنگ کے حسین سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے۔ وہ کھڑکی سے گردن نکالے مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے پہچان کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں پاگلوں کی طرح اس کی طرف دوڑا۔ سلمان بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اور اس کے بعد ہم اس طرح لپٹ گئے جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ہوں۔

"سلمان! میرا بیٹا! میرا بچہ..." میں اسے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہا تھا۔ سلمان بھی جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جو اس کے چشمے کے فریم کے نیچے سے گالوں پر ڈھلک آئے تھے۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر جیب میں رکھا اور آنکھوں کو خشک کرنے لگا۔

"آؤ بیٹے! آؤ اندر آ جاؤ۔ میرے سلمان! میری زندگی... میری روح..." میں نے کہا۔

"گاڑی اندر لے آؤں؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ! ملازم لے آئے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اس سے کہا اور سلمان میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چوکیدار سے میں نے کہا کہ وہ گاڑی کسی قدر اندر ... بچھڑے ہوئے باپ بیٹے کا منظر دیکھ کر شدید حیران ہو رہا تھا۔

میں سلمان کو لے کر اندر پہنچ گیا۔ ڈرائنگ روم کے بجائے میں اسے اپنی خوابگاہ میں لے آیا تھا۔ ایک بار پھر میں نے اسے بھینچ لیا۔ سلمان بھی لپٹ کر بچوں کی طرح بیٹھا تھا۔ [illegible]

"کیا دیکھ رہے ہو بیٹے؟"

"کچھ نہیں انکل... دیکھ رہا ہوں کہ آپ میں کتنی ..." [illegible]



www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہر تو لبیدا پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"یہ ایک لمبی کہانی ہے سلطان! میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"
"آپ مجھے کیا بتائیں گے انکل! مجھے یہ ساری کہانی معلوم ہو چکی ہے۔"
"معلوم ہو چکی ہے؟"
"ہاں۔"
"کیسے؟"
"ماکانزودنگا کی زبانی۔"
"کیا؟" میری آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل گئیں۔
"ہاں۔"
"ماکانزودنگا کو میرے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟"
"انکل! ہم لوگ آپ سے غافل نہیں تھے۔ ماکانزودنگا مسلسل آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لیکن بہت عرصے بعد آپ اس کے ہاتھ لگے۔ اس وقت جب آپ جیل سے رہا ہوئے تھے۔"
"کیا؟ اس وقت ماکانزودنگا کہاں تھا؟"
"آپ کے بالکل قریب۔ وہ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ میری کہانی بہت لمبی ہے، میں آپ کو تفصیل سے سناؤں گا۔"
"یہ بتاؤ بیٹے، یہ کب سے یہاں رہتے ہو؟ اور یہاں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"
"میں کہیں نہیں رہتا انکل۔ میں آپ ہی کے پاس آیا تھا۔ فی الوقت آپ ہی کے پاس رہوں گا۔ لیکن کچھ وقت بعد واپس چلا جاؤں گا۔"
"اوہ! تو سلطان — سلطان! کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ابیرا اچانک زندگی سے واقف ہو گئی ہے اور دوسری بات یہ بتاؤ کہ ماکانزودنگا زندہ ہے یا —"
"ماکانزودنگا..." سلطان نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا پھر اپنے ہاتھ کے ناخن پر دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہاں وہ زندہ ہے۔"
"یہ تم نے اپنے ہاتھ کے ناخنوں پر کیا دیکھا؟"
"یہ انکل! اگر ابیرا اس وقت آپ پر مسلط ہوتی تو نہیں ہے۔" وہ بولا۔
"وہ تو — تو ان ناخنوں سے میرا مطلب ہے۔"
"اگر ابیرا یہاں ہوتی تو میرے ناخنوں کا رنگ گہرا سیاہ ہو جاتا۔ یہ ماکانزودنگا کا عطیہ ہے۔ اس نے ابیرا سے بچنے کے لیے بڑے بڑے شاندار کام کیے ہیں جنہوں نے ابیرا کو [illegible] بنا دیا ہے۔ انکل! اسے ماکانزودنگا کی [illegible]"

"لیکن دراصل وہ ماکانزودنگا کی جنتی تھی۔ بلکہ ایک فقیر کی تھی جو سڑکوں پر پڑا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔ ماکانزودنگا نے ابیرا کو کامیاب دھوکا دیا ہے اور وہ یہی سمجھتی ہے کہ ماکانزودنگا مر چکا ہے۔"
"اور تمہارے بارے میں؟"
"میری زندگی کے بارے میں اسے علم ہے۔ یہ بھی ماکانزودنگا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ماکانزودنگا اسے یہ باور کرا کے کہ میں زندہ ہوں ایک خاص کام میں لگا رہتا ہے۔"
"اوہ! کمال کی دنیا ہے یہ سلطان! کیا تمہیں عجیب نہیں معلوم ہوتی؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں، انکل! بے حد عجیب، لیکن بس یوں سمجھ لیں کہ میں کامیابی کے بالکل نزدیک پہنچ چکا ہوں۔"
"کیا واقعی؟"
"ہاں انکل! اب ہماری کامیابی صرف چند قدم دور ہے اور ہماری اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر بندھے گا انکل!"
"میرے سر؟"
"ہاں انکل!"
"وہ کیسے؟"
"آپ ہی تو وہ ہوں گے جو ابیرا کو میرے ہاتھوں ختم کرائیں گے۔ میں صدیوں پرانا انتقام ابیرا سے لینے والا ہوں۔ جانتے ہیں کب؟"
"کب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔
"کل رات اسی وقت جب آپ اس کے مجسمے کو خون سے غسل دیں گے۔"
میری آنکھیں شدید حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سلطان میرے بارے میں اتنا جانتا ہے۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھتا رہا اور سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آپ حیران نہ ہوں انکل! ماکانزودنگا نے ابیرا کو بدترین شکست دی ہے۔ اس کی وجہ سے ابیرا کو پچھلے دو سال [illegible] حکومت چھوڑنی پڑی۔ وہ یہاں تک پہنچی۔ اس نے اپنی جوانی اور دلکشی ماکانزودنگا کے ہاتھوں کھو دی اور اب اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنا طریقۂ زندگی بدل دیا۔ پہلے وہ آگ سے غسل کرتی تھی اور اب خون سے غسل کرنا چاہتی ہے اور اپنے آپ کو نیا رنگ دے رہی ہے۔ ماکانزودنگا نے [illegible] ہے۔ وہ اس کا کامیاب جادو ابیرا کے جادو سے زیادہ ہے۔ آپ نہیں جانتے انکل کہ



سمندری طوفان نے ہم لوگوں کو کیسی کیسی مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ماکانزودنگا ہی تھا جو مجھے زندہ بچا لایا تھا ورنہ ہماری زندگی ممکن ہی نہیں تھی۔"
"آہ! میں اس کا احسان مند ہوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے سلطان! میں بیان نہیں کر سکتا لیکن میں خوف زدہ ہوں [illegible] کہ اس قدر خطرے ہیں تو [illegible] یہ بھی غلط ہو گا کہ ابیرا نے کس طرح میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ وہ مجھ سے کیسے کیسے کام کروا رہی ہے۔"
"سب کچھ معلوم ہے انکل! مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"
"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ماکانزودنگا اس آخری کوشش میں کامیاب ہو جائے گا؟"
"ہاں انکل! اور یہی وجہ ہے کہ ابھی ہم آپ کے سامنے نہ آتے۔ میں اس کی موت کے بعد ہی آپ سے ملاقات کرتا لیکن آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا علم ماکانزودنگا کو ہے۔"
"کون سا فیصلہ؟"
"یہی کہ اس لڑکی کو آپ قتل نہیں کریں گے۔ اور اپنے آپ کو ابیرا کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔"
"مجھے یاد آیا ماکانزودنگا کو میرے دل کا حال بھی معلوم ہے۔"
"دل کا حال نہیں۔ وہ صرف آپ کے کیے کا جائزہ ہے۔ اسے صورتِ حال کا اندازہ ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آپ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی اپنی فطرت ہی ایسی نہیں ہے۔ اور پھر شاہدہ جیسی لڑکی جسے آپ اس قدر چاہتے ہیں۔"
"سلطان! سلطان! تم مجھے پاگل کر دو گے۔ شاہدہ کے بارے میں اور میرے بارے میں اس قدر جانتے ہو تم۔"
"ہاں انکل! یہ ہماری تمام کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر لمحہ آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔"
"خیر اب بتاؤ کہ ماکانزودنگا نے تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا ہے؟"
"اس لیے انکل! آپ شاہدہ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ میری ہدایت کے مطابق اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے سامنے جو کچھ [illegible] آپ [illegible] رہیں گے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ شاہدہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ میرا نہیں ماکانزودنگا کا وعدہ ہے۔"
"کیا واقعی؟"
"ہاں واقعی انکل! کل ابیرا کا خاتمہ ہو جائے گا۔" سلطان نے جواب دیا اور میں شدید حیرت سے تکتا اس کی شکل دیکھتا ہی رہ گیا۔
سلطان رخصت ہو گیا لیکن میں بے بسی کا شکار رہا۔ بہرحال اب سارے کام ہوشیاری سے کرنے تھے۔ شاہدہ کو میں نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ تو بس دعا ہی کیا کرتی تھی۔
چنانچہ میں دوسری رات اسے اپنے ساتھ لے کر ساحل پر پہنچ گیا۔ [illegible] ابیرا کا مجسمہ ویسا ہی نظر آ رہا تھا۔ وقت نزدیک آ گیا تھا۔ میں گویا اپنا کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ دفعتاً سمندر میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر اس میں سے دو انسان باہر نکلتے نظر آئے۔ سلطان کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ دوسرا آدمی — ماکانزودنگا تھا۔
دفعتاً فضا میں ایک بھیانک چیخ ابھری اور میرا دل دہل اٹھا۔ ابیرا کے مجسمے میں تحریک پیدا ہوئی لیکن اس سے قبل کہ وہ کوئی قدم بڑھاتی، سلطان کا خنجر اس کی گردن پر پڑا اور اس کی گردن الگ ہو گئی۔ [illegible] آسمان [illegible] تھا۔ عجیب و غریب آوازوں سے فضا ہولناک ہو گئی تھی۔ شاید وہ چیخ ابیرا کے [illegible] سفید سفید [illegible] کے گرد چکرا رہے تھے۔ اور فضا میں ایک عجیب سی خوشبو پھیل گئی تھی۔
"میں نے [illegible] جادوگر [illegible] اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب اس [illegible] کو [illegible]" سلطان کی آواز ابھری۔ اور پھر ایک آواز میرے کانوں نے سنی۔
"جیو میرے بچے! تو نے صدیوں کا قرض چکا لیا ہے۔"
اب ہم پُرسکون ہیں۔ آوازیں معدوم ہو گئیں اور اب سمندر کی لہروں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ بے ہوش شاہدہ کو اٹھا کر ہم واپس چل پڑے۔
ماکانزودنگا سے [illegible] بعد ملاقات ہوئی لیکن سلطان کو میری اس نئی زندگی کے بارے میں معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی۔ اور پھر ہم نے مستقبل کے فیصلے کیے۔ سلطان [illegible] کہ میں [illegible] واپس چلوں۔ یہاں میرے لیے کوئی دلکشی [illegible] شاہدہ کے نام منتقل کر کے ایک رات ہم خاموشی سے سفر پر چل پڑے۔ ماکانزودنگا اور سلطان میرے ساتھ تھے اور بہت خوش تھے کیونکہ سفر میں ہم [illegible] ایک پُرسکون زندگی کا آغاز کرنے جا رہے تھے۔

●



www.paksociety.com